

ابنِ صفحی

جاسوسی دنیا

-36- خطرناک دشمن

-37- جنگل کی آگ

-38- کچلی ہوئی لاش



وہ اتنی آسانی سے اس کھڑکی تک پہنچ گیا جیسے دن رات بھی کرتا رہا ہو۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس نے اندر جھاٹک کر دیکھا۔ کمرے میں سننا تھا۔ شاید یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ ایک طرف ایک بڑی سی مسہری تھی جس پر ایک نوجوان عورت سورہ تھی۔ مفرور بہ آہنگی کمرے میں اتر گیا اور پھر اس نے کھڑکی سے جھاٹک کر نیچے کی طرف دیکھا۔ اب اس لگی میں بھی پولیس والوں کی تارچوں کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ اس نے کھڑکی بند کر دی اور پھر دوسرا طرف مزاہی تھا کہ اس کا بیر ایک چھوٹی سی میز سے نکلا گیا۔ میرالٹ اگئی۔ ساتھ ہی سونے والی عورت بھی جاگ پڑی۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں اور شاید وہ یقینت ہی والی تھی کہ مفرور نے جھپٹ کر اس کا منہ بادیا۔ اس کا ایک ہاتھ اس کی گردن پر تھا۔

”اگر چیخیں تو گلا گھونٹ دوں گا۔“ اس نے اس کی گردن پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے سر گوشی کی۔

عورت نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ اس کی خوفزدہ آنکھیں مفرور کے ڈراؤنے چہرے پر جم گئی تھیں۔ وہ پلکیں تک نہیں جمپکار ہی تھی۔

”میں چوری کرنے نہیں آیا۔“ مفرور نے آہستہ سے کہا۔ ”جیل خانے سے بھاگا ہوں۔ ایک بہت بڑا آدمی ہوں۔ پولیس میرے تعاقب میں نہیں۔ اگر تم خاموش رہیں تو میں تمہارا شکر گذار ہوں گا۔“

عورت بے حس و حرکت اس کے بازوں میں پڑی رہی۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ ”بولو! کیا کہتی ہو! خاموش رہو گی۔“ مفرور نے پوچھا۔

عورت نے اثبات میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔ مفرور نے اُسے چھوڑ دیا اور وہ ایک بے جان لاش کی طرح مسہری میں گر گئی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں اب بھی دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ باز کے پیجوں میں دبی ہوئی کسی نہیں منی سی چڑیا کی طرح ہاپ رہی تھی۔

”یہاں اور کون ہے؟“ مفرور نے پوچھا۔

عورت نے پھر نہیں میں گردن پلادی۔ منہ سے کچھ نہیں بولی۔

”تم اکیلی ہو؟“

اس بار اس نے اثبات میں سر بلادیا۔

مفرور قیدی

وہ ایک تاریک لگی میں گھستا چلا گیا۔ پولیس والے اندر ہیرے میں ٹھوکریں کھاتے پھر رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں دبی ہوئی تارچوں کی روشنیاں اندر ہیرے میں آڑی تر پھی لکیریں ڈالتیں اور پھر غائب ہو جاتیں۔ یہاں کمی گلیاں تھیں اور وہ یہ نہیں دیکھ پائے تھے کہ مفرور کس لگی میں گھسا ہے۔ کمی کمی منزلوں کی سربفلک عمارتیں تاریک اور سنسان پڑی تھیں۔ البتہ کہیں کہیں آدمہ کھلی کھڑکیوں میں گھرے نیلے رنگ کی روشنی دکھائی دے جاتی تھی۔

رات آدمی سے زیادہ گزر پچلی تھی اور بستی پر اندر ہیرے کی حکمرانی تھی۔ سانٹے میں پولیس والوں کے وزنی جو توں کی آوازیں ڈراؤنی قسم کی گونج پیدا کر رہی تھیں مگر مفرور خود کو محفوظ سمجھ رہا تھا۔ شاید اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ شہر کے کسی حصے میں وہ تھوڑی دیر کے لئے خود کو محفوظ سمجھ سکے گا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ اس حصے کی گلیاں اس کا تعاقب کرنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہیں۔

مفرور کے جسم پر جیل خانے کے قیدیوں کا سالابس تھا اور چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی۔ سر کے بال بھی بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان میں شعلوں کی طرح دکھتی ہوئی آنکھیں بڑی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔

پولیس والوں نے سیٹیاں بجاں شروع کر دی تھیں۔ خطرے کی سیٹیاں شاہد وہ اپنے قرب و جوار کے دوسرے ڈبیٹی والوں کو اپنی مدد کے لئے بلانا چاہتے تھے۔

مفرور ان سب سے بے پرواہ... گندے پاٹ کے سہارے عمارت کی اس منزل تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جہاں اسے ایک کھڑکی میں نیلے رنگ کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

”ورونہیں۔“ مفرود قیدی مسکرا کر بولا۔ ”میں تمہیں کوئی بقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ اگر میں صحیح سلامت نکل گیا تو ہمیشہ تمہارا احباب یاد رکھوں گا۔ بُرے آدمی بھی کبھی نہ کبھی کام آجائتے ہیں۔ پس تم بھیں میرے پاس کھڑی رہو۔“

اس نے شیف پر رکھا ہوا ذرا ٹھیک بنانے کا سماں اٹھایا۔ اور پھر چند ہی منٹوں بعد وہ عورت اسے تحریر آمیز نظروں سے گھور رہی تھی۔ بے ترتیب بالوں کے جھنکاڑ صاف ہوتے ہی ایک دلکش خط و خال والا سخت مند چڑہ نمایاں ہو گیا تھا۔ مفرود نے اپنے سر کے بال بھی درست کئے اور ایک دلاؤ یہ مسکراہٹ کے ساتھ عورت کی طرف مڑا۔

”تمہارے بہت بہت شکریہ! مگر میں ابھی تھوڑی تکلیف اور دوں گا۔ میرے کپڑے....!“
اس نے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔ ”نہیں بھی ٹھکانے لگانا ہے۔ یقین رکھو
میں تمہارے شوہر کے کپڑے واپس کر دوں گا۔“

عورت نے آہتہ سے غسل خانے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔ وہ بھی اس کے پیچے چلا۔ وہ اسے ایک دوسرے کرے میں لے آئی۔

”روشنی سے پہلے کھڑکیوں پر پردے کھینچ دو۔ وہ سوررات بھر یہیں سر نکراتے رہیں گے۔“
عورت نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر کرے میں روشنی کر دی۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ یہاں ایک طرف چھوٹے بڑے کئی سوٹیے چنے ہوئے تھے اور سامنے ملوسات کی الماری تھی جس میں قد آدم آئیکے لگا ہوا تھا۔ اس کے پیچے کئی عدد نئے پرانے جو توں کی قطار تھی۔ مفرود نے آگے بڑھ کر ایک جو تے میں پیڑاں دیا۔

”واہ... وال وہ آہتہ سے بولا۔ بالکل ٹھیک۔ شاید میرے ستارے ٹھیک ہو گئے ہیں۔
کاش کپڑے بھی مناسب ہوں۔“

”آپ کون ہیں۔“ عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔
”واہ... خیر شکر ہے کہ تم کچھ بولیں تو۔“ بھی مسکرا پڑا۔ ”میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں

گا۔ کیونکہ تم ایک نیک دل عورت ہو۔ تم نے کبھی راہل کا نام نہیں۔“
”راہل...!“ عورت کے ہونٹ ہلے اور پھر اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

”ورونہیں راہل اپنے محسنوں کو پوچتا ہے۔“ مفرود قیدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر راہل

”چلو ٹھیک ہے۔“ مفرود نے اطمینان کا سانس لیا اور گھنی موچھوں کے پیچے اس کے ہونٹ ذرا سے پھیل گئے۔ شاید وہ مسکرا رہا تھا۔

اب عورت نے اپنے دونوں ہاتھ میں پر رکھ لئے تھے اور اس کی پلکیں جھپکنے لگی تھیں۔
دوسرے اعضاء بے حس و حرکت تھے۔

”اٹھو! مجھے تمہاری مدد رکار ہے۔“ مفرود نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
عورت چپ چاپ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”تمہارے بیہاں کوئی مرد نہیں ہے؟“ مفرود نے پوچھا۔
لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس دوران میں ایک لمحے کے لئے بھی اس کی آنکھیں مفرود
کے پیچے سے نہیں ہیں۔

”کہاں ہے؟“ مفرود نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
یہ لوگ تیری منزل پر تھے۔ لیکن پیچے کا شور انہیں صاف نہیں دیا۔ رہا تھا۔
پلیس والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور اب ان میں اس نیمتی کے باشندوں کا بھی اضافہ
ہو گیا تھا۔

”لڑکی تم بولتی کیوں نہیں ہو۔“ مفرود نے جھنگھلا کر کہا۔
”جی....!“ عورت کے طلق سے مری مری سی آواز لٹکی۔

”تمہارا آدمی کہاں ہے؟“
”ڈیوٹی پر ہے۔“

”کیا کرتا ہے؟“
”ڈاکٹر...!“

”واہ اچھا...! غسل خانہ کدھر ہے؟“
عورت نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

”چلو....!“ وہ اسے شانے سے پکڑ کر آگے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔
وہ دونوں غسل خانے میں پہنچے۔ مفرود نے روشنی کر کے دروازہ بند کر دیا۔ عورت نری
طرح کانپ رہی تھی۔

آدمی جس نے قیدیوں کا الیاس پکن رکھا تھا یہاں آیا تھا۔ اور اس نے تمہیں بے قابو کر کے شیو کیا۔ تمہارے شوہر کے کپڑے پہنے اور رفوچکر ہو گیا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔“

عورت کچھ نہ بولی۔ اس کے چہرے پر خوف اور ابھن کے ملے جلے آثار تھے۔

”بولو.... جلدی کرو.... سنو کتے کس قدر شور چارہ ہے ہیں۔“

”آپ بحفاظت.... نکل.... جائیں گے۔“ عورت کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

”اب مجھے کوئی نہیں پاسکتا۔“ مفرود کے لباس میں خود اعتمادی تھی۔

”تو پھر....!“

”تمہیں منظور ہے۔“ مفرود چیک کر بولا۔

عورت نے اثبات میں سر بلادیا۔ پھر مفرود نے اسے ایک کرسی میں جکڑ دیا۔

”ہاں سنو! تمہارے منہ میں رومال ابھی ہوتا چاہئے ورنہ قانون تم سے پوچھے گا کہ تم چینیں کیوں نہیں۔“

عورت نے منہ کھوں دیا۔ دو تین منٹ بعد وہ ہلکے سروں میں سیٹی بجا تا ہوا یونچے جانے کے لئے آہستہ آہستہ زینے طے کر رہا تھا۔

اندھیری گلیوں میں بھیڑ تھی اور کئی طرح کا شور رات کے نیائے کو مجرموں کا جرہ رہا تھا۔ وہ بڑی آسمانی سے پولیں والوں اور بستی کے باشندوں کی بھیڑ میں مل گیا کسی نے اس کی طرف دھیان نکلنے دیا۔ وہ لوگ تو دراصل ایک ایسے آدمی کی تلاش میں تھے جس کے جسم پر جل خانے کے کپڑے تھے۔

مفرود بڑے اطمینان سے ایک ایک گلی میں گھٹا پھر رہا تھا۔ لیکن اب فرار کی ساری راہیں مسدود ہو چکی تھیں کیونکہ ہر گلی کے اختتام پر دو تین مسلخ کا نشیل ضرور موجود تھے اور وہ لوگوں کو گلیوں سے نکل کر سڑک پر جانے سے روک رہے تھے۔

ایک گلی کے گھر پر اسے صرف دو کا نشیل نظر آئے وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا۔

”کیا یہاں صرف دو ہی ہیں۔“ اس نے نہ رعب آواز میں پوچھا۔

وہ دونوں چوک کراٹینشن ہو گئے۔

”ہماری کار کدھر گئی۔“

کے باتحہ میں ایک ریوالر بھی ہوتا تو وہ تمہیں اتنی رات گئے تکلیف نہ دیتا۔“

اس نے ملبوسات کی الماری کھوئی ہی اور کچھ کپڑے نکال کر دیکھے۔

”چلو غیمت ہے۔“ وہ آہستہ سے بڑبڑا۔ پھر عورت کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”اپنا منہ پھیر کر کھڑی ہو جاؤ۔“

”اوی.... ہوں۔“ مفرود سر ہلا کر بولا۔ ”تم یہیں ٹھہر د۔ چلو یہی ٹھیک ہے۔ میں انہیں کپڑوں پر دوسرا الیاس پہنؤں گا۔“

لباس تبدیل کرنے میں اسے بشكل تمام پانچ یا چھ منٹ لگے۔

”مقدار ساتھ دے رہا ہے۔“ وہ نہ کر بولا۔ ”کپڑے گویا میری ہی ناپ کے ہیں۔ یہ کل شام تک تمہیں واپس مل جائیں گے۔“

اس نے فلک ہیئت اتار کر اپنے سر پر جائی اور قد آدم آئینے میں دیکھنے لگا۔

”بالکل ٹھیک ہے۔“ اس نے عورت کی طرف مڑ کر پوچھا۔ ”کیا میرا کوئی مفرود قیدی معلوم ہوتا ہوں۔“

”جی نہیں۔“ عورت نے اسے تعریفی نظریوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ پھر خواب گاہ میں آگئے۔

”اچھا تو رخصت....!“ مفرود اپنی پیشانی پر ہاتھ لے جا کر بولا۔ ”میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔“

”ٹھہریے....!“ عورت گھبرائی ہوئے لباس میں بولی۔ مفرود دروازے کے قریب پہنچ کر رکا۔

”یہ ڈاکٹر کا پسندیدہ سوت ہے۔ شاید وہ پوچھیں۔“

”اوہ....!“ مفرود سوچ میں پڑ گیا۔ ”تو پھر کیا تم میری تجویز پر عمل کر دیگی۔“ ”تجویز....!“ عورت تھوک نکل کر رہا گئی۔

”دیکھو اس بستی کا ایک ایک فلیٹ دیکھا جائے گا۔ اگر میں تمہیں کسی کرسی میں باندھ دوں تو...“

”جی....!“ عورت گھبر اگئی۔

”اوہ ہاؤ رنے کی بات نہیں۔ جب پولیس یہاں آئے تو تم بلا خوف اسے بتا سکتی ہو کہ ایک

”اوہ تو کوئی گاڑی نہیں صاحب۔“

”اوہ تو اوہر ہو گی۔“ وہ ایک کانٹیبل کے کانٹھے پر با تھر رکھ کر بولا۔ ”ذر اجوان لپک کر ڈرائیور کو بولو اوہر نا ہے۔“

”مکھڑے ہے صاحب۔“ اُس نے پوچھا۔

”وہ... اوہر... جیس ایڈ جعفری کمپنی کے سامنے۔“

پھر وہ سٹکھیوں سے اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ جیسے ہی وہ چوراہے سے دوسری طرف مڑا اس نے پاس کھڑے ہوئے کانٹیبل کی گردن پکولی۔ ایک ہاتھ سے اس نے ان کا منہ دبایا اور دوسرے سے اس وقت تک اس کا گلا گھونٹتا رہا جب تک کہ اس کا دم نہیں نکل گیا۔ بستی کے دوسرے حصوں میں اب بھی شور ہو رہا تھا۔

اس نے آہنگ سے مردہ کانٹیبل کو زمین پر ڈال دیا اور پھر سیدھا ہو کر اتنی لاپرواں سے ہاتھ جھاڑنے لگا جیسے اس نے اپنے ڈرائیکٹ روم کی کوئی کرسی ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھی ہے۔ پھر اس نے تیز قدموں سے چلتے ہوئے سڑک پار کی اور دوسرے کنارے کی عمارتوں کے سلسلے میں گم ہو گیا۔

ایک گھنٹے بعد وہ ایک نیئے رہوار ان کے سامنے کھڑا تھا جیسے شاید بندر کیا جا رہا تھا لیکن دیڑ جو سکھنچ کر دروازہ بند کرنے جا رہا تھا اسے دیکھ کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسکے پیڑ کا پتے لگے تھے۔

”کیا کوئی گاہک...!“ کاؤٹر کے پیچھے سے ایک گر جدار آواز آئی۔ ”ریسکوران بنڈ ہو رہا ہے۔“

”ریسکوران کے پیچے اپنی شکل دکھاؤ۔“ مفرور اندر پیچ کر غریا۔

کاؤٹر کے پیچے سے ایک چہرہ ابھرا جس کے قریب شراب کا گلاس تھا۔ لیکن مفرور کی صورت دیکھتے ہی گلاس فرش پر آ رہا۔ نائلے میں شیشے کے مکڑوں کی ٹکنکھاہٹ گونج کر رہی گئی۔

”آپ...؟“ کاؤٹر کے پیچے کھڑے ہوئے آدمی کے منہ سے چینی نکلی۔

”ہاں میں... اور تم حرام زادو! یہاں پھر ہے اڑاہے ہو۔“

”میں بتاؤں۔“ وہ کاؤٹر کے پیچے سے نکل کر کانپتا ہوا بولا۔ ”سارا قصور اس نک چیز کا ہے۔“ سب یہی کہتے ہیں.... ویسے آپ کی مرضی۔ آج بھی میری جان آپ کے ہاتھ میں ہے۔“

یہ ایک تونہ اور خوفناک چہرے کا آدمی تھا لیکن مفرور کے سامنے اس طرح کاپ رہا تھا

جیسے اُسے موت نظر آگئی ہو۔

”اور سب کہاں ہیں۔“ مفرور نے پوچھا۔

”اوپر... سب پریشان ہیں سردار۔“ اس نے آہتہ سے رازدارانہ لمحے میں کہا۔ ”لیکن وہ نک چھا! وہ برا سور کا بچھے ہے۔ وہ تو چاہتا ہے کہ آپ کے دشمنوں کو کچھ ہو جائے۔ سردار بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔“

”ہشت! ابکومت... چلو...!“

ذہن اُسے ایک دوسرے کمرے میں لا یا جس کے دلائیں سرے پر پیچ کر اُس نے دیوار سے لگی ہوئی ایک گھونٹی اپنی طرف کھینچ کر کڑھاہٹ کی آواز کے ساتھ سامنے والی دیوار میں ایک چوکور سا شگاف نمودار ہو گیا۔ اور پھر مفرور کے اُس میں داخل ہوتے ہیں دیوار برابر ہو گئی۔

اسے ایک چھوٹی سی لفت اور پر کی طرف لے جا رہی تھی۔ لفت آہنگی منزل کے ایک وسیع کمرے میں پیچ کر رک گئی۔ یہاں پہلے ہی سے دس بارہ آدمی مختلف قسم کے تفریحات میں مشغول تھے۔ کچھ شراب پی رہے تھے۔ کچھ تاش کھیل رہے تھے اور ان کے درمیان ایک مسخرا اچھل کو درہ رہا تھا۔ لفت کے رکنے کی آواز نے ان پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا۔ ان میں سے ہر ایک نے غلط انداز میں نگاہیں لفت پر ڈالیں اور پھر مشغول ہو گئے۔ لیکن جیسے ہی لفت کا دروازہ کھلا۔... کی ایک کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکل گئیں۔

مفرور دونوں ہاتھ کر پر رکھے سیستانے نکالے اُنہیں کھاجانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ جو جہاں تھا وہیں رک گیا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آدمی نہیں پھر کے بت ہوں۔ صرف ان کی پلکیں جھپک رہی تھیں۔

”یہ سب کس خوشی میں!“ مفرور کی طنز آمیز آواز سنانے میں لہرائی اور گونج کر رہا گئی۔ جواب میں کسی قسم کی آواز نہ سنائی وی گئی۔

”نمک حرام! تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔“ مفرور پھر گر جا۔

”س... سردار...!“ ایک نے کچھ کہنے کی ہمت کی۔

”شٹ اپ... کار لے کر کون گیا تھا۔“

”میں...!“ مجھے سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ یہ بھی خاصا سمجھیم شیم آدمی تھا اور اس

کے چہرے پر سب سے زیادہ بد نما چیز اس کی چیٹی ناک تھی۔
وہ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔
”تم کہاں مرا گئے تھے۔“ مفرود نے گرج کر کہا۔

”میں اشارے تو دے رہا تھا آپ کو۔“ چیٹی ناک والے نے بھی اُسی لمحے میں کہا۔
مفرود نے ایک بار پھر اُسے قہر آلوں نظر دل سے دیکھا اور آہستہ سے بولا۔
”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“

پاس کھڑے ہوئے دوسرے آدمی لرز گئے۔ وہ جانتے تھے کہ اس کا کیا مطلب تھا۔ وہ سمجھتے کہ دوسرے لمحے میں وہ اپنے اٹھے ہوئے ہاتھ خود سے نہ گرا سکے گا۔
”رائل....!“ چیٹی ناک والے نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ”میں جوہا نہیں ہوں۔ میری ہڈیاں بھی چڑھی ہیں۔“

”میں تمہیں چوہے کی موت مار دوں گا۔“ رائل کا جملہ اس وقت پورا ہوا جب چیٹی ناک والا اس کی گرفت میں آ کر اس کے سر سے بلند ہو چکا تھا۔ پھر سامنے کی دیوار دھا کے سے جھنجھٹا اٹھی۔ چیٹی ناک والے کی طویل چین اس وقت تک کمرے میں گوئی تھی رہی جب تک کہ اس کا دم نہیں نکل گیا۔ اس نے ایک مرتب ہوئے کتے کی طرح اپنے ہاتھ پر پھیلائے اور مختندا ہو گیا۔

”رحم! رحم!...!“ سب یک وقت چینے۔

”بیٹھ جاؤ۔“ رائل ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر ایک آدمی کو مخاطب کر کے بولا۔ ”شہباز! ایک لارج دہسکی۔“

ٹھوڑی دیر بعد وہ ان سے کافی فاصلے پر بیٹھا وہ سکی کی چیکیاں لے رہا تھا۔

اس دوران میں اس نے ایک بار بھی لاش کی طرف نہیں دیکھا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے اندر اندر یہ دوسرा قتل تھا لیکن رائل کا چہرہ پر سکون تھا۔

13
چھوٹی سی ولا تی چوہیا کے پچھلے پیروں میں نہیں نہیں گھوٹکھرہ بندھے ہوئے تھے۔ پھر کہ رہی تھی۔ حمید اسے کافی عرصے سے تربیت دے رہا تھا۔ اور اب وہ باقاعدہ تھر کئے گئی تھی۔ اس کے اس کارناٹے پر فریدی کو بھی حیرت ہوئی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ چوہوں کو ٹریڈ کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔

حید نے ٹھوڑی دیر بعد دنیلین ایک طرف رکھ دیا۔ لیکن چوہیا اپنے پچھلے پیروں پر کھڑی ٹھوٹھی اوپر کو اٹھائے سر ہلاتی رہی۔ حمید میز پر ہاتھ ٹھیک کر جھکا اور اس کے منہ کے قریب اپنا چہرہ لے جا کر بڑا بڑا نکلا۔ ”بس کہ میری جان تیرے نہیں نہیں پیروں کھ جائیں گے۔ تو رقصہ بہار ہے۔ تو کوکی طرح پوچھ پن سے کوہئے تو نہیں ملکاتی اور..... سنہرے پانی میں چاندی سے پاؤں لٹکائے شفق نے تجھ کو سرے جو نیمار دیکھا ہے وغیرہ وغیرہ..... اور میری جان میں شاعر نہیں ورنہ تم سے پوچھتا۔ کون سا گیت سنو گی انجمن..... اور میں ناول نویس نہیں ورنہ تم کو امراء جان ادا بنا دیتا.... مگر آہ.... مجھے آج تک یہی نہیں معلوم ہوا کہ تم زر ہو یا مادہ۔“

پھر خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھتے رہنے کے بعد بلند آواز میں بولا۔ ”سنتی ہو میری جان! اب ہم تم، تھہت دوڑ پلے جائیں گے۔ افق کے پار..... کیونکہ پچھلی رات رائل جبل خانے سے نکل بھاگا ہے۔“

وہ پھر خاموش ہو کر اس دروازے کی طرف دیکھنے لگا، جو فریدی کے کمرے میں کھلتا تھا۔

استنے میں ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور چوہیا حمید کے کوٹ میں کوڈ گئی۔

”صاحب! آپ ہی چل کر سمجھادیے۔“ نوکر نے حمید سے کہا۔

”کیا مطلب....!“

”صاحب! اُن سے ملنا نہیں چاہتے اس لئے کھلاؤ یا ہے کہ گھر پر نہیں ہیں۔ لیکن وہ کہتی ہیں میں انتظار کروں گی۔“

”ہائی!...!“ حمید چوک کر بولا۔ ”میں انتظار کروں گی۔“

”جی ہاں وہ ڈر انگک روم میں بیٹھ گئی ہیں اور صاحب اور پر ہیں۔“

”انہوں نے کیا کہا ہے۔“

”کہہ دو گھر پر موجود نہیں ہیں۔“

”اوپر کیا کر رہے ہیں۔“

”پتہ نہیں دروازے بند ہیں۔“

”حید سمجھ گیا کہ فریدی اپنی تجربہ گاہ میں ہے اور وہ کسی عورت سے نہیں ملنا چاہتا لیکن وہ ملاقات ہی کر کے جانے پڑا گئی۔“

حید نے سوچا کہ فریدی پر غصہ کرنے سے پہلے ذرا ایک نظر اس عورت کو بھی دیکھ لے ہو سکتا ہے کہ فریدی اس عورت سے نہ ملنے میں حق بجانب ہو۔

اور پھر جب اس نے ڈرائیکٹ روم میں قدم رکھا تو اس کی عاقبت روشن ہو گئی۔ لڑکی بہت حسین تھی اور کچھ خوفزدہ سی نظر آرہی تھی۔ حید کی دلانت میں فریدی تجھے حق بجانب تھا کیونکہ وہ جوان اور حسین لڑکیوں سے ملنے سے کتراتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر وہ کبھی کسی رقص گاہ میں اتفاقاً پھنس جاتا تو اسے اپنے لئے ہم رقص منتخب کرنے کے سلسلے میں بڑے پاپڑ بننے پڑتے تھے۔ بہر حال وہ کسی بد صورت عورت ہی کا انتخاب کرتا تھا اور اگر کوئی ادھیڑ عمر کی مل گئی تو پھر کیا کہنا۔ حید کو دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی۔

”فریدی صاحب تشریف نہیں رکھتے۔“ حید نے کہا۔

”اوہ....! لڑکی کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔“ میں سمجھی تھی... شامک۔“

”میں ان کا اسنث ہوں۔“

”اوہ.... میں فریدی صاحب سے ملنا چاہتی ہوں.... کیا میں یہیں ان کا انتظار کر سکتی ہوں۔“

حید نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

”میرے لاکن کوئی خدمت۔“

”مجھ سے کہا گیا ہے کہ صرف فریدی صاحب ہی میری مدد کر سکتے ہیں۔“ لڑکی اچکچا کر بولی۔

”تشریف رکھتے۔“ حید مسکرا کر بولا۔ ”آپ کھڑی کیوں ہیں۔“

”اوہ.... شکریہ۔“

”لیکن فریدی صاحب کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کب واپس آئیں۔“ حید نے کہا۔ ”آپ نام بھی ہو گیا ہے اگر انہیں آنا ہو تو اب تک آگئے ہوتے۔“

”اوہ.... تب تو.... تب تو ڈیڑی گئے۔“ دفعہ لڑکی کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ اس نے

تموڑے تامل کے بعد کہا۔ ”میں چاہتی تھی کہ جلد کچھ کیا جائے۔“

”بات کیا ہے؟“ حید اس کے سامنے کے صوف پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”ڈیڑی کی زندگی خطرے میں ہے۔“

”تو آپ پولیس کو اطلاع دیجئے.... مگر انہیں کون ساختہ لاحق ہے۔“

”اوہ.... بڑے پدر اسرار حالات ہیں....“ وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ ”میری بد قسمتی کہ

فریدی صاحب موجود نہیں ہیں۔ میں جا رہی ہوں لیکن جیسے ہی وہ آئیں براہ کرم! تھری نائیں

تھری پر فون کر دیجئے گا۔ میرا نام لو سی ہے۔ اُف نیمرے خدا میں کیا کروں۔“

”آپ مجھے بتائیے۔“ حید نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

”بھجوڑی ہے.... میں صرف ایک بار بتانا چاہتی ہوں۔“ تھیری تفصیلات اسکی ہیں جتنی کارہ

جانا ٹھیک نہ ہو گا.... آپ مجھے فون کر دیجئے گا۔ شکریہ۔“

پھر اس نے حید کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دی۔ کپڑوں میں اس کی چھوٹی سی آسٹن کھڑی

تھی جسے وہ خود ہی ڈرائیور کرتی ہوئی پھاٹک سے نکال لے گئی۔ حید چند لمحے برآمدے میں کھڑا

پھاٹک کی طرف گھورتا رہا پھر جیب سے چوہما کو نکالا اور اسے اپنے چہرے کے قریب لے جا کر

بولا۔ ”سناڈار لنگ ان کا ڈیڑی خطرے میں ہے۔ تمہیں تو شاید اپنے ڈیڑی کا پتہ بھی یاد نہ ہو کہ تو

تھری نائیں تھری پر اُسے فون کر دوں کہ اگر فریدی صاحب سے گفتگو کرنی ہے تو اس کے لئے

تھیری والدہ محترمہ تھی زیادہ مناسب ہوں گی۔“

پھر اس نے چوہما کو جیب میں ڈال کر اندر کی راہی۔ فریدی اب بھی تجربہ گاہ ہی میں تھا۔ وہ

سیدھا اوپر چلا گیا۔ تجربہ گاہ کے سارے دروازے بند تھے اس نے ایک پر دستک دی۔

”کون ہے؟“ اندر سے آواز آئی۔

”وہی جانشیر جس نے پہلے سال آپ کو آئس کریم کھلانی تھی“ حید نے سمجھ دی کہ کہا

اندر قدموں کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔ فریدی ایک ہاتھ میں ششے کا شش کٹھی ٹیوب

لئے کھڑا تھا۔

”میا ہے؟“ فریدی کے لمحے میں بھلاہٹ تھی۔

”اطلاع ملی ہے کہ میدان صاف ہو گیا۔ وہ شیرنی دھازتی ہوئی واپس چل گئی۔“ جس کا رادہ تھا

کہنا کہ فریدی آج صح سے بہت خائف ہے وہ راہل کے ذر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ ”
”میا مطلب....!“ حمید پھونک کر بولا۔ جو ابا فریدی کے پیڑے پر خفیف سی مسکراہٹ
نمودار ہوئی اور وہ پھر شٹ ٹیوب پر جھک گیا۔ حمید اسے گھور رہا تھا۔
”اور ہاں....!“ فریدی پھر سر انداز کر بولا۔ ”لوسی سے یہ بھی کہنا کہ راہل ایک ہفتے سے زیادہ
جیل کے باہر نہیں رہ سکتا۔ دل چاہے تو یہ ضرور کہہ دینا کہ راہل سے کہو.... یہ چالیس اتنی پرانی
ہو گئی ہیں کہ ان سے بدیو آنے لگی ہے۔“
”میا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو بخار تو نہیں ہے۔“ حمید اپنی گدی سہلا تاہو بولا۔
”شکریہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ فریدی نے خشک لبچے میں کہد ”تم سے جو کچھ کہا گیا ہے وہ کرو۔“



تھری ناٹ تھری کے فون کی گھنٹی نر ج رہی تھی، جس میز پر فون رکھا ہوا تھا وہ خالی تھی اور
کمرے میں بھی کوئی نہیں تھا۔ البتہ باہر کے بڑے کمرے میں آٹھ دس گلک بیٹھے فائیلوں
سے سر ماڈ رہے تھے اور اسی کمرے کے دلکشی سرے پر لگے ہوئے پارٹیشن کے پیچے ناپ
راکٹوں کی کھڑکڑاہٹ گونج رہی تھی۔ اندر وہی کمرے کے میلی فون کی گھنٹی بجتی رہی لیکن باہر
بیٹھے ہوئے گلکوں کے کان پر جون تک نہ رنگی۔ آخر ایک آدمی مغربی دروازے سے اندر داخل
ہو کر تیز قدموں سے چلتا ہوا فون والے کمرے میں چلا گیا۔
”ہیلو....!“ ان نے رسیور انداز کر ماؤ تھہ پیس میں کہا۔ ”اوہ.... اچھا.... ذرا رکھے! میں
بلواتا ہوں۔“

اس نے رسیور کو میز پر ڈال دیا اور اطمینان سے کری پر بیٹھ کر میز کی دراز کھوئی اور اس میں
سے کسی وزنی دھات کی دو گولیاں نکال کر منہ میں ڈال لیں۔ کئی سینڈ تک منہ چلا چلا کر انہیں کسی
مناسب جگہ پر بٹھانے کی کوشش کرتا ہا پھر دوبارہ رسیور اندازیا۔

”ہیلو....!“ اس بار اس کی آواز عورتوں کی طرح سریلی تھی۔ ”ہیلو! میں لوسی بول رہی
ہوں.... اوہ بہت پریشان ہوں.... نہیں آئے۔ ارے.... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں....
جی.... میں پھر نہیں سمجھی۔ دیکھئے مذاق نہ سمجھے.... میری یہ حالت ہے کہ شاید جلد ہی ہارت فیل
ہو جائے۔ اُف میرے ڈیڈی.... جی.... آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔ شٹ اپ احمد ہیں۔“

کہ آپ کو چیر پھاڑ کر ڈکاریں لیتی ہوئی اللہ کا شکر ادا کرے۔“

فریدی کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ پیدا ہوئی اور وہ حمید کی پھولتی پچکتی ہوئی جیب کی
طرف دیکھنے لگا پھر آہستہ سے اس نے پوچھا۔ ”کوئی فون تو نہیں آیا تھا۔“
”حید جھنجلا کر رہا گیا۔ اسے موقع تھی کہ فریدی اس لڑکی کے متعلق پوچھے گا۔
”جی نہیں کوئی فون نہیں آیا لیکن میں پوچھتا ہوں کہ آپ آئندہ نسلوں پر کون سا احسان
کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“

”یہ....“ فریدی شٹ ٹیوب کو حمید کی آنکھوں کے قریب گردش دیتا ہوا بولا۔ ”کواری ہے۔“

”یعنی غیر شادی شدہ۔“ حمید پلکیں جھپکا کر بولا۔

”تم ان لغויות کے علاوہ اور سوچ بھی کیا سکتے ہو۔“ فریدی نے اسامنے بنا کر بولا۔

”اچھا تو پھر کنواری اونٹ کی بیٹگی کو کہتے ہیں۔“

”ابے کنواری نہیں کوواری۔“ فریدی جھنجلا کر بولا۔

”کیا بات ہوئی؟ کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”او گدھے! وہ زہر ہے جس کی شناخت ناممکن ہے۔ اسے استعمال کرنے والے کی موت
قدر تی سمجھی جاتی ہے۔“

”مجھے زہروں سے دچپی نہیں۔“ حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ ”میں تو لوسی کے ڈیڈی کے
متعلق سوچ رہا ہوں جس کی زندگی خطرے میں ہے۔“

”خوب....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تو اس نے اپنانام لوسی بتایا ہے۔“

”پھر کیا تاتا۔“

”خیر آگے کہو۔“ فریدی شٹ ٹیوب کو ایک طرف رکھتا ہوا بولا۔

”آپ اس سے ملے کیوں نہیں۔“

”ضرورت نہیں سمجھی۔“ فریدی نے اپنے داہنے شانے کو جبکش دے کر پوچھا۔

”کوئی پیغام چھوڑ گئی ہے۔“

”جب آپ گھر پر موجود ہوں تو اسے تھری ناٹ تھری پر فون کر دیا جائے۔“

”خوب....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”آدھے گھنٹے بعد اسی نمبر پر فون کر دینا۔ لوسی سے

نہ جانے کیا بک رہے ہیں۔“

اس نے ریسیور رکھ دیا اور منہ سے گولیاں نکال کر جیب میں ڈالتا ہوا دروازے کی طرف چھپتا۔ وہ کمی کروں سے گذرتا ہوا بالکلی میں نکل آیا۔ اب وہ بڑی تیزی سے طویل بالکنی کے آخری سرے والی لشت تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوسرے لمحے میں لفت اور پر کی طرف لے جا رہی تھی، جو تھی اور آخری منزل پر پہنچ کر اس نے لفت روکائی اور اس طرح کوڈ کر باہر آیا جیسے لفت کے اندر اسے اپنی جان کا خطیر رہا ہو۔ اس منزل پر صرف ایک ہی کرہ تھا۔ اس نے جیب سے ایک کنجی نکالا اور مقفل دروازے کو کھول کر اندر داخل ہوا۔

یہ کرہ بالکل خالی تھا۔ اس میں کسی قسم کا لوئی سامان نہیں تھا۔ دیوار اور فرش سب منگتے تھے اس نے دروازہ بند کر کے اسے اندر سے مقفل کر دیا۔ پھر ایک گوشے میں اکٹوں بینچ کر دیوار سے ملے ہوئے ایک نائل کو دونوں ہاتھوں سے دبانتے تھا۔ دفعتاً کھٹا کے کی آواز آئی اور اس کے پشت کی دیوار کی سطح پر ایک عجیب وضع قطع کی مشین انہر آئی وہ اٹھ کر اس کے قریب آگیا۔

”سر جنت حید کافون۔“ اس نے بظاہر اس مشین کو مخاطب کر کے کہا۔

”کیا خبر ہے۔“ مشین سے آواز آئی۔

”اُسی موجود نہیں تھی اس لئے میں نے ہی اس کارول ادا کیا۔“

”ظہر و....!“ مشین سے آواز آئی۔ ”بھلا لوئی کا اس معاملے میں کیا تعلق۔“

”آپ کے حکم کے مطابق اسی کو بھیجا گیا تھا۔“

”بکواس! تم بالکل گدھے ہوتے جا رہے ہو۔ تمہیں روشنی کے لئے کہا گیا تھا۔ لوئی کا بھی کوئی ڈیڑی نہیں تھا اور شاید فریدی جانتا ہے کہ لوئی کا تعلق کن لوگوں سے رہ چکا ہے۔“

”تب تو.... تب تو میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔“ اس نے کانپتے ہوئے کہا۔

”بکواس بند کرو۔“ مشین سے غراثی ہوئی آواز آئی۔ ”پیغام کیا تھا۔“

”بھی کہ وہ راہل کے خوف کی وجہ سے باہر نہیں نکلنا چاہتا اور راہل ایک ہفتے سے زیادہ جیل سے باہر نہ رہ سکے گا۔“

”راہل کون ہے؟“ مشین سے آواز آئی۔

”غالباً وہ ذا کو جو پچھلی رات جیل سے فرار ہوا ہے۔“

”اُس کا اس معاملے سے کیا تعلق۔“ مشین سے آواز آئی۔

”مجھے علم نہیں۔“

”مشتری پار کر۔“ مشین سے آواز آئی۔

”یہ بس....!“ پار کر مشین کے سامنے اور زیادہ موادب ہو گیا۔

”تم فرم کے فیجر ہو۔“

”یہ بس....!“

”لیکن تم گدھے ہو۔ آخر اس لڑکی نے فرم کافون نمبر کیوں دیا۔“

”میں اس سے جواب طلب کروں گا۔“ پار کرنے کہا۔

”بیکار ہے۔ اس لڑکی کو نمبر چار میں بھیج دو اور نمبر چار سے روشنی کو بنا لو۔ میرا خیال ہے کہ تمہارست سارے آدمی قابلِ اعتقاد ہوں گے۔“

”جی ہاں.... سب و قادر ہیں۔“

”اچھا تو پھر....!“ مشین سے آواز آئی۔ ”تمہاری فرم میں لوئی نام کی کوئی لڑکی کبھی تھی ہی نہیں۔“

”بہت بہتر جتاب۔“ پار کرنے میکین صورت بنا کر کہا۔ ”میں سمجھ گیا۔“

”جلدی کرو۔“ مشین سے آواز آئی۔ ... اور پھر اس بار دیوار خود بخوبی برابر ہو گئی۔ مشین

غائب ہو چکی تھی اور دیوار کی چکنی اور سفید سطح کی طرح چک رہی تھی۔



سر جنت حید نے ٹیلی فون ڈائریکٹری بند کر کے ایک طرف ڈال دی اور اب وہ پھر فریدی کی تجربہ گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

”سن آپ نے۔“ حید فریدی کو مخاطب کر کے بولا، جو غالباً اپنا مشغله ختم کر چکا تھا اور اب سکار جلانے کے لئے جیب میں لائسٹر ٹول رہا تھا۔ وہ معنی خیز نظروں سے حید کی طرف دیکھنے لگا۔

”تھری ناٹ تھری، رگی امپور ٹرزر کا نمبر ہے۔“

”رگی امپور ٹرزر....!“ فریدی ذہن پر زور دینے لگا۔

”اوہ وہی اکھیل کو دا سامان پلانی کرنے والی فرم جس کے ذمے ہمارے ساتھ سو روپے واجب الادا ہیں۔“

”اچھا...!“ فریدی اسے سوالیہ نظر و سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے سگار سلگایا اور اپنے دا ہنے ہاتھ کے ناخون کو گھونٹنے لگا۔“

”تم شاید کچھ اور کہنا چاہتے ہو۔“ اس نے ناخون پر نظر جائے ہوئے کہا۔

”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ راہل سے نبڑی طرح خائن ہو گئے ہیں اور اب خواہ نخواہ آپ کو ایک ایک قدم پر سازشوں کے جال دکھائی دیں گے۔ ضروری نہیں کہ آپ سے اندازے کی غلطی بھی نہ ہو۔ آپ نے اس لڑکی کو مابوس کر کے نہ رکیا۔“

”کوشش کر دیکھو۔“ فریدی نے خنک لبجھ میں کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم اس فرم میں اس نام کی کوئی لڑکی نہ پاؤ گے۔“

”جناب میں اس سے گفتگو کر کے آرہا ہوں۔“

”ہوں.... ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے بے تعلق انداز میں اپنے شانوں کو جذب دی۔

”آخر کس بناء پر آپ نے اسے راہل کی ساتھی تصور کر لیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”میں نے اس کی ایک جھلک دیکھی تھی۔“ فریدی نے سگار کی راکھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر یک بیک سر اٹھا کر بولا۔ ”پھر یہ یاد آ جانا مجھو تو نہیں کہ میں ایک بار اسے راہل کے ساتھ بھی دیکھے چکا ہوں۔“

”بہر حال آپ راہل سے بھی بُری طرح خائن ہیں۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی اس طرح سکرایا جیسے وہ کسی نا سمجھ بچے سے گفتگو کر رہا ہو۔ وہ ایک لمحے کے لئے رک کر بولا۔ ”ویسے اگر تم راہل کو گرفتار کرنا چاہو تو وہ جا وید بلڈنگ کی چوتحی منزل کے پانچویں فلیٹ میں اس وقت بھی مل جائے گا۔ لیکن اگر تم سامنے کے دروازے سے گئے تو تمہیں سایوی ہو گی کیونکہ اس میں بیشہ ایک برا سا گرد آلود قفل لکھتا رہتا ہے۔“

”پھر...!“ حمید کے لبجھ میں حرمت تھی۔

”تمہیں اس تک پہنچنے کے لئے سب سے پہلے اسی عمارت کی چلی منزل کے ایک ریستوران میں گھسنے پڑے گا اور اس کے عقیبی کمرے سے ایک لفٹ تمہیں ٹھیک اس کمرے میں لے جائے گی

چہاں راہل کے سارے ساتھی اکٹھا ہوتے ہیں۔“

”اور اتنی معلومات رکھنے کے باوجود بھی آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔“
”ظاہر ہے۔“ فریدی بھجے ہوئے سگار کو دوبارہ سلگا تا ہوا بولا۔

”آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔“

”کچھ نہیں، بہت کچھ۔“ فریدی اکٹھا ہوا بولا۔ ”یہ یا توں کا نہیں کام کا وقت ہے۔ میں تمہیں جلد ہی سب کچھ بتاؤں گا۔ ویسے فی الحال ایک بلکا اشارہ دے سکتا ہوں.... راہل کو میں نے ہی جیل سے نکلوایا ہے۔“

”کیوں؟“ حمید چوک کر بولا۔

”نہیں تو میں تمہیں پھر کسی وقت بتاؤں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”راہل یہ سمجھتا ہے کہ اس نے جیل کو پچانس کر اپنا کام بنالیا۔ معاملہ تیس ہزار روپیوں پر طے ہوا تھا۔ اب راہل کو اس کی ادائیگی کی فکر ہو گئی.... فی الحال ہمیں یہ دیکھتا ہے کہ وہ روپیہ کیونکر مہیا کرتا ہے۔“

”مجھے آپ پاگل بنادیں گے۔“ حمید بڑی بڑیا۔

”کیوں....؟“

”اُرے آپ نے بعض روپیہ مہیا کرنے کا بطریقہ دیکھنے کے لئے راہل کو جیل سے نکلوادیا۔“

”نہیں فرزند! بھی میں جوان ہوں مجھ پر بڑھاپے نے حملہ نہیں کیا۔“

”پھر بھی.... میں اسے سمجھنے سے قاصر ہوں۔“

”اوہ! فی الحال اس تذکرے کو رہنے دو۔“ فریدی اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ ”کیا تم ربگی امپورٹر کے دفتر جا کر لو سی کی خبر نہ لو گے۔“

”ٹھیک یاد آیا۔“ حمید آہستہ سے بڑی بڑیا۔ ”وہ لڑکی.... ہائے۔“

”عشق نہیں فرمائیں گے آپ؟“ فریدی اسے گھور کر بولا۔

بے بُسی کی موت

جا وید بلڈنگ کی چوتحی منزل کے پانچویں فلیٹ سے ایک آدمی برآمد ہوا۔ جس کی ظاہری

خکل بگارنی ہی پڑتی ہے۔“

”اوہ..... مائی گارڈ۔“ سر جگد لیش نے تھکی تھکی سی آواز میں کہا۔ ”راہل۔“ اور پھر وہ اس طرح ایک صوفے میں گر گیا جیسے اس کے پیروں میں کھڑے رہنے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔
”ہاں..... آں!“ راہل نے لاپرواٹی سے کہا۔ ”میں جیل میں رہ کر پھانسی کا انتظار تو کرنیں سکتا تھا۔“

”لیکن..... لیکن.....!“ سر جگد لیش ہکلایا۔

”مجھے تمیں لاکھ روپیوں کی سخت ضرورت ہے۔“ راہل اس کی بدلتی ہوئی حالت کو نظر انداز کر کے بولا۔

”تمیں لاکھ....!“ سر جگد لیش نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”یہ بہت زیادہ ہے نہیں..... نہیں..... میری حیثیت سے زیادہ۔“

”شرم! سر جگد لیش! ایک شریف آدمی کو جھوٹ نہ بولنا چاہئے۔ تمیں لاکھ تمہارے لئے بڑی بات نہیں۔“

”راہل یہ بہت زیادہ ہے..... میں مجبور ہوں۔“

”چلا چھا سے قرض ہی سمجھ لو۔“ راہل مسکرا کر بولا۔ ”تم مجھے جتنا ہر ماہ ادا کرتے ہو اس وقت تک کے لئے بند کر دینا جب تک کہ تمیں ہزار کا حساب نہ صاف ہو جائے۔“

”نہیں..... نہیں! میں یکمیش اتنی رقم مہیا نہیں کر سکتا۔“

”سوچ لو سر جگد لیش! تمہارا آنے والا پڑھا پڑا داغدار ہو گا۔“

”اوہ..... راہل تم سمجھتے کیوں نہیں..... یہ رقم بہت زیادہ ہے۔“

”لیکن وہ گناہ۔“ راہل بے دردی سے ہنسا۔

”ہمہردا! مجھے سونے دو۔“

”مجھے روپیہ اسی وقت چاہئے۔“ راہل نے کہا۔

”کل..... اس وقت میرے پاس کچھ نہیں۔“ سر جگد لیش نے مردہ سی آواز میں کہا۔

”کس وقت....!“

”شام کو۔“

شان دشوكت تنمول آدمیوں جیسی تھی۔ اس نے دروازے کو مغلل کیا اور آہستہ آہستہ گھٹاتا ہوا زینے طے کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نیچے فٹ پاٹھ پر تھا۔

رات سرداور تاریک تھی اس نے پر رونق سڑک پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی اور پھر سامنے کی دوکان کے شوکیس کی طرف دیکھنے لگا جس میں ایک عورت کا ایک آدھا جسمہ ریشم کے بلاڈز کا پرچار کر رہا تھا۔ اس نے بڑے پڑا طینان انداز میں جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور سگریٹ منتخب کر کے ہوتوں میں دبیا ہی تھا کہ اسے ہاتھ اٹھا کر ایک گزرتی ہوئی نیکی رکوانی پڑی۔

”راجرس اسٹریٹ“ اس نے نیکی میں بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ پھر جمک کر سگریٹ سلاکنے لگا..... نیکی چل پڑی۔

تقریباً پدرہ منٹ بعد راجرس اسٹریٹ کی ایک عالیشان عمارت کے سامنے کھڑا تھا لیکن شاید اس سے بے خبر تھا کہ ایک دوسرا کار بھی اس کی نیکی کے تعاقب میں یہاں تک آئی ہے۔ عمارت کے پھانک کے دامنے ستون پر ایک تھنی آویزاں تھی جس پر تحریر تھا۔ ”سر جگد لیش و رما“ وہ بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔

جس سے وہ ملاقات کا مقصد تھا شاید وہ عمارت کے اندر موجود تھا کیونکہ اس کا ملاظی کارڈ لے جانے والے نوکرنے بڑے مودبانہ انداز میں ایک کرے کی طرف اشارہ کیا۔

کرہ خالی تھا۔ وہ چپ چاپ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر جب ایک سگریٹ سلاکنے جارہا تھا دامنے ہاتھ کے دروازے سے ایک اوہیزہ عمر مگر ویجہہ آدمی کرے میں داخل ہوا۔

”میرا خیال ہے“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”میں پہلی بار آپ سے شرف ملاقات حاصل کر رہا ہوں۔ فرمائیے میرے لائق کوئی خدمت۔“

”اوہ! سر جگد لیش۔“ ملاقاتی نے بے تکلفی سے نہ کہا۔ ”مجھے اتنی جلدی بھول گئے۔“ سر جگد لیش کی پیشائی پر سلوٹیں اُنہر آئیں۔ وہ ملاقاتی کو گھور رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر ایسے آثار تھے جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اس جملے پر بداخل اخلاق ہو جائے گا۔

”مجھے یقین ہے کہ میں نے اس سے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔“ سر جگد لیش نے زم بچے میں کہا۔

”اس سورت میں نہ دیکھا ہو گا۔“ ملاقاتی پھر ہنسا۔ ”جیل سے بھاگے ہوئے جیالوں کو اپنی

”اچھا تو منٹوپارک میں میرا آدمی موجود رہے گا۔۔۔ شب بخیر۔“ رائل کمرے سے نکل گیا
لیکن اسے رخصت ہوتے ہوئے دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ سر جگد لیش کو ایک دوسرے
ملاقاتی کے کارڈ سے دوچار ہونا پڑا جس پر تحریر تھا ”اے۔۔۔ کے فریدی اسپکٹر سی۔۔۔ آئی۔۔۔ ذی۔۔۔“
سر جگد لیش کے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا ہو گئے۔ لیکن اس نے فریدی کو بلوانے میں در
نہیں کی۔ دوسرے لمحے میں اس کے سامنے ایک مناسب تدوین قامت کا خوش نوجوان کھڑا تھا۔ نر
جگد لیش اسے ستائشی نظروں سے دیکھے بغیر نہ رہ سکا۔
”تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔“ فریدی ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”لیکن جب آپ
یہ محسوس کریں گے کہ قانون آپ کی مدد کا محتاج ہے تو آپ کو یقیناً خوشی ہو گی۔“

”میں کچھ نہیں سمجھا۔“

”کیا بھی یہاں رائل آیا تھا۔“ فریدی نے بے ساختہ پوچھا۔

”بھلا رائل یہاں کیوں آنے لگا۔“

”دیکھئے سر جگد لیش آپ ایک معزز آدمی ہیں اور ساتھ ہی قانون دان بھی۔ آپ جانتے ہی
ہوں گے کہ کبی مفرور قیدی کو پناہ دینا کس حد تک خطرناک ہے۔“
”مگر۔۔۔ میں نے۔۔۔ میں نے کسی مفرور قیدی کو پناہ نہیں دی۔“
فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ سر جگد لیش کے چہرے پر سراسیگی کے آثار تھے اور وہ
کسی خوفزدہ بیچے کی طرح پاربار اپنے شنکل ہو ٹوٹ پر زبان پھیر رہا تھا۔
”میرے محلے کے آدمیوں نے کچھ دیر قبل رائل کو آپ کی کوئی میں داخل ہوتے دیکھا تھا
اور میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی سیبیں ہے۔ یقین کیجئے مجھے صرف اس کی گرفتاری سے غرض ہے
اس سے دیپکی نہیں کہ وہ کہاں سے برآمد ہوا۔“

سر جگد لیش کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔
”دیکھئے سر جگد لیش۔۔۔!“ فریدی نرمی سے بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ آپ جیسے معزز آدمی
نے اسے خوشی سے پناہ نہ دی ہو گی۔“
”میں نے اسے پناہ نہیں دی۔“ سر جگد لیش بے ساختہ بولا۔
”کیا وہ آپ کو بلیک میل کر رہا ہے۔“

”جی۔۔۔ جی۔۔۔!“ سر جگد لیش کا پنپنے لگا۔

”بہر حال میرا خیال ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اب بتائیے کہ وہ کہاں ہے؟“

”وہ یہاں کچھ دیر قبل آیا تھا اور آپ کے آنے سے دس منٹ پہلے چلا گیا۔“

”چلا گیا۔“ فریدی نے حیرت سے کہا۔ ”لیکن کسی نے اسے یہاں سے نکلتے نہیں دیکھا۔“

”یقین کیجئے وہ چلا گیا۔ ویسے آپ تلاشی لے سکتے ہیں۔“

فریدی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”سر جگد لیش آپ ایک اچھے اور نیک نام آدمی
ہیں۔۔۔ اس لئے میں آپ کو یہ بتانے پر مجبور نہ کروں گا کہ رائل آپ کو کیوں بلیک میل کر رہا
ہے لیکن آپ کو قانون کا ہاتھ بٹانا ہی پڑے گا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“ جگد لیش نے آہستہ سے کہا۔

”اگر آپ رائل کے ٹھکانے سے واقف ہوں تو مجھے مطلع کیجئے۔“

”آفیر! یقین کیجئے کہ میں نہیں جانتا۔ لیکن اتنا بتا سکتا ہوں کہ کل شام کو اس کا کوئی آدمی

منٹوپارک میں مجھ سے تمیں لاکھ روپے وصول کرے گا۔“

”تمیں لاکھ۔۔۔!“ فریدی چوک کر بولا۔ ”بہت بڑی رقم ہے۔“

”مجبوری۔“ سر جگد لیش مصلحت آواز میں بولتا۔

”خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”آپ کی اطلاعات کا شکریہ۔“

انسپکٹر فریدی سر جگد لیش کو حیران و شستر جھوٹ کر رخصت ہو گیا۔ حیرت کی بات بھی

تمی کیونکہ اس نے اسے بلیک میلنگ کی وجہ بتانے پر مجبور نہیں کیا تھا۔



سر جنٹ حمید ہائی سرکل ٹاؤن کلب میں ایک خوشنگوار رات گزار رہا تھا۔ اس کی میز پر ایک دوسرा

آدمی بھی تھا۔۔۔ یہ رگی اپنے رعنی کا نیک گلوؤڈین فجر مسٹر پار کر تھا۔ دونوں وہ کسی پر رہے تھے۔

”مسٹر پار کر۔۔۔!“ حمید چک کر بولا۔ ”میں تو مر گیا۔۔۔ ہائے۔“

”میں بھی مر گیا۔۔۔ میرے پیارے۔۔۔ ہائے۔“ پار کرنے اس کی نقل اتاری۔

”کبھی تمہیں کسی سے عشق بھی ہوا۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں! وہ میری بیوی کی خالہ تھی۔“ پار کر بھراں ہوئی آواز میں بولا۔

”اچھا دوست... اب مجھے اجازت دو۔“ پار کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”میرے آفس میں لوسی نام کی کوئی لڑکی کبھی نہیں تھی۔ آج ٹل کی لڑکیاں بڑی سور ہوتی ہیں۔ وہ بیشہ تمہاری جیب کا میں گی اور کسی مویشی خانے کا پتہ بتا دیں گی۔ تمہارے ساتھ بھی تھی ہوا ہے۔ اب بکھی کسی اینگلو انگریز سے عشق نہ کرنا... کیا سمجھے... ہمیشہ کافی لڑکیاں... کافی لڑکیاں... کافی لڑکی ایک کافی لڑکی وہ... اور کافی لڑکی تین... ناؤ نڈا بائی۔“

پار کر بڑی گرم جوش سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔ حمید نے اسے کلب کی عمارت سے باہر جاتے دیکھا لگکر وہ اجنبی ابھی ہالی ہی میں موجود تھا جس نے پار کر پہ گر کر اس کی ساری اسکم خاک میں مادری تھی۔

ایسے یقین تھا کہ اس نے دیہ دانت ٹھوکر کھائی تھی شاید وہ خاص طور سے اس کی حرکتوں کو دیکھتا رہا تھا... اور پھر اسے پار کر کارو یہ بھی یاد آگیا۔ اس نے اس دلقے کے بعد اجنبی کو اسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے وہ صرف اُسے پہنچانا تھا ہو بلکہ اس سے بے تکلف بھی رہا ہو۔ لیکن پھر اجنبی کارو یہ دیکھ کر وہ اپنی اصلی حالت میں آگیا۔

حمد نے اجنبی کو باہر جاتے دیکھا اس نے فوراً اسی فیصلہ کیا اُسے اس کا تعاقب کرنا چاہئے۔ لیکن وہ اٹھنے کی رہا تھا کہ اس نے اپنے داہنے شابنے پر کسی کا ہاتھ محسوس کیا۔ وہ چونک کر مژا فریدی کی ملامت آمیز نظریں اس کے چہرے پر گزی ہوئی تھیں۔

”ترشیف رکھئے۔“ فریدی نے طے آمیز لمحے میں کہا۔ حمید بیٹھ گیا۔ دیکھئے میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”بیٹھئے بیٹھئے۔“ فریدی نے نشک لمحے میں کہا۔ ”مجھے آپ کی مصروفیات کا علم ہے۔“ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو تیز نظروں سے گھورتے رہے پھر فریدی ذرا بولا۔ ”تمہاری جلد بازی کی عادت سے میں نشک آگیا ہوں۔ آخر اس کی شراب میں خواب آور دوامانے کی کیا ضرورت تھی اس نے تمہیں بتا دیا تھا کہ اس کے آفس میں لوسی نام کی کوئی لڑکی نہیں تھی۔ بس اتنا ہی کافی تھا۔“

”مجھے اس کے بیان پر شہر تھا۔“ حمید بھجنگلا کر بولا۔

”خوب! اور تم اسے بیہوش کر کے اپنا شہر دور کرنا چاہتے تھے۔ کیا اسی پر لوسی ہونے کا شہر تھا۔“

”تمہاری فرم میں تو بڑی زور دار لڑکیاں ہوں گی۔“

”ہاں ہیں تو...!“

”ان میں سے کسی کو چاہتے ہو۔“

”نہیں کسی کو نہیں... وہ سب عاشق دار ہیں۔“

”عاشق دار... کیا۔“

”سب عاشق رکھتی ہیں۔“

”کوئی اینگلو انگریز بھی ہے۔“ حمید نے پوچھا۔ ”اینگلو انگریز لڑکیاں بڑی لکش ہوتی ہیں۔“

”اوہ ہوں... مجھے تو کافی لڑکیاں پسند ہیں۔ بالکل کافی۔“

”تم بہت ڈر ڈر کر پیتے ہو۔“ حمید اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔

”ہشت...!“ پار کر اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ”مجھے سے بڑا بیکار اس شہر میں نہ ہو گا۔“

حمد نے اس کے خانہ گلاس میں چوہنائی بوتل ڈال دی۔

”پیلے تو خالص پیتے ہیں۔“ حمید رک رک کر بولا۔ ”مجھے نشہ ہو رہا ہے اور جب مجھے بھی نشہ ہوتا ہے تو ہر چیز گذمہ دکھائی دنے سے۔ ایسا لگتا ہے میںے تمہارے بیجہ سر پر رکھے ہوں۔ اف فو آج تم بڑی عمرہ یا لیلیاں دکھائے رہتی ہیں۔“

پار کر ادھر ہتی دیکھنے لگا جدہر حمید نے اشارہ کیا تھا۔ اس دوران میں حمید کے داہنے ہاتھ نے

ایک دوسری حرکت کی۔ پار کر کو پیٹ بھی نہ چلا ایک سفید رنگ کے سفوف نے اس کی شراب کو کچھ کاپکچھ بنا دیا ہے۔

”مگر ان میں ایک بھی کافی نہیں۔“ پار کرنے حمید کی طرف مڑ کر کہا اور پھر اپنے گلاس کی

طرف متوجہ ہو گیا۔ ابھی گلاس ہوتوں تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اس کے قریب سے گزرتے

ہوئے ایک آدمی نے ٹھوکر کھائی اور اس پر آرہا۔ گلاس ہاتھ سے گر کر چور چور ہو گیا۔

”معاف کیجئے گا۔“ وہ آدمی گڑ گرا کر بولا۔ ”مجھے دراصل چکر آگیا تھا۔“

پار کر اسے چند لمحے حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھا رہا پھر آہتے سے بولا۔ ”کوئی بات نہیں۔“

اجنبی ایک بار پھر معافی مانگ کر آگے بڑھ گیا۔ لیکن سرجنت حمید کی نظریں عجیب انداز

میں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

”شاید یہ آفس تمہیں کو سنجھانا پڑے۔“
 ”کیا میں وجہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔“ ضرغام نے کہا۔
 ”کیوں نہیں۔“ مشین سے آواز آئی۔ ”میں ہوشید آدمیوں کی بد تیزی بھی برداشت کر لیتا ہوں۔ پار کر یہ تو قوف ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ تو قوف آدمی کتنا مندوش ہوتا ہے۔“
 ”میں سمجھ گیا۔“ ضرغام نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔
 ”تم بہت داش مند آدمی ہو۔ میں ایسے آدمیوں کی قدر کرتا ہوں.... اچھا خیر۔ رائلوں کی پیالی کب شروع کرو گے۔“
 ”آپ سن کر خوش ہوں گے۔“ ضرغام فخر سے سینہ تان کر بولا۔ ”میں نے ایک دوسرا راستہ دریافت کر لیا ہے۔ اور میراد عوّیٰ ہے کہ اس تک کسی کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ میں نے اپنے آدمی کام پر لاگائی ہیں۔ کیا آپ کے سامنے نقشہ موجود ہے۔“
 ”ہاں... ہاں! میں دیکھ جکا ہوں تم بتاؤ۔“ مشین سے آواز آئی۔

”تالا چاری کے جھکل کے اوپر دیکھئے۔ اوپر کی طرف رتن لام سے چار میل مشرقی جانب ایک پہاڑی تارا ہے۔ اس سے مغربی جانب کی دشوار گزار چٹانوں میں ایک رخنہ بنالیا ہے لوگوں کا رگی اپورٹر کے دفتر کے اوپر والے کمرے میں جہاں ایک پر اسرار مشین ٹفت تھی۔ وہی خیال ہے وہ تالا چٹانوں کی دوسری طرف تک اسی درازی میں بہتا ہے۔ لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ وہ سامنے والی بیوار پر مشین ابھری ہوئی تھی۔“

”بہت اچھے! بہت اچھے۔“ مشین سے آواز آئی۔ ”تم بہت جلد ایک بڑا رتبہ حاصل کرنے والے ہو۔ اس سے زیادہ فی الحال اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اچھا پار کر کو یہاں لے آؤ۔ اور پھر دروازہ دیکھو اس فریدی کو ٹھکانے تک لگادینا چاہئے کیونکہ یہ آہستہ آہستہ ہماری رہا کو لگ رہا ہے۔“ باہر سے مقفل کر دو۔ اور ہاں ایک بڑا صندوق بھی تیار رکھنا۔“

”جب کہئے۔ اسے مارڈا نا مشکل نہیں۔ میں تو آج ہی اس کا خاتمه کر سکتا تھا۔“
 ”نہیں مشر ضرغام۔ ایسا نہ کہو۔ اس کا دہننا تھے برا خطر تاک ہے چاہے وہ حال ہو چاہے اس کریچھے کی طرف مراجِ جب اس نے باہر قفل میں چابی گھونٹنے کی آواز سنی۔“
 ”مسڑپار کر...!“ مشین سے آواز آئی۔

”یہ بس! ایس بس...“ وہ گھبراہٹ میں فرشن کی طرف جھکتا چلا گیا۔
 ”تم بہت نیک آدمی ہو۔“

”جہنم میں گئی لوysi۔“ حمید برا سمسمہ بنا کر بولا۔ ”مجھے مت بور سمجھے۔“
 ”اور دوسری بات یہ کہ آج پھر تم نے شراب پی ہے۔“ فریدی نے غصیلی آواز میں کہا۔
 ”زبر تو نہیں پیا۔ میں کسی دن پیتے پیتے مر جاؤں گا۔ مگر نہیں میں جینا چاہتا ہوں اپنی محبوہ کی خاطر۔“
 اس نے جیب سے سفید رنگ کی چوہیا نکال کر ہٹھیلی پر رکھ لی۔ پھر اسے مخاطب کر کے بولا۔ ”تم بہت اچھی ہو میری جان۔ میں تمہارے لئے جیس گا بس...!“
 ”یہ کیا یہودگی ہے۔“ فریدی جاہاں طرف دیکھتا ہوا بولا۔
 ”یہ صرف ایک چوہیا ہے۔“ حمید نے لاپرواں سے کہا۔ ”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے سینکڑوں سانپ کیوں پال رکھے ہیں۔ آپ کے پاس درجنوں کتے ہیں۔ آپ بھانست بھانست کے پرندے کیوں اکٹھا کرتے ہیں۔“
 ”کوئی مت! احتقہ کہیں کے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ پھر وہ حمید کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔
 حمید کے ہونٹوں پر بڑی نشاہی مسکراہٹ تھی۔



”ہاں تو مشر ضرغام...!“ مشین سے آواز آئی۔ ”یہ پار کر پر لے سرے کا گلہ ھاہے۔“
 ”جی ہاں! اگر میں وقت خل انداز نہ ہوتا تو اس نے وہ شراب پیا ہوئی ہوتی۔“ ضرغام نے کہا۔
 ”دیکھو اس فریدی کو ٹھکانے تک لگادینا چاہئے کیونکہ یہ آہستہ آہستہ ہماری رہا کو لگ رہا ہے۔“ باہر سے مقفل کر دو۔ اور ہاں ایک بڑا صندوق بھی تیار رکھنا۔“
 ”میں جانتا ہوں! تم بہت مناسب آدمی ہو۔“ مشین سے آواز آئی۔
 ”آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔“ ضرغام بولا۔

کا نشیل کی جان لے لی اور وہ نہ جانے کتنے خون اور کرے گا۔

”اور وہ سارے خون آپ کی گردن پر ہوں گے۔“ حمید بیز بری سے بولا۔ ”بہر حال میں آپ کے سر میں تو بیٹھا نہیں رہتا۔ مجھے کیا معلوم کہ آپ کی کیا اسکیم ہے اور سننے! میں آج صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جب تک مجھے پوئے حالات سے باخبر نہ رکھا جائے گا میں کسی کام میں ہاتھ نہ لگاؤں گا۔“

فریدی پھر شہنشاہ لگا۔ جو ہیا حمید کی جیب میں کوڈ گئی تھی اور اب وہ اپنے پاس پیس میں تمباکو بھر رہا تھا۔

”تم نہیں کہتے ہو۔“ فریدی رک کر آہستہ سے بولا۔ ”میں تمہیں سب کچھ بتانا چاہتا تھا لیکن اس کا موقع ہی نہ مل سکا۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ اس نے دانتوں میں پاسپ دبایا اور اسے سلاکا نہ لگا۔

”کیا تم بھول گئے کہ راہل کن حالات میں گرفتار ہوا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ وہ ایسے ٹرک پر بیٹھا ہوا پالیا گیا تھا جس میں رائفلیں بھری ہوئی تھیں۔“

”نہیں! اور گرفتار ہو جانے کے بعد انہی تشدد کے باوجود بھی اس کے متعلق کوئی تسلی پیش بیان نہیں دیا تھا۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ شمالی مشرقی علاقے کے کچھ قبائل نے مسلح بغاوت کر دی ہے اور دشوار گزار پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے ان پر ابھی تک قابو نہیں پہاڑا جاسکا۔“

”تو وہ رائفلیں....!“ حمید بول پڑا۔

”ستے جاؤ۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”راہل اس ٹرک سیست گرفتار کر لیا گیا تھا پوکہ وہ بہت بڑے بدمعاشوں میں سے تھا اس لئے بھی سوچا گیا کہ وہ شاید کسی بڑے ذاکے کا انتظام کر رہا تھا۔ لیکن کچھ دن بعد کم از کم مجھے اپنا خیال تبدیل کر دینا پڑا۔ آج سے ایک ماہ قبل میں ملنگی ہیئت کو اور ٹرک میں کرتل رکھویں کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آفسر باعث قبائلیوں کے کچھ اسلئے لایا جن میں ایک رائلی بھی اور وہ ہو بہو اسی ساخت کی تھی جس ساخت کی رائائفلیں راہل کے ٹرک میں پائی گئی تھیں۔“

”اوہ....!“ حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ ”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ راہل ہی قبائلیوں کو اسلئے پالائی کر رہا تھا۔“

”اوہ.... ہو... ہو! یہ بس۔“

”اور تیک آدمی کی جگہ جنت ہے۔“ مشین سے آذار آئی۔

”ہائیں۔“ پار کر لرزتا ہوا بولا۔ ”میرا قصور۔“

”پچھے نہیں! میں تم سے بہت خوش ہوں اسلئے تمہیں پیش دی جاتی ہے۔ آج سے آرام کرو۔“ پار کر چیخ مار کر دروازے کی طرف بھاگا اور بد حواسی میں دروازے پر گھونے مارنے لگا۔

”مہہر و اڑو نہیں۔“ مشین سے آواز آئی لبچہرہ تھا۔ ”تم بہت آرام سے مر دے گے۔ ہر ٹھم پر سکون موت کی تمنا کرتا ہے۔ خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہت آرام سے دم نکلے گا۔“

دفعہ مشین کے ایک سوراخ سے دھوائی نکلے لگا۔ پار کر چیخ مار کر مشین کی طرف جھپٹا گیا۔ اسی سوراخ سے لاعداد چنگاریاں نکل کر اس کے منہ پر پڑیں۔ وہ چین مار کر چیچھے ہٹ گیا۔

کمرہ دھوئیں سے بھرتا جا رہا تھا اور پار کر کھانس کھانس کر چکھاڑی، کھارہ تھا۔ پھر اس کے اگر دھوئیں کی تہہ اتنی گہری ہو گئی کہ وہ اس میں چھپ گیا۔ اب اسے کھانسی بھی نہیں آرہی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے خود ہی اپنا گلا گھونٹ رہا تھا اور اس کی آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں۔

کمرے کا دھوائی پھر مشین کے اسی سوراخ کی طرف واپس جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کمرے کی اعلیٰ دیواریں پہلے کی طرح چکنے لگیں۔ پار کر چاروں خانے چت فرش پر پڑا تھا۔

خوفناک سازش

فریدی مضطربانہ انداز میں ٹھیل رہا تھا اور وہ چھپلی رات ہی سے حمید سے ناراض تھا۔ رک کر حمید کی طرف مراجونہایت انہماں سے اپنی پالتو چوہیا کے سر پر انگلی پھیر رہا تھا۔

”تم نے اپنی حرکت سے انہیں ہوشیار کر دیا۔“

”وکھنے جتاب۔“ حمید نے سبیجی گی سے کہا۔ ”آپ نے اس سلسلے میں مجھے کوئی خاص ہا نہیں دی تھی۔“

”کیا میرا تناکہ دینا کافی نہیں تھا کہ راہل میرے ہی ایسا پر جیل سے نکلا گیا ہے؟“ راہل کوئی معمولی مجرم نہیں تھا اس نے درجنوں قتل کے تھے اور فرار کے بعد بھی اس نے

بعد راہل کو پر اس کی جگہ پہنچا دیا جائے گا۔

”لیکن ان دونوں دو چار دنوں میں وہ دو چار کیا درجنوں خون کر دا لے گا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر فٹھے لگا۔ حمید نے کچھ کئی لامے سے اُسے اتنا شکر نہیں دیکھا تھا جتنا
وہ ان دونوں تھا۔



رمگی اپورٹر ز کے دفتر میں دکلرک گفتگو کر رہے تھے۔

”تھا ہے مسٹر پارکر ایک مولیں رخصت پر اچاک اگھنڈ پلے گئے ہیں۔“
”اوہ! یہ کب۔“

”عاتیاب یہ پچھلی رات کی بات ہے اور اب مسٹر ضر غام نمبر چار دا لے اس آفس کی دیکھے بھال
کریں گے۔“

”ضر غام اخدا محفوظ رکھے۔ وہ تو بڑا سخت آدمی ہے۔“

اچاک گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا کیونکہ ضر غام آفس میں داخل ہو کر نہجڑ کے کرے کی
طرف جا رہا تھا۔ یہ ایک سمجھی جسم کا پست قد آدمی تھا اور اس کے خدو خال اس کی سفاک طبیعت
کی غلزاری کر رہے تھے۔

”وچھہ منٹ تک بے حس و حرکت پار کر کی کر سی پر بیٹھا رہا پھر اس نے گھنٹی بھائی دوسرا سے
لئے میں چہ اسی اندر آیا۔“

”ان دونوں آدمیوں کو بھیج دو جو ابھی دروازے کے پاس کھڑے تھے۔“ اس نے چپر اسی
سے کہا۔

چھپا اسی چلا گیا اور ضر غام پار کر کی تصویر کی طرف دیکھنے لگا جو سامنے ہی گی ہوئی
تمگی۔ ضر غام نے خود پچھلی رات کو پار کر کی لاش ٹھکانے لگائی تھی۔ لیکن اس وقت اس کی تصویر
پر نظر پڑتے ہی اس نے جھر جھری لی۔ مطلوبہ آدمی کرے میں پہنچ گئے تھے۔ ضر غام نے ان پر
ایک اچھتی سی نظر ڈالی اور کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے کچھ لکھنے میں مشغول ہو گیا۔

ان میں سے ایک کے چہرے پر ہو ایساں اڑھی تھیں اور دوسرا کچھ حوصلہ مند نظر آ رہا تھا۔
ضر غام قلم رکھ کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے باری باری سے دونوں کے چہروں کو

”میرا خیال ہے کہ وہ کسی کے لئے کام کر رہا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”ویسے پہلے میں نے بھی
یہی سمجھا تھا لیکن اب یہ خیال قطعی بدلتا ہے۔ اگر وہ اس کا ذاتی کام ہوتا تو اسے سر جلد لش کو
بلیک میل نہ کرنا پڑتا۔“

”سر جلد لش تو بڑا نیک آدمی ہے۔ آخر سے کس معاملے میں بلیک میل کیا جا سکتا ہے۔“

”ایک قطعی غیر اہم معاملہ۔“ فریدی نے کہا۔ ”سر جلد لش کو اپنی یہوی کی بہن سے عشق
ہو گیا تھا۔ ویسا عشق جس کے تم قائل ہو۔ بہر حال راہل کے پاس ان دونوں کی ایک تصویر ہے
جس سے سر جلد لش کی نیک نامی پر دھبہ لگ سکتا ہے۔ راہل اسے سالہا سال سے بلیک میل کر رہا
ہے۔ سر جلد لش اس کا منہ بند رکھنے کے لئے اُسے ہر ماہ ایک اچھی خاصی رقم دیتا ہے۔“

”کیا سر جلد لش نے آپ کو بتایا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں اس تذکرے کو بین چھوڑو۔ کیونکہ یہ قطعی غیر اہم ہے۔ میں تو ان را لکھوں کی بات
کر رہا تھا.... ہاں تو مجھے یقین ہے کہ راہل کسی دوسرے آدمی کے لئے یہ کام کر رہا تھا اور اب ہمیں
اس آدمی کی تلاش ہے۔ راہل ایک جھوٹی پچھلی ہے، جو اس بڑی پچھلی کو پہنانے کے لئے چارے
کے طور پر چھیکی گئی ہے۔“

”آپ کو یہ ساری باتیں پہلے ہی بتانی چاہئے تھیں۔“ حمید نے کہا۔ ”کیا یہ معاملہ ہمارے مجھے
کے علم میں ہے۔“

”صرف تین آدمی جانتے ہیں۔ میں، ڈی آئی جی اور آئی جی! چوتھے تم ہو۔ ان دونوں
افسروں کے علم میں لائے بغیر راہل کا فرار نا ممکن ہو جاتا۔“

”ہوں.... اور ابھی تک اس بڑی پچھلی پر آپ کی نظر نہیں پڑی۔“

”نہیں!“ فریدی سگار سلاگتا ہوا بولا۔ ”وہ بڑی پچھلی فی الحال ٹیڑھی کھر ہے۔ راہل بھی بہت
زیادہ احتیاط بر ت رہا ہے۔ اس نے ابھی تک اس بڑی پچھلی کی طرف رخ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ
اب وہ بڑی پچھلی ہی محتاط ہو گئی ہو۔“

”اگر یہ بات ہے تب تو راہل کو جیل سے نکالنا ہی بیکار ثابت ہو۔“ حمید نے کچھ سوچنے
ہوئے کہا۔

”اب مجھے بھی یہی سوچنا پڑ رہا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”خیر دو چار دن اور دیکھتا ہوں۔ اس کے

دیکھ کر کسی کی پشت سے میک لگائی۔

”تم دونوں یہاں کب سے ہو؟“ ضرغام نے پوچھا۔

”میں تین سال سے اور یہ دو سال سے۔“ ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔

”تمہارے نام۔“

”میں ارجمند ہوں اور یہ جیل۔“ اسی نے پھر جواب دیا۔

”تعلیم...!“

”هم دونوں گرجویٹ ہیں۔“

”تجربہ۔“ ضرغام نے انہیں گھور کر کہا۔ ”سوچ کجھ کر جواب دینا۔“

”میں نے ایک قتل کیا تھا۔“ ارجمند اپرداں سے بولا۔

”خوب اور تم...!“

”میں نے...“ جیل چاچایا۔ ”میں نے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ میں نے ایک حراثی نوزائدہ پیچے کا گلا گھونٹ دیا تھا۔“

”ہوں... اچھا... آج رات تمہیں سفر کرنا ہو گا۔ شمال مشرقی علاقے کا۔ گوناں کے اسٹشیں پر ایک سیاہ رنگ کی وین جس پر سور کا سر بنا ہو گا تمہیں کام پر لے جائے گی۔ کیشتر نے دودو ہزار روپے لے لو۔ یہ سفر خرچ ہے۔ معزز آدمیوں کی طرح سفر کرنا۔“

ضرغام نے دو کاغذ ان کی طرف بڑھادیئے اور وہ انہیں لے کر ضرغام کو سلام کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔

ضرغام تھوڑی دریتک خاموشی سے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے فون کارسیوز اٹھایا دوسرے لمحے میں وہ کسی کوڈا میل کر رہا تھا۔ ”ہیلو... کون... بھیڑیے کو فون پر بلاو... ہیلو... کون بھیڑیے! اچھا... میں سور بول رہا ہوں۔ آر... آتی... ہاں میں اب میں یہیں ہوں... دیکھو دو آدمی بھیجن دو... اپنی ہی طرح کے... سمجھ! بہت خوب۔“



سر جنت حید جاوید بلڈنگ سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا سن سٹ ریستوران کی بگراں کر رہا تھا۔ اسے دراصل فریدی کے قول کی تصدیق کرنی تھی۔ وہ ایک مرتبہ اسے اندر سے بھی دیکھ چکا

تھا۔ اس ریستوران میں صرف دو کمرے تھے۔ ایک باہر کا بڑا کمرہ جہاں گاہک بیٹھتے تھے اور دوسرا اندر وہی کمرہ تھے دو حصوں میں بانٹ کر ایک حصے میں باور پی خانہ بنایا گیا تھا اور دوسرے میں... دوسرے تک حمید کی نظروں کی بھی رسائی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کا دروازہ بند تھا۔ حمید اس وقت ایک جگہ پر کھڑا تھا جہاں سے نہ صرف باہری کمرہ بلکہ اندر وہی کمرہ کا دروازہ بھی صاف نظر آ رہا تھا۔ گاہکوں کے بیٹھنے کا کمرہ بالکل خالی تھا اور حقیقتاً یہ ایک ایسا ہی موقع تھا جب حالات ساز گارہی رہنے کی بیانے پر فریدی کے قول کی تصدیق کی جا سکتی تھی۔

اسے زیادہ دریتک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اندر وہی کمرے کا دروازہ کھلا اور دو خوش پوش آدمی برآمد ہوئے۔ حمید الیکٹریک پول پر پیر و کھڑک کراس طرح جھکا ہیے وہ اپنے جوتے کے فیٹے باندھ رہا ہو۔ حالانکہ وہ اس وقت ایک اپ میں تھا لیکن پھر بھی وہ کسی اختیاری تدبیر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ دونوں ریستوران سے نکل کر فٹ پا تھے پر آئے۔ حمید فٹے باندھ کر چل پڑا۔ فریدی ہی ایک بک ڈپ تھا جس کے سامنے اس نے اپنی موڑ سائیکل کھڑی کی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر ایک شوکیس پر جمک گیا جس میں کتابیں لگی ہوئی تھیں۔ اس شوکیس کے مقابل ایک الماری تھی جس میں ایک بڑا سا آئینہ نصب تھا۔ حمید نے اطمینان کا سانس لیا وہ دونوں اس آئینے میں صاف نظر آرہے تھے۔

انہوں نے ایک ٹیکسی رکوائی... اور پھر جب ٹیکسی کافی دور نکل گئی تو حمید نے اپنی موڑ سائیکل سنبھالی۔ بہر حال اس دوڑھوپ کا یہ نتیجہ تکلا کہ حمید کو مایوسی نہیں ہوئی۔ ان دونوں کی منزل رہی امپورٹر زک آفس تھا... اور رہی امپورٹر زک آفس ایسا نہ تھا جسے حمید آسانی سے نظر انداز کر سکتا۔ اسے رکنا پڑا کیونکہ خالی ٹیکسی دفتر کے سامنے اب بھی کھڑی ہوئی تھی۔ حمید ان کا منتظر رہا۔ وہ جلد ہی واپس آگئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس تھا جس کے اٹھانے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کافی وزنی ہو۔

ٹیکسی پھر چل پڑی... حمید بدستور اس کے تعاقب میں رہا۔ اب یہ ٹیکسی ماؤنٹن الیکٹریک پلائی کے سامنے رک گئی۔ وہ دونوں اترے، کرایہ ادا کیا اور اندر چلے گئے۔ حمید سوچ میں پڑ گیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ لوگ یہاں کسی کام سے آئے ہیں یا اس الیکٹریک

سپالائی کمپنی کا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہے۔

مختلف قسم کی الجھنوں میں پندرہ میں منت گذر گئے اور حیدر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ الجھن اس کے لئے بڑی سود مدد ثابت ہوئی اگر وہ وہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیتا تو خدا ہتھی جانے کیا ہوتا۔

بہر حال شاید میں منت بعد اس نے ان دونوں کو پھر دیکھا اور اس بار بچ مجھ اس کی آنکھیں جیرت سے پھیل گئیں۔ وہ دونوں ذی حیثیت آدمی معمولی قلیلوں کی نیلی وردی میں ملبوس الائکٹرک کمپنی سے برآمد ہوئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں وہی سوت کیس اب بھی تھا جسے لے کر وہ ریگی اپورٹر کے دفتر سے چلے تھے۔ باہر سڑک پلائی کمپنی کی سیاہ رنگ کی دین کھڑی تھی۔ سوت کیس اس میں رکھ دیا گیا اور وہ دونوں اگلی نشست پر جائیں۔ انہیں میں سے ایک وین کوڈر اسیور کر رہا تھا۔

حیدر کی موڑ سائیکل پھر ان کے پیچھے لگ گئی۔

تحوڑی دیر بعد الائکٹرک سپالائی کمپنی کی وین، ہائی سرکل نائٹ کلب کی کپاؤٹ میں داخل ہو رہی تھی۔

سابری بات حیدر سمجھ میں آگئی۔ آج ہائی سرکل نائٹ کلب میں ایک عظیم الشان دعوت تھی جو شہر کے ایک بڑے سرمایہ دار کی طرف سے ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ کے اعزاز میں بڑی گئی تھی۔ شہر کی مقندر ہستیاں مدعو تھیں۔ کلب کی عمارت سجاہی جارہی تھی۔ غالباً الائکٹرک سپالائی کمپنی کو روشنی کے انتظام کاٹھیکر دیا گیا تھا۔ لیکن راہل کے آدمی؟... اس کا سر چکرا گیا۔... دوسرے لمحے میں وہ ایک پلک میلی فون بو تھکی طرف بھاگ رہا تھا۔



رات بڑی خونگوار تھی اور ہائی سرکل نائٹ کلب کی عمارت، نیلی پلی، سبز اور سرخ روشنیوں میں نہایت ہوئی کھڑی تھی۔ عمارت کے اندر ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ تشریف رکھتے تھے۔ ان کے گرد شہر کی مقندر ہستیوں کا جhom تھا اور کپاؤٹ کے چھپے پر پولیس تھی لیکن الائکٹرک سپالائی کمپنی کے دونوں مستریوں پر کسی کی نظر نہیں تھی.... لیکن نہیں.... ان میں ایک آدمی ایسا تھا جس نے شروع ہی سے ان پر نظر رکھی تھی۔ یہ سرجن حیدر تھا۔

”وہ دونوں اس بات سے فطحی بے خبر تھے.... اور انہوں نے بھی وہ کام نہیں شروع کیا تھا جس کے لئے وہ سمجھے گئے تھے۔ جب سارے مہماں آپکے اور انہیں اطمینان ہو گیا کہ اب کپاؤٹ میں کسی کا داخلہ نہیں ہو گا تو انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔... اور یہی وہ وقف تھا جس میں وہ سرجن حیدر کی نظر وہن سے او جمل ہو گئے تھے۔ چونکہ اس نے صحیہ سے ان پر نظر رکھی تھی سرجن حیدر کی نظر وہن سے او جمل ہو گئے تھے۔ جبکہ اس بارہ ہوئے تھے وہ گہری تشویش میں جلتا ہو گیا۔ وہ اکیلا کیا کرتا۔ اس نے تو وہ پھر ہی لہذا ان کے غائب ہوتے ہی وہ گہری تشویش میں جلتا ہو گیا۔ کون فریدی نے اس کے جواب میں اسے ہدایت دی کو فریدی سے فون پر سارا حال کہہ دیا تھا۔ لیکن فریدی نے اس کے جواب میں اسے ہدایت دی تھی کہ وہ خاموشی سے ان پر نظر رکھے۔ ملکے کے کسی دوسرے تھوڑی سے ان کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں.... اور اب اس وقت جب وہ تھوڑی دیر کے لئے اس کی نظر وہن سے او جمل ہو گئے تو اسے فریدی پر نرمی طرح تاؤ آنے لگا۔ تاؤ آنے کی ایک دوسری وجہ اور بھی تھی۔

فریدی بھی اس دعوت میں رُد عو کیا گیا تھا۔ اور اس وقت حیدر کے خیال کے مطابق اندر چھڑوے اڑا رہا تھا۔ اندر بڑی بڑی حسین لڑکیاں تھیں اور دنیا کی ہر حسین لڑکی کا حقدار حیدر باہر جھک مار رہا تھا۔ اس جھک مارنے کے دوران میں اسے دونوں آدمیوں کا سوت کیس پاد آیا جسے انہوں نے کپاؤٹ میں ایک کونے میں اگی ہوئی مالتی کی بے ترتیب جھاڑیوں میں چھپا دیا تھا۔ حیدر نے سوچا کیوں نہ چل کر اس سوت کیس کی تلاشی لی جانے۔ آخر وہ اس میں کیا لئے پھر رہے ہیں۔ یہ جھاڑیاں کچھ ایسی جگہ پر تھیں جہاں بالکل اندر ہیرا تھا اور یہ جگہ عمارت سے کافی دور تھی۔ حیدر چہار دیواری سے چپا ہوا ان کی طرف بڑھنے لگا لیکن وہاں کے قریب پہنچ کر بھی اندر نہ کھس سکا کیونکہ وہ دونوں جھاڑیوں میں موجود تھے ان میں سے ایک کہہ رہا تھا ”تھیں دھوکا تو نہیں ہوا.... کار اسی کی تھی تا۔“

”یار تم مجھے بچ کیوں سمجھتے ہو۔“ دوسرا بولا۔ ”اتی کاروں میں ایک کے علاوہ دوسری کیڑیاں نہیں ہے۔“

حیدر کے کان کھڑے ہو گئے۔ ”خیر! اچھا تو دیکھو۔“ پہلے نے کہا۔ ”جیسے ہی میں ٹاور کے پاس والے درخت سے سرخ روشنی دکھاؤں تم پھرتی سے سوچ دبا کر نکل بھاگنا۔“ ”اوہ تمہارا کیا جائے گا؟“ دوسرا بولا۔

”اس کی فکر شہ کرو! دھا کے کے بعد کسی کے بھی ہوش بجانہ رہیں گے۔ میں نکل آؤں گا۔“
”اچھا تو فتح....!“ دوسرے نے کہا۔

”فتح....!“ پہلا بولا اور جھاڑیوں سے ریگ کر دوسری طرف چلا گیا۔

دفتار ایک خیال بجلی کی طرح حمید کے ذہن میں کونڈ گیا اور اس کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔
وہ بڑی تیزی سے اپنی جگہ سے ہٹا۔ یہ حقیقت تھی کہ سینکڑوں کاروں میں ایک کے علاوہ دوسری
کیڈیاں لامبیں تھیں.... اور یہ کیڈی لامبی لامبی فریدی کی تھی۔

کچھ کاریں اندر کپاڑاٹ میں تھیں اور کچھ باہر سڑک پر تھیں۔ فریدی کی کیڈی اندر ہی تھی
اور اسکی جگہ کھڑی تھی جہاں دوسری کاریں بھی تھیں لیکن کیڈی اندر ہیرے میں تھی۔ پائیں پانغ
کی دیوار سے بالکل ملی ہوئی۔

حمد کو ایک مسٹری دکھائی دیا جو نادر کے قریب والے درخت کی طرف جا رہا تھا۔ سونے
سمجھنے کے لئے وقت کم تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اس وقت تک اس مسٹری کو دیکھتا رہا جب تک کہ وہ
کافی دور نہیں نکل گیا۔ پھر وہ اس طرف چل پڑا جدھر کیڈی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے پہلے تو
کیڈی کے اندر اچھی طرح دیکھ بھال کی۔ لیکن جب کوئی چیز نہ ملی تو وہ بے تھاشہ زمین پر لیٹ کر
اس کے نیچے ریگ گیا۔ اس کی چھوٹی سی نارنجی اس کے ہاتھ میں تھی۔

اور پھر اسے جو کچھ نظر آیا اس نے اس کی رگوں کا خون نجمد کر دیا۔ کیڈی کے نیچے ڈائنا
میٹ رکھا ہوا تھا اور اس سے لگے ہوئے تار کا سلسلہ شاید اس جھاڑی تک چلا گیا تھا جہاں اس نے
کچھ دیر قبل ان دو خطرناک آدمیوں کی گفتگو سنی تھی۔

کافی ٹھنڈک ہونے کے باوجود بھی اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرات پلک رہے تھے اس
نے کاپتے ہوئے ہاتھوں سے ڈائنا میٹ کا تار الگ کر دیا اور پھر سونے لگا کہ اسے ہنا کر کہاں لے
جائے۔ دفتار سے یاد آیا کہ کیڈی کی سپنچی کی کنجی اسی کے پاس ہے۔ وہ ڈائنا میٹ کو احتیاط سے اپنے
ہاتھوں پر سنجالے ہوئے باہر ریگ آیا۔ اسپنچی کھوئی اور اسے بے آنکھی ایک طرف رکھ کر
اطینان کا سانس لیا۔

”کیا وہ اُن دونوں کرپکڑے؟“ یہ ہواں بڑی شدت سے اس کے ذہن میں گونج رہا تھا لیکن
وہ فریدی سے مشورہ لئے بغیر کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس نے بڑی تختے سے اُسے کسی ایسے اقدام

سے روک دیا تھا جو اس کے مشورے کے بغیر کیا جائے۔
دعوت ختم ہوئی۔ کاریں ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگیں۔ جب فریدی اپنی کیڈی پر
بیٹھا تو نادر کے قریب والے درخت پر ایک سرخ رنگ کا بلب بار بار جلنے اور بیٹھنے لگا۔ حمید یہ تماشا
ویکھنے کے لئے رک گیا تھا۔ بلب جلتا اور بحثتا ہی رہا۔ لیکن فریدی کی کیڈی فراٹے بھرتی ہوئی
پھاٹک سے باہر نکل گئی۔

حمد کا دل چاہا کہ چونی والے فلم بیٹوں کی طرح تالیاں پیشناشدہ کر دے۔ اس نے خدا پری
پیٹھے ٹھوکنے کے لئے اپنا باتھ اٹھایا ہی تھا کہ دفتار کی طرف سے ایک فائر ہوا اور نادر کے قریب
والے درخت سے ایک لاش زمین پر آگئی۔ پہ المیٹر ک سپاٹی کپٹی والے مسٹری کی لاش تھی۔
لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔

حمد بے تھاشہ اس جھاڑی کی طرف بھاگ رہا تھا جہاں دوسرے مسٹری تھا... اور وہاں بچھنے کر
اُسے دوسری لاش نظر آئی۔ دوسرے مسٹری کو کسی نے گاہ گونٹ کر مار ڈالا تھا نہ تو وہاں ڈالنا
میٹ کا تار تھا اور نہ وہ بیٹری تھی جس کے ذریعہ ڈائنا میٹ سے فریدی کی کاراڑائی جانے والی تھی۔

گلگھو نٹنے والی

دوسری صبح بڑی خونگوار تھی۔ سر جنٹ حمید بے چینی سے فریدی کے کمرے کے سامنے
ٹھل رہا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ فریدی بیدار ہو گیا ہو گا۔ وہ دراصل اس لئے بیٹھنے تھا کہ جلد از جلد
فریدی کو اپنی کارگزاریوں کی اطلاع دے سکے۔ پچھلی رات جب وہ واپس آیا تھا تو فریدی موجود
نہیں تھا اس کا انتظار بھی کیا تھا لیکن وہ دیر تک اپنی نیند پر قابو نہیں پا سکا تھا۔

اب صبح صبح وہ چھتہ تھا کہ فریدی کے منہ سے اپنے لئے تعریفی جملے سن سکے۔ آخر جب
معاملہ بروادشت کی حد سے تجاوز کر گیا تو اس نے فریدی کی خواب گاہ کے دروازے کا پینڈل گھمایا۔
دروازہ اندر سے مقفل نہیں تھا اس لئے بڑی آنکھی سے دروازے کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔۔۔
لیکن.... فریدی اندر موجود نہیں تھا۔۔۔ بستر بے شکن تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے فریدی پچھلی
رات اس پر لیٹا ہی نہیں۔

تکھے پر ایک لفافہ پڑا تھا۔ حمید نے جمک کر اُسے انھیا اور اس پر اپنا نام دیکھ کر اُسے چاک کرنے لگا۔ کوہ سمیا ہو۔ لیکن اُسے ڈائنا میٹ کا محل کیوں کر معلوم ہو۔ وہ تو اس وقت عمدات کے اندر تھا۔ حمید اٹھ کر گیراج کی طرف بھاگا۔ کیڈی کھڑی تھی۔ اس نے اپنی کھوئی۔ ڈائنا میٹ ٹھیک اسی جگہ پر موجود تھا جہاں اس نے اُسے پچھلی رات کو رکھا تھا۔

”عجیب بات ہے۔“ حمید گردن جمک کر آہستہ سے بڑا بڑا۔ ”اس نے اپنی کو پھر متعلق کر دیا۔“



نکسن لین کی ایک عمارت میں جہاں زیادہ تر شہر کے متول لوگ آباد تھے لوئی جیران و ششندہ کھڑی تھی اور اس کے سامنے ایک جیلا ایکلو انڈین کھڑا اُسے احقوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔ ”لوئی اُسی۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”میں پھر کہتا ہوں کہ آپ خطرے میں ہیں۔“ ”میں سمجھتی ہوں۔“ لوئی مفطر بان انداز میں بولی۔ ”میں جانتی ہوں! مسٹر پارک کی طویل رخصت۔ مجھے یقین ہے کہ آن سے ضرور کوئی غلطی ہوئی اور جس سے کوئی غلط سرزد ہوتی ہے وہ ایک طویل رخصت پر روانہ کر دیا جاتا ہے.... مگر میں....!“

”کیا آپ سے غلطی نہیں ہوئی۔“ اس نے پوچھا۔

”نہیں مسٹر لو تھرا! میری دانست میں تو نہیں۔“ لوئی نے کہا۔ ”پھر آپ پر پابندی کیوں لگائی گئی ہے۔“ لو تھر بولا۔ ”مجھ سے سنئے! آپ نے اس سراغ رسال کو آفس کا فون نمبر دیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی۔“

”اوہ.... میں نے.... میں نے مسٹر پارک کی ہدایت پر عمل کیا۔“

”لیکن مسٹر پارک اس کا ثبوت پیش کرنے کیلئے طویل رخصت پر سے واپس نہیں آئیں گے۔“ ”پھر میں کیا کروں۔“ ”لوئی ما یوسی سے بولو۔“

”میں نہیں جانتا کہ کب آپ پر کوئی اتفاق پڑے۔“ ”لو تھر متھش لجھے میں بولا۔“ لیکن ملادام لوئی آپ مجھے اپنے خدموں میں سے پائیں گی۔ حالانکہ آپ مجھے ہمیشہ بد گوشت سمجھتی رہی ہیں۔“ ”اوہ.... نہیں مسٹر لو تھر.... میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں۔“ ”میں عزت ہی۔“ ”لو تھر ما یوسی سے بولو۔“

”میں سمجھی۔“ ”لوئی ذرا سما سکرائی۔“ ”ٹھیک ہے! میں طویل رخصت پر پچھنچے کے بعد آپ کو شادی کی دعوت دوں گی۔“

تکھے پر ایک لفافہ پڑا تھا۔ حمید نے جمک کر اُسے انھیا اور اس پر اپنا نام دیکھ کر اُسے چاک کرنے لگا۔

”تھر یہ فریدی ہی کی تھی۔ اُس نے لکھا تھا۔“

”حمدہ ڈیز!“

تمہارا بہت بہت شکریہ! تم نے پچھلی رات میری جان بچائی اور میں اس بات سے بھی خوش ہوں کہ تم نے یہ کام بڑی رازداری اور ہوشیاری سے انجام دیا۔ میں فی الحال کچھ دنوں کے لئے باہر جا رہا ہوں اور پوچھو تو تمہارا اہم روں اسی نقطے سے شروع ہو رہا ہے۔ غالباً تم کچھ گئے ہو گے۔ وہ مجھ تک پہنچنے کے لئے تمہارا تعاقب کریں گے، لیکن تم قطعی ہر اسال نہ ہوئا۔ تمہارے لئے میک اپ وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں۔

کل دو قسم نے کمال کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے بعد تم ہی میری جگہ لوگے۔ امید ہے کہ تمہاری چوہیا بعافیت ہو گی اس کے لئے ایک بوس اڑا رہا ہوں۔“

حمدید نے خط پڑھ کر بڑے ڈرامائی انداز میں اپنے سر کو جبیش دی اور یہ بیک اس کے چہرے پر اس قسم کی سنجیدگی بر سنتے گئی جیسے وہ یہک بیک بوڑھا ہو گیا ہو۔ اس نے معنی خیز انداز میں دوبارہ اپنے سر کو جبیش دی اور ایک پروقار بڑھ میں کی طرح آہستہ آہستہ چلتا ہوا کرے سے نکل گیا۔ اب کہ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے حقیقت ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور وہ کچھ فریدی کے بعد دنیا کا دوسرا سب سے بڑا سراغ رسال ہے۔

اس پر یہ حمافت آمیز سنجیدگی کافی دیر تک طاری رہی اور وہ ہر لمحہ کسی جاسوسی ناول کے آئندیں سراغ رسال کی طرح عجیب عجیب حرکتیں کرتا رہا۔

پھر اس نے صبح کا اخبار اٹھایا۔ پچھلی رات کے عجیب و غریب حادثہ کی خبر سر درق پر ڈا موجود تھی۔ اخبار کے روپورٹر کی خیال آرائیاں بڑی دلچسپ تھیں۔ لیکن وہ کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچا تھا۔ ماؤنن الیٹریک سپلائی کمپنی کے کار کنوں کو بھی اس حادثے پر حرمت تھی۔ انہوں نے تسلیم کیا تھا کہ وہ دونوں مسٹری انجینئرنگز کی کمپنی کے متعلق تھے۔

اچانک حمید ایک نئی الجھن میں بیٹلا ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کو پورے واقعات کا علم کیوں نکر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مسٹریوں کے قتل کی واردات کا علم اُسے رات ہی کے کسی جھے میں بھے

بہت بس کہہ لڑکی تھیں۔“

”میں اب بھی ہوں۔“ لوئی بولی۔

روشی نے اپنے بیگ سے سگریٹ کیس نکال کر لوئی کی طرف بڑھایا۔

”اوہ شکریہ!“ لوئی ایک سگریٹ لیتی ہوئی بولی۔ ”تم ہمیشہ اچھے سگریٹ پیتی ہو۔“

روشی ذرا سی مسکرائی وہ بیگ سے آئینہ نکال کر اپنے بھنوں کے زائد بال پنٹے گئی تھی۔

”واقعی عمدہ سگریٹ ہیں۔“ لوئی دو تین گھرے گھرے کش لے کر بولی۔ ”بازار میں تو یہ انہیں ملتا۔“

”میرا ایک دوست وی آتا سے لایا ہے۔“ روشنی نے لاپور دائی سے کہا۔ کچھ دیر تک خاموشی ہی پھر روشنی نے آئینہ سامنے کئے ہوئے لوئی کو کن آنکھوں سے دیکھا لوئی اوکھے رہی تھی۔ اس نے اپنی بو جمل پلیس اٹھاتے ہوئے بھرائی ہوئی ہڈوار میں کہا۔

”شاہد مجھے نیند آ رہی ہے۔“

”تمباکو ذرا سخت ہے۔“ روشنی مسکرا کر بولی۔ ”تم پورا مرت پیو ورنہ چکر آ جائے گا۔“

”اوہ تو یہ تم مجھے کمزور بھجتی ہو۔“ لوئی نے سوئی سوئی ہندی کے ساتھ کہا۔ ”میں پورا پیوں گی۔“ اس نے پھر ایک گھبراش لیا۔ پھر وہ پے در پے گھرے گھرے کش لیتی گئی چند لمحوں بعد اس کی گردن ڈھلک گئی اور دو نوں ہاتھ کری کے یونچے جھول گئے گھری سانوں کے ساتھ اس کا سینہ اوپر یونچے ہو رہا تھا۔

روشنی نے اپنا سماں سیست کر بیگ میں رکھا اور پھر پوری عمارت کا چکر لگا آئی۔

اس کا چہرہ بڑا پہ سکون نظر آ رہا تھا۔ دوبارہ بیگ کھول کر اس نے ایک بڑا ساری شیشی رومال نکلا۔ اور پھر بے ہوش لوئی کو عجیب نظر دوں سے دیکھنے لگی۔

دوسرے لمحے میں وہ اسی رومال سے لوئی کا گلا گھونٹ رہی تھی۔

لوئی ایک بار ترپی۔ اس کامنہ کھل گیا اور آنکھیں اٹل پڑیں۔ لیکن چہرہ بے جان تھا۔ وہ بڑ کی اس گڑیا سے بہت مشابہ تھی جس کا پیٹ و باتے ہی منہ کھل جاتا ہے اور آنکھیں پھیل جاتی ہیں۔ روشنی ایک جھٹکے کے ساتھ الگ ہٹ گئی۔

لوئی کے سینے کا تمونج ختم ہو گیا تھا اور اس کی گردن اب بھی ڈھلکی ہوئی تھی۔ روشنی نے

”میری زندگی میں کوئی آپ کو آنکھ بھی نہیں دکھا سکتا مادام۔“ لوئر اکڑ کر بولا۔ ”میں شام تک آپ کو یہاں سے نکال دوں گا۔ مطمئن رہئے۔ عمارت کی گمراہی کے لئے کوئی نہ کوئی باہر ضرور ہو گا۔ ضرغام خطرناک آدمی ہے اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے جنگلی سوریا د آ جاتے ہیں۔“

”میں نے سنا ہے کہ وہ مسٹر پارکر کی جگہ کام کر رہا ہے۔“ لوئی نے کہا۔

”یہ چ ہے۔“ لوئر نے کہا۔ ”آچا مادام! اب میں چلا۔ شام کو یاد رکھئے گا۔ میں کسی کے قدموں کی آہٹ بھی سن رہا ہوں۔“

لوئر دروازے سے گزر کر کمروں میں گم ہو گیا۔

لوئی بھی قدموں کی آہٹ سن رہی تھی۔ آہٹیں نزدیک ہوتی گئیں۔ پھر سامنے والے دروازے میں ایک صحت منداور نوجوان لڑکی دکھائی دی۔ یہ بھی ایکلو اٹھیں ہی تھی اور لوئی سے کہیں زیادہ حسین تھی۔

”روشنی....!“ لوئی نے حیرت سے کہا۔ ”تم یہاں کہاں؟“

”لوئی ڈیزیر۔“ روشنی پر جوش لجھے میں چھپی۔ ”تم بھی بیکیں ہو.... میں دراصل فی الحال تمہاری جگہ پر کام کر رہی ہوں۔ حالات تھیک ہو جانے پر میں پھر واپس چلی جاؤں گی۔ لیکن مجھے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ تم بھی اس عمارت میں ہو۔ چلو اچھا ہے۔ مجھے بیکیں قیام کرنے کو کہا گیا ہے۔“

”مجھے خوشی ہے۔“ لوئی پڑی۔ ”تھاں تورخ ہوئی۔“

”اوہ.... مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔“ روشنی نے بڑا سامنہ بنا کر کہا۔

”میں نے بھی ناشتہ نہیں کیا۔“ لوئی بولی۔

ناشتہ کر کچنے کے بعد وہ دونوں پھر اسی کمرے میں آئیں جس میں ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

”یہ شہر مجھے بہت پسند ہے۔“ روشنی کہہ رہی تھی۔

لوئی کچھ مضمحلہ سی نظر آ رہی تھی۔ روشنی نے دلچسپ باتیں چھیڑ دی تھیں۔ لوئی کبھی کبھی بھس دیتی تھی لیکن اس کی یہ بھی بالکل بے جان ہوتی تھی۔

”تم کچھ مغموم نظر آ رہی ہو۔“ روشنی نے کہا۔

”نہیں تو....!“ لوئی زبردستی پڑی۔

”چھوڑ بھی۔“ روشنی نے ایک ٹھکنٹا ہوا تھہرہ لکایا۔ ”جو انی کے لئے ادا سی زہر ہے۔“ تم تو

جب تو میں معافی چاہتی ہوں۔ ”لڑنے نے اٹھنے کا رادہ ظاہر کیا۔
”اُز... نہیں میں یہ نہیں چاہتا۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”فضول ہے آپ کے جانے کے بعد بھی مجھے تھائی نصیب نہ ہوگی۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”یہ...!“ حمید نے جیب سے چوبیاں کھل کر میر پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”یہ میرا بچھا نہیں چھوڑتی۔“
لوگی یک بیک چوک کر پہچھے ہی پھر حرمت سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

”جی ہاں۔“ حمید مفہوم لجھ میں بولا۔ ”مجھے تھائی بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہ میرا بد نصیبی ہے۔“

چوبیاں نے میرا کا چکر لگایا اور پھر حمید کے سامنے رک کر بچھلی ناگتوں پر کھڑی ہو گئی۔

”اب دیکھئے یہ میرا انداز اڑاز ہی ہے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”مگر نہیں مجھے اس کی جنس کے متعلق شہر ہے۔ مجھے آج تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ زر ہے یا مادہ۔“

”بُو بیماری ہے۔“ لڑکی نے مسکرا کر کہا اور اب وہ اُسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

”آپ نے غلط اندازہ لکایا۔ میری دبانت میں یہ بُو بیمارا ہے۔“

اسے زیادہ دیر سک رہا نہیں دیکھنی پڑی۔ اسے اپنا پشت پر ہلکی بڑی براہت سنائی دے را

”کچھ بھی ہو! مجھے پسند ہے۔“ لڑکی نے اُسے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھلیا اور وہ حمید کی جب

اسکرٹ میں بُو بی اچھی لگ رہی تھی۔ میں کو گئی۔ لڑکی بُس پری اور پھر سخنیدہ ہو کر بولی۔ ”کمال کر دیا آپ نے خوب رہیں کیا ہے۔“

”می نہیں۔ یہ مجھے ٹرین کر رہی ہے۔“

”اوہ! اُدھر اُدھر دیکھ کر پھر آہنستہ سے بڑا بُو بی۔“ اس شہر میں کسی تھائی پسند کا گزر نہیں۔“

”کیا آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔“ حمید پہچھے مڑ کر بڑے مودبانتہ انداز میں بولا۔

”می نہیں۔“ لڑکی بولی۔ ”میں یہ کہہ رہی تھی کہ کوئی ایسی میز نہیں جہاں میں تھایا یہ سکوں۔“

”ہو قوتی کا مفہوم یعنی نہ سمجھتے ہوں گے۔“ لڑکی نے کہا۔

”اوہ نہ ہو گا۔“ حمید نے لاپرواٹی سے اپنے شانوں کو جبش دی۔ ”نہ جانے کیوں مجھے ایسا

”اُر... نہیرا یہ مطلب نہیں!“ لڑکی بوکھلا گئی۔ ”بات یہ ہے کہ میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔“ معلوم ہوا ہے جیسے آپ کا نام یہاں لیا گیا ہے۔

”تو بیٹھنے نا۔“ حمید بے تکلفی سے بولا۔ ”لاکھ اجنبی سمجھی لیکن یہ بھگوں کا زمانہ تو ہے نہیں۔“

”یالیلی.... نہیں تو میرا نام روشنی ہے۔“

”لڑکی بیٹھ گئی۔ لیکن اس کے انداز میں اب بھی بچھا ہٹت تھی۔“ حمید نے ایک بار پھر اس

”روشنی....!“ حمید آنکھیں بند کر کے بڑھا گیا۔ ”اُن نام سے تو زگس کی کلیوں کا تصور زیادہ ہوتا ہے۔“

نہایت اطمینان سے اسی رو مال سے اپنے لباس کی ٹکلیں درست کیں اور اسے بیک میں رکھ لیا۔
پھر تھوڑی دیر بعد وہ دوسرے کرے میں کسی کو فون کر رہی تھی۔

◆◆◆

آر لچھو کی رقص گاہ تھیں اور سیٹوں جیسی سریلی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ ابھی رتم
شروع ہونے میں دیر تھی۔ موسم آج پہچھلے دنوں کی نسبت زیادہ بہتر تھا۔ سردی زیادہ نہیں تھی
سر جنہ تھیں نہیں کیا کہ اس پر ایک دو نہیں در جوں نگاہیں پڑ رہی ہیں آج وہ حق
بیرس کا کوئی وہ معلوم ہو رہا تھا۔ بہترین پر لیں کئے ہوئے سوٹ بے داغ اور چکلی سفید شر
اور شیشے کی طرح جملتے ہوئے کار میں اس کی شخصیت اچھی طرح ابھر آئی تھی۔

لیکن وہ اپنی میز پر تھا تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ اس کے علاوہ پوری رقص گاہ میں
اور کوئی تھا نہیں تھا۔ حمید کی مدد سے آہ نکلی یعنی اسے ڈکار آئی۔ دل سے آہ نکلنے کا وہ تھا
نہیں تھا۔ وہ بھی سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ آخر سکن تھا رہے گا۔ اُسے یقین تھا کہ اس کے مقام
کی لڑکی اُنکر اس سکن پہنچے گی۔ لڑکیوں کے معاملے میں مایوسی اس کی شریعت میں حرام تھی۔

اسے زیادہ دیر سک رہا نہیں دیکھنی پڑی۔ اسے اپنا پشت پر ہلکی بڑی براہت سنائی دے را
”کچھ بھی ہو! مجھے پسند ہے۔“ لڑکی نے اُسے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھلیا اور وہ حمید کی جب
اس نے گردن تر چھپ کر کے ٹکیں سیٹوں سے اسے دیکھا۔ وہ ایک ایگلو اٹھنے لڑکی تھی۔ میں کو گئی۔ لڑکی بُس پری اور پھر سخنیدہ ہو کر بولی۔ ”کمال کر دیا آپ نے خوب رہیں کیا ہے۔“

”می نہیں۔ یہ مجھے ٹرین کر رہی ہے۔“

”اوہ! اُدھر اُدھر دیکھ کر پھر آہنستہ سے بڑا بُو بی۔“ اس شہر میں کسی تھائی پسند کا گزر نہیں۔“

”تو بیٹھنے نا۔“ حمید بے تکلفی سے بولا۔ ”لاکھ اجنبی سمجھی لیکن یہ بھگوں کا زمانہ تو ہے نہیں۔“

”یالیلی.... نہیں تو میرا نام روشنی ہے۔“

”لڑکی بیٹھ گئی۔ لیکن اس کے انداز میں اب بھی بچھا ہٹت تھی۔“ حمید نے ایک بار پھر اس

”تروینی نظروں سے دیکھا اور وہ گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔“

”میں خود بھی بڑا تھائی پسند ہوں۔“ حمید نے کہا۔

وہ اس کی طرف مڑی۔ حید نے کیڈی کی رفتار دھی کر دی۔ اس کا بیالاں ہاتھ اسٹریگ پر تھا اور دائبے ہاتھ میں اس نے ریو اور کادستہ مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ جیسے ہی موڑ سائیکل قریب آئی ہو گئی تھی۔ اس نے کیڈی روک دی اور موڑ سائیکل کیڈی کے فٹ بورڈ سے آگئی۔

”میں تیار ہوں۔“ حید نے ریو اور کی تال موڑ سائیکل سوار کی پیشانی پر رکھ دی۔

”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے آفیر!“ موڑ سائیکل سوار نے کہا۔

”ہو سکتا ہے۔“ حید نے آہستہ سے کہا اور ساتھ ہی اس نے باسیں ہاتھ سے تارچ بھی نکال لی۔ تارچ کی روشنی اسی اینگلو اٹھین نوجوان پر پڑی رہی تھی جسے اس نے کچھ دریں قبل آر لچوکے کلوک روم میں دیکھا تھا۔

”آفیر! تمہیں لوئی کی تلاش تھی۔“ اینگلو اٹھین نے کہا۔

”ہاں.... آں.... تم کون ہو؟“

”دہ بھی۔“ اینگلو اٹھین بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مشتر پار کر کی طرح طویل رخصت پر روانہ کرو دی گئی۔“

”پار کر..... کون پار کر.....؟“

”آفیر..... میرا تام لو تھر ہے۔ میرا تعلق بھی رمگی امپور ٹرزر سے ہے۔“

”اہ..... اچھا..... تو پھر.....!“

”تو پھر یہ کہ آپ اور آپ کا چیف دونوں خطرے میں ہیں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”آفیر میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گا۔ میرے سینے میں جہنم سلگ رہا ہے۔ انہوں نے لوئی

میں ہے۔ حید نے اپنے کوٹ کی جیب مٹولی۔ ریو اور موجود تھا۔ حید نے سوچا چلویہ بھی کہا

”پر ہمارے اس کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس نے دیدہ و انتہ کیڈی کا رخ ویران راستوں کی طرف

بھی طویل رخصت پر روانہ کر دیا جائے گا۔ مگر مجھے پروادہ نہیں۔“

”طویل رخصت..... میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”طویل رخصت.....!“ لو تھر کی بھی بھایاں تھی۔ ”رمگی امپور ٹرزر میں طویل رخصت عالم

سائیکل فرائٹ بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اب حید اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ساتھ ہی وہ مڑ مڑ

دیکھتا گئی جا رہا تھا کہ کہیں اس کے پیچھے کوئی اور بھی تو نہیں ہے۔ اس کے پیچھے سڑک سننا بالا کے سفر کو کہتے ہیں۔“

”تمہارا باس کون ہے؟“ حید نے پوچھا۔

”آپ شاعر بھی ہیں۔“

حید نے کچھ کہا۔ لیکن مو سیقی کی تیز آواز میں وہ سن نہ سکی۔ رقص کے لئے مو سیقی شردا رہ ہو گئی تھی۔

”لیا میں درخواست کر سکتا ہوں۔“ حید نے کہا۔

”نہایت شوق سے لیکن میں بہت تحک گئی ہوں۔“

”اوه....!“ حید خشنہ سانس لے کر بولا۔ ”تب تو.... کائنات تحک گئی ہے... یا کہر

کی کلیاں نہ چھال ہو گئی ہیں۔“

”میں واقعی تحک گئی ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ میں گھر جاؤں گا،“

”مجھے افسوس ہے۔ کیا میں کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔“

”مشیر یہ! آپ بہت اچھے ہیں۔ ہم پھر کبھی ملیں گے۔ کل شام کو سیلیں۔“

”میرا نام بھائیڈ ہے۔“ حید نے آہستہ سے کہا۔ وہ اسے رخصت کرنے دروازے تک گیا

روشی اخلاقاً مسکرائی۔ حید اس کے اسکرٹ کی لہروں کو دیکھ رہا تھا جب وہ دروازے سے لگا

گئی تو وہ ماہیوں سے اپنی میر کی طرف واپس آیا۔ اس کی طبیعت مکدر ہو گئی اور اب وہ یہاں نہیں

ٹھہرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے دستانے اٹھائے اور کلوک روم میں آیا۔ پھر جب خادم اسے الشرپ

میں مددے رہا تھا اس نے ایک اینگلو اٹھین جوان کو دیکھا جو اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

حید نے فلک ہیٹ اٹھائی اور دروازے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد کیڈی آر لچوکی کپاڑا

سے نکل رہی تھی۔

کچھ ہی دور جانے کے بعد اس نے محسوس کر لیا کہ ایک موڑ سائیکل اس کی کار کے تعاب

میں ہے۔ حید نے اپنے کوٹ کی جیب مٹولی۔ ریو اور موجود تھا۔ حید نے سوچا چلویہ بھی کہا

”عرصے سے اس کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس نے دیدہ و انتہ کیڈی کا رخ ویران راستوں کی طرف

چھیر دیا اور پھر ایک ایسی سڑک پر اچاک اس نے اسے روک دیا، جو بالکل سنان تھی۔“

”سائیکل فرائٹ بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اب حید اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ساتھ ہی وہ مڑ مڑ

دیکھتا گئی جا رہا تھا کہ کہیں اس کے پیچھے کوئی اور بھی تو نہیں ہے۔ اس کے پیچھے سڑک سننا بالا کے سفر کو کہتے ہیں۔“

”تمہارا باس کون ہے؟“ حید نے پوچھا۔

متعلق کچھ نہیں تھا.... اور سنو! مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری راہ پر لگ گیا ہے۔ مجھے راہل کے فرار پر بھی شبہ ہے وہ خود ہی نہیں تکل بھاگا.... بلکہ بھکایا گیا ہے.... تمہیں یاد ہو گا کہ وہ رانکلوں کے ساتھ پکڑا گیا تھا۔

"اوه.... باس.... میں بھی اکثر یہی سوچتا ہوں کہ پولیس اس کی وساطت سے ہمیں پکڑنا چاہتی ہے۔" ضرغام بولا۔

"لیکن....!" میں سین سے آواز آئی۔ "تمہارا باس احمد نہیں ہے۔ وہ راہل کو پہلے ہی اطلاع دے چکا ہے کہ وہ گوشہ نشین اختیار کر لے۔"

ٹھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر میں سے آواز آئی۔ "دوسری بات! فریدی کا استثنہ ہمیں موجود ہے اور وہ علانی گھومتا پھرتا ہے۔ تم اس سے کیا بتیجہ اخذ کر سکتے ہو۔"

"میرا خیال ہے۔" ضرغام بولا۔ "یہ بھی فریدی کی ایک چال ہے جیسے ہی ہم اس کے استثنہ پر ہاتھ ڈالیں گے وہ ہمیں آ لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ابھی تک اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ ویسے روشنی اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی صورت سے ہمارا ہاتھ فریدی تک پہنچ جائے۔"

"تمہارے پہلے خیال سے میں متفرق ہوں۔" میں سے آواز آئی۔ "لیکن دوسرے میں غلطی کا امکان ہے۔ فریدی نے اپنے استثنہ کو اس لئے بیباکانہ گھونٹے کو نہیں چھوڑا ہے کہ وہ خود ہی اس کے لئے پہنچ دین جائے۔ ضرغام بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے تم پر اعتماد ہے۔" میں سے آواز آئی۔ "پار کر قابلِ اعتماد نہیں تھا ہوں کہ راہل ہی سے یہ کام کیوں نہ لیا جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ بھی فریدی کے خون کا پیسا ہے۔ لیکن میں ابھی اس کے متعلق غور کر رہا ہوں۔ فرض کرو اگر پولیس راہل کے ذریعہ ہم تک نہ پہنچ سکی تو.... کیا ہو گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" ضرغام بولا۔

"فریدی کے الفاظ یاد کرو.... اس نے یہی کہا تھا کہ راہل ایک بفتے سے زیادہ آزاد نہیں رہ سکتا۔ ممکن ہے کہ اس نے ٹھیک ہی کہا ہو۔ اگر وہ راہل کے ذریعہ ہمارا پتہ نہ لگا سکتا تو اسے پھر گرفتار کر لے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی طرح اس سے رانکلوں کا راز اگلوانے میں کامیاب

"ضرغام.... پہلے پار کر تھا.... اس کے علاوہ اور کوئی کچھ نہیں جانتا۔"

"تم کام کے آدمی ہو۔" حید نے اس کی پیشانی سے ریو اور ہٹالیا۔

"میں پھر ملوں گا۔" لوٹرنے کہا اور موڑ سائکل اسٹارٹ کر دی۔ پھر حید کے چہرے کے قریب اپنچہرے لے جا کر بولا۔ "روشنی سے ہوشیار ہنا آفسر۔"

حید نائٹ میں آکیا۔ موڑ سائکل کی آواز آہستہ دور ہوتی جا رہی تھی۔

ایک عجیب حادثہ

رجی امپورٹرز کے دفتر کے بالائی کمرے میں ضرغام اسی مشین کے سامنے کھڑا تھا۔ جس کے ذریعہ اس کے نہ اسراہ باس کے احکامات اس تک پہنچتے تھے۔

"تو تمہیں یقین ہے کہ فریدی غائب ہو گیا۔" میں سے آواز آئی۔

"بھی ہاں.... میں تحقیق کر چکا ہوں۔ وہ گھر پر نہیں ہے اور نہ آفس جاتا ہے۔" ضرغام نے کہا۔

"بہت بُری علامت ہے ضرغام۔" میں سے آواز آئی۔ "جب وہ اپنکے لانپتہ ہو جائے تو میں سمجھو کر وہ تمہارے سر پر سوار ہے۔"

"میں اس کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔" ضرغام نہیں کر بولा۔ "لیکن میں بھی غالباً کیوں نہیں پر ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے تم پر اعتماد ہے۔" میں سے آواز آئی۔ "پار کر قابلِ اعتماد نہیں تھا کیونکہ یہ تو قوف تھا اور تم مسٹر ضرغام ایک تراشے ہوئے ہیرے ہوں ہو سکتا ہے کہ بھی دوسرے اسی مشین پر تمہاری آواز سنیں۔"

"قدرت دانی کا شکر یہ۔ آپ ہی نے مجھے روشنی بخشی ہے۔" ضرغام نے کہا۔

"راہل اپنے ساتھیوں کی موت پر رنجیدہ ہے۔"

"میں مجبور تھا.... باس.... اگر وہ پکڑ لے جاتے....!"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔ میں اس نے تمہیں تراشا ہوا ہیرا کھاتا ہوں۔ مگر دیکھو ضرغام۔"

ہو جائے۔“

”رہاں پڑھے بآس۔“ ضرغام نے کہا۔ ”وہ بھی نہ اگلے گا۔“

”مجھے افسوس ہے کہ تم فریدی سے واقف نہیں۔۔۔ ارے اس کم جنت کے طریقے برے سائنسیک ہیں۔ وہ ایسی اذیتیں دیتا ہے جو قانوناً اذیتیں نہیں ہوتیں لیکن مجرم حق پڑتا ہے۔ وہ اسے جذباتی بیجان میں بٹلا کر کے اس کے ذہن کو اس نقطے پر لے آتا ہے جہاں سے پاگل پنکی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں۔“

”آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔“

”اچھا تو سنو۔۔۔!“ مشین سے آواز آئی۔ ”رہاں کو مردہ یا زندہ پیش کرنے والے کے لئے حکومت کی طرف سے دس ہزار کے انعام کا اعلان کیا گیا ہے ہے یہ عزت رکبی اپورٹرٹ کافی کیوں نہ حاصل کرے۔“

ضرغام سٹائل میں آگیا۔ اس کے جڑے ڈھیلے پڑ گئے اور وہ عجیب نظروں سے مشین کی طرف دیکھنے لگا۔

”کچھ دیر خاموشی رہی پھر مشین سے آواز آئی۔“ کیا سوچنے لگ۔“

”بھی۔۔۔ کچھ نہیں! بہت مناسب ہے۔“

”اوہ نہہ! تم شاید بچپار ہے ہو۔“

”نہیں بآس۔۔۔ ایک ہفتہ پورا ہونے سے قبل ہی میں اسے ٹھکانے لگادوں گا۔“

”مگر سنو! احتیاط سے۔۔۔ وہ بھی کم نہیں ہے۔“

”سب ٹھیک ہو جائے گا بآس۔“ ضرغام نے ہنس کر کہا لیکن اس کی پیشانی پر تھر کی گہری لکریں تھیں۔



تمن دن سے حمید روشنی کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ اس پر ہزار جان سے عاشت ہو گیا ہے۔ اس وقت بھی وہ دونوں یقینی سا پیریں میں بیٹھے کافی بی رہے تھے۔

”روشنی ڈیزیرٹ! میں براخوش نصیب ہوں کہ تم مجھے مل گئیں۔۔۔ ورنہ۔۔۔ جانتی ہو کیا ہوں۔“

”کیا ہوتا۔۔۔!“

”کچھ بھی نہ ہوتا۔“

روشنی ہنس پڑی۔ ”تم خطرناک آدمی ہو۔“

”ہاں ڈارنگ۔۔۔ میں حکمہ سزاگ رسانی کا ایک آفسر ہوں۔“

”میرے۔۔۔! روشنی کی آنکھیں حرمت سے پھٹ گئیں۔“ ”تم نے پہلے کبھی کیوں نہیں بتایا۔“

”تم نے پوچھا ہی کب تھا۔“

”تب تو تم واقعی خطرناک ہو گے۔“

”ہاں ڈارنگ۔۔۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔“

”مجھے خیریہ پولیس کے آدمی ڈرا بھی اچھے نہیں لگتے۔“

”کیوں ڈارنگ۔۔۔!“

”بس یوں ہی! وہ بھی کسی سے پہلے خلوص بر تاذ نہیں کرتے۔“

”صرف مجرموں سے۔“ حمید نے کہا۔

”تمہیں کیا پڑتے کہ میں بھی مجرم نہیں ہوں۔“ روشنی اٹھلائی۔

”ہمئے۔۔۔ میں جاتا ہوں! تم نے لاکھوں کا سکون لوٹا ہو گا۔ ہزاروں کے دل چڑائے ہوں گے۔“

”بے کلی باتیں مت کرو۔“ روشنی نے گز کر کہا۔

”بے کلی باتوں کے لئے میں خاص طور سے مشہور ہوں۔“

”تمہارا عہدہ یقیناً بہت بڑا ہو گا۔“

”نہیں، بہت معمولی سا ہے۔ میں سار جنٹ ہوں۔“

”واقعی بے کلی باتیں کرتے ہو۔“ روشنی نے ہنس کر کہا۔

”کیوں۔۔۔!“

”سار جنٹ بچارے تو موڑ سائکل بھی نہیں خرید سکتے اور تم کیڈی لاک رکھتے ہو۔“

”ادھ۔۔۔ یہ تو ملکہ الزبتھ نے تختنادی تھی۔“

”کیوں فضول بکتے ہو۔“ روشنی ہنسنے لگی۔

”یقین کرو۔۔۔ میں اپنی بیوی کو بھی کہتا ہوں۔“

”بیوی۔۔۔!“ روشنی نے حرمت سے کہا۔ ”تم کہتے تھے کہ تم کنوارے ہو۔“

”میں تمہیں سمجھا دوں گی کہ تم ایک معمولی سار جنٹ نہیں ہو۔“
و فتح حید کے ذہن میں ایک دلچسپ خیال سراہمار نے لگا۔ اس نے سوچا کہ اسے ضرور گھر
مانا چاہئے۔ وہ دونوں چل پڑے لیکن راستے میں اچانک شاندار روشنی نے اپنا راہ بدل دیا۔
”میں نہیں جاؤں گی۔“ اُس نے منداں کر کہا۔

”کیوں؟“
”تم اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔“

”اوہ تو کیا تم صرف اچھے آدمیوں کے گھر جاتی ہو۔“ حید کا الجھ طنزیہ تھا۔
”میرا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔ مت پریشان کرو۔“

”بھر کیا کروں۔“ حید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔
”بجھے اگلے بس اسٹینڈ پر اتار دو۔ میں گھر جاؤں گی۔“

”اوہو... میں پہنچائے دیتا ہوں۔ تم بس پر جاؤ گی۔ جھی چھی۔“
”نہیں میں تمہیں اپنا گھر دکھانا نہیں چاہتی۔“

”شوہر خواہ ہو گا۔“

”میا بکتے ہو! میری شادی نہیں ہوتی۔“
”معاف کرنا مجھے پہلے سے معلوم نہیں تھا... ورنہ... میں...!“

”ورنہ... تم... کیا؟“ روشنی اسے گھورنے لگی۔

”بات یہ ہے کہ میں غیر شادی شدہ عورتوں سے عشق نہیں کرتا۔“
”بد تیزی ہو تم۔“ روشنی بگڑ گئی۔

”ہس لئے نہیں کرتا۔“ حید اس کا جملہ نظر انداز کر کے بولا۔ ”کہ وہ شادی پر آئندہ ہو جاتی ہیں۔“
”شٹ اپ...!“

”اب اگر تم مجھ سے نہ ملو تو مجھ کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ دیے تم نے مجھے دھوکا دیا۔“
”کیا مطلب....؟“ روشنی یک بیک چوک کر بولی۔

”یہی کہ تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کنواری ہو۔“
”میں چنان ماردوں گی۔“

”میں اب بھی بھی کہتا ہوں۔“
”تم مجھے پریشان مت کرو۔“
حید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس لڑکی سے کس طرح پیش آئے لوگوں اس سے اس
دوران میں برابر ملتا رہا تھا اور اس سے اسے بیتیری کام کی باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ لیکن روشنی کے
متعلق اتنا ہی بتا سکا تھا کہ وہ خاص طور پر اس کے پیچے لٹکائی گئی ہے....؟ اس کا مقصد حید کی
نظر وہ میں بھی تھا کہ رمی امپورٹر زوالے فریدی کا سراغ چاہتے ہیں اور اب اس وقت جب اس
نے کیڈی لاک کی بات چھیڑی تو اسے بالکل یقین ہو گیا۔ وہ چند لمحے تسلیخ آمیز انداز میں اس کی
آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔

”میں دنیا کا بد قسمت ترین آدمی ہوں۔“
”تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔“ روشنی نے کہا۔
”یہی تو مصیبت ہے۔“ حید نے اسامانہ بتا کر بولا۔ ”میری باتیں ہی میری ناکامی کا باعث ہیں
اور اسی بناء پر آج تک میری شادی نہ ہو سکی۔“
”ابھی تو تم کہہ رہے تھے....!“

”سن تو! وہی بتانے جا رہا ہوں۔ ایک صاحب نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ خود کو ہمیشہ شادی
شدہ ظاہر کرو۔ ان کا خیال ہے کہ شادی شدہ آدمیوں سے لڑکیاں بہت جلد دستی کر لیتی ہیں۔....
اور محض یہ سمجھ کر اس کے قریب آ جاتی ہیں کہ وہ دوسرا بار حمات نہیں کرے گا۔“
”بکواس ہے۔“ روشنی بولی۔
”ہاں... تو گویا ان صاحب نے مجھے یوں قوف بیٹایا تھا۔“ حید نے کہا اور روشنی نے مسکراتے
ہوئے ابھیات میں سر ہلا دیا۔

”اچھا بھی میں انہیں یوں قوف بناوں گا۔“
”تمہارا گھر بھی بڑا شاندار ہو گا۔“ روشنی نے کہا۔
”ہاں.... کیوں نہیں.... دیکھو گی۔“
”ضرور.... بزرگوں کا قول ہے کہ جھوٹے کو جھوٹے کے گھر تک پہنچا دو۔“
”کیا مطلب....!“

"تینی عیب ہوتا ہے، کنواری عورتوں میں۔"
"کاڑی روک دو۔"
"میں تمہیں تمہارے گھر لے جا رہا ہوں۔"
"دیکھو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گی۔"
"پہلے کس، اچھی طرح پیش آئی تھیں۔"

روشی بے بی سے ہنس پڑی اور پھر فرم لجھے میں بولی۔ "دیکھو! مجھے ایک ضروری کام یاد آگئا ہے۔ ہم کل پھر آر لپچوں میں ملیں گے۔"

"نہیں! نہیں!" حمید سر بلاؤ کر یواں۔ "مجھے سے شریفانہ لجھے میں گنتشونہ کرو۔ کنواری ہونے کے باوجود بھی تم غے میں بڑی بھلی لگتی ہوں۔"

"کیا فائدہ کہ میں تمہیں کسی مصیبت میں پھنسا دوں۔" وہ زیج ہو کر یوں۔

"تم زیادہ سے زیادہ یہ کرو گئی کہ شور مچانہ شروع کر دو گی۔ میں ریڈی یو کھول دوں گا۔"
"خدا کے لئے تھک مت کرو۔"

"خدا کے لئے کسی کو تھک نہیں کرتا۔" حمید نے سنجیدہ صورت بنا کر کہا۔ "خدا کے لئے لوگ عبادت خانے بناتے ہیں۔ یقین خانے قائم کرتے ہیں اور دوسرا نیک کام کرتے ہیں۔"
"دیکھو! میں پھر کہتی ہوں۔"

"میں پھر سنتا ہوں۔"
روشی نے ایک بار پھر اسے قہر آکوڈ نظر دوں سے دیکھا مگر خاموش رہی۔ حمید کا ذہن قلا بازیاں کھارہاتھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیما برستاؤ کرے۔
"تو کیا یقین تھا جس جانا چاہتی ہو۔" اس نے پھر اسے چھپیرا۔

"مجھے سے بات نہ کرو۔"
"اچھا باب نہ بولوں گا۔"
"روکو گاڑی۔" دفعتا وہ هر سیائی المدار میں چیختی۔

حمید نے کیڈی روک دی اور وہ اسے قہر آکوڈ نظر دوں سے گھورتی ہوئی اتر گئی۔ حمید اسے ایک پتلی سی گلی میں مڑتے دیکھا رہا۔ پھر اس نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جبش دی اور دوبارہ چل پڑا۔

اس دوران میں حمید کی عادت سی ہو گئی کہ وہ روزانہ کم از کم ایک بار جاوید بلڈنگ کی طرف سے ضرور گزرتا تھا۔ جاوید بلڈنگ جہاں رائل کی کمین گاہ تھی۔ اس کا مقصد دراصل یہ تھا کہ کسی طرح اسے فریبی پر سبقت حاصل کرنے کا موقع مل جائے۔
آج بھی اس نے خوب عادت کیڈی کا رخ جاوید بلڈنگ کی طرف موڑ دیا۔



رات معقول سے زیادہ سرد تھی۔
رگی اپرورٹر کے نیجے ضرغام کی کارٹھیک اسی وقت جاوید بلڈنگ کے پاس پہنچی جب حمید اس کے سامنے والی تاریک گلی میں اپنی کیڈی بیک کر رہا تھا۔ گلی پاکل سنسان تھی۔ اس نے کیڈی کھڑی کر دی۔ پچھے دری اگلی ہی سیٹ پر بیٹھا رہا اور جاوید بلڈنگ کے بار کی طرف دیکھتا رہا جہاں دو تین آدمی اپنے سامنے بو تلیں اور گلاس رکھے ہوئے اونگھے رہے تھے.... پھر وہ بے آہنگی پہنچی نشست پر چلا گیا۔ کیڈی کے اگلے حصے پر سرک کی روشنی کا عکس پڑ رہا تھا اور بیتھے حصے تاریکی میں تھا۔ حمید پر اگر بروں کی نظر پڑتا محال تھا۔
حمدیکی نظریں ضرغام پر جھی رہی۔ وہ بار میں نہیں داخل ہو۔ وہ اپنی کار میں بیٹھا شانکر کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

تحوڑی دیر بعد ایک آدمی بار سے نکلا۔ اس نے الشرپین رکھا تھا اور اس کی فلت ہیئت کا کوئہ پیشانی پر بھکا ہوا تھا۔ اچانک ضرغام کی کار سے ایک شعلہ سا پکا اور ساتھ ہی بار سے برآمد ہونے والا آدمی جیچ کر پیچھے ہٹ گیا وہ اپنا بیالیں بازو داہنے ہاتھ سے دبایے ہوئے تھا۔ قل اس کے کہ وہ سمجھتا ضرغام کی کار فرائی بھرتی ہوئی ایک طرف نکل گئی۔ جیچ سن کر بار کے اندر پیٹھے ہوئے لوگ باہر کی طرف بھاگے۔

اور وہ آدمی بھاگتا ہوا اس تاریک گلی کی طرف آ رہا تھا۔ جہاں حمید نے کیڈی کھڑی کر کی تھی۔ ایک لمحے کے لئے وہ تھنکا پھر اس نے کیڈی کا... اگلا دروازہ کھول کر چلا گاں لگائی۔
"سرے لمحے میں وہ اگلی سیٹ پر تھا اور کیڈی گلی سے نکل رہی تھی۔"

حمید چپ چاپ دونوں سینوں کے درمیان دکارہ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ اتنی جلدی میں اور اتنے غیر متوقع طور پر ہوا تھا کہ حمید کو کچھ سوچنے یا عمل کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ اور

اب دیکے رہنے کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا.... اس نے ضر غام کو صاف پہچانا تھا.... اور اس نے "شعلہ بھی دیکھا تھا۔ شاید ضر غام نے سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے گولی چلانی تھی۔ اس نے قرب وجوار کے لوگ صرف زخمی ہونے والے کی چیخ سن سکے تھے۔

اور وہ زخمی آدمی اس وقت بھی آہستہ کراہ رہا تھا اور اس کی آواز کسی زخمی بھیڑیے کی غراہٹ سے بہت مشابہ تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس نے یہ آواز پہلے بھی کبھی سنی ہے۔ اچانک اس کا ہاتھ جب کی طرف گیا کیونکہ یہ آواز یقیناً رائل کی تھی.... ریوالر کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط تھی لیکن وہ کچھ اور بھی سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ آخر ضر غام نے رائل پر گولی کوں چلانی۔ ظاہر تو وہ دونوں ایک ہی تھیں کے چند بے معلوم ہوتے تھے۔ حمید نے ریوالر کو جیب تن میں پڑا رہنے دیا.... رائل بڑی تیزی سے کبھی کو آگے بڑھا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے ضر غام کی کار کو جالیا۔ پھر وہ اس سے آگے نکل گیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ ضر غام کی کار زیاد پیچھے نہیں ہے۔ اچانک رائل نے کبھی کو دیہنی طرف موڑ کے پورے بریک لگادیے۔ دوسری طرف بھی چڑھاہٹ کی آواز سنائی دی اور ضر غام کی کار پھسلتی ہوئی شائد کبھی سے ایک فٹ کے فاصلے پر رک گئی.... یہ سب اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ شائد ضر غام کو سنبھلنے کا موقع بھی ان ملا۔.... رائل کا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکلا.... فائر ہوا.... اور گولی ضر غام کی کار کی وڈا اسکرین کو توڑتی ہوئی اس کی پیشانی پر لگی.... ضر غام جیخ مار کر الٹ گیا۔ رائل کو اپنی کامیابی کا اتنا لیکن تھا کہ اس نے یچے اتر کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارانہ کی۔ اس نے نہایت اطمینان سے کبھی موڑی اور شہر کی طرف چل پڑا اب حمید کی باری تھی۔ اس نے جیب سے ریوالر نکلا اور رائل کی گردان پر رکھ دیا۔

"بس چپ چاپ چلتے رہو۔" حمید ہماری ہوئی آواز میں بولا۔ "اگر مژ کر دیکھنے کی زحمت گوارا کی تو پھر خود سے گردان نہ موڑ سکو گے.... جہاں میں کہوں میری گاڑی چھوڑ کر اتر جانا۔"

"تم کون ہو؟" رائل نے سکھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ایک ایسا آدمی جس نے ابھی تمہیں اسکے کریم کھلاتے دیکھا ہے۔"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ میرے بھائی۔" رائل کی آواز میں نرمی تھی۔

"میں ایک بلیک میڈر ہوں۔" حمید نے کہا۔ "اور اس قتل کے سلسلے میں تمہیں میرا منہ بند رکھنے کے لئے کافی رقم خرچ کرنی پڑے گی۔"

رائل نے پلاکا ساق تھیہ لگایا اور کچھ بولے بغیر کارڈ رائیو کرتا رہا۔ ایک جگہ حمید نے اسے کار رونے کو کہا۔

"بس ٹھیک۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "اب چپ چاپ اتردا اور پانچ گز کے فاصلے پر منہ پھیر

کر کھڑے ہو جاؤ۔ میں نے تمہارا ریوالر جیب سے نکال لیا ہے۔ اس لئے کوئی حرکت بے کار ہو گی۔ پچھے مژ کر دیکھ ل۔" رائل اتر گیا۔ وہ ہدایت کے مطابق منہ پھیرے کھڑا رہا اور کبھی فرائٹ بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

خونی کمرہ

دوسری صبح سارجنٹ حمید نہ ضر بہت زیادہ چاق و چوبنڈ دھمکائی دے رہا تھا بلکہ خود کو ایک ذمہ دار آدمی بھی سمجھ رہا تھا۔ اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے چہرے پر سمجھ دی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ پھر پاپ سلاکا کر اس آرام کر سی میں گر گیا جس پر فریدی عموماً بیٹھا کرتا تھا۔ اس نے فریدی ہی کی طرح ہونٹ سکوڑے اور پیشانی پر ٹکنیں ڈال کر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اخہائی اور اس کی ورق گردانی کرتا رہا۔ اسے دراصل سن سٹ ریستوران کے فون کی تلاش تھی جو اسے جلد ہی مل گیا۔

دوسرے لمحے میں ریسیور اس کے ہاتھ میں تھا۔

"تیلو! سن سٹ ریستوران....!"

"جی ہاں.... آپ کون ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں اور وہاں سے لکھن چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جلدی کرو۔" حمید بولا۔ "جلدی سے کمکٹ کر دو۔ بہت ضروری ہے۔"

"آپ کون ہیں؟"

"پھر وہی بکواس۔" حمید گرج کر بولا۔ "جلدی کرو گدھے کہیں کے۔"

"ٹھہریے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ تھوڑے عرصے کے بعد حمید نے پھر ریسیور

میں آواز سنی اور اسے آواز پہچاننے میں دشواری نہ ہوئی۔ یہ رالی قہا۔

”غالباً تم بول رہے ہو۔“ حید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”بچپن رات کی تفریح کیا ہے تو۔“

جواب میں حید کو بلکل سی غراہست سنائی دی۔ پھر رالی بولا۔ ”تم ہو۔“

”ہاں میں ہوں! اور صرف ایک لاکھ میں معاملہ طے ہو سکتا ہے۔“ حید نے کہا۔

”ضرور ضرور...!“ رالی نے تفہیہ لکایا۔ ”میں تمہیں کچھ پہچان رہا ہوں۔“

جواب میں حید نے بھی تفہیہ لکا کر کہا۔ ”قیامت تک نہیں پہچان سکتے۔“

”میں تمہیں اچھی طرح پہچان چکا ہوں۔“ رالی غریباً۔ ”پتہ نہیں اب تو کیا کرنا چاہتا ہے۔“

البتہ اتنا جانتا ہوں کہ تو جس کو اپنی راہ کا کاشٹا سمجھنے لگتا ہے اسے یا تو اپنے الفاظ میں طویل رخصت

پر پہنچا دیتا ہے یا وہ طریقہ اختیار کرتا ہے، جو تو نے بچپن رات کو اختیار کیا تھا۔ کیا تو مجھے اتنا ہی بنا کیوں کے سلسلے میں روپوشی کے بعد اس سے رابطہ قائم نہیں رکھتا تھا۔

”تو ہوڑی دیر تک غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر خود بلڈ گنگ پر ضرور چھپا مارنا سمجھتا تھا کہ ایک جھینگر کے ہاتھوں مار لیا جاتا... دیکھ گیدڑیں شیر ہوں۔ بلیک میل کرنے کے

بہانے تو مجھ سے دور قبیل وصول کرنا چاہتا ہے جواب مک مچھے دے چکا ہے۔ شاہد تو ضرغام سے

بھی چیچھا چھڑانا چاہتا تھا! اس کے پیچھے گیا تھا اگر میں مارا جاتا تو تو اسے بھی ٹھکانے لا جلد قابو پانی اشد ضروری ہے۔ درندہ اگر ان دونوں میں سے ایک بھی مارا گیا تو ساری محنتوں پر پانی

دیتا.... اچھا تو اے گیدڑ سن! تیرے خاس آدمی تیری شخصیت سے واتف نہیں.... لیکن میں بھر جائے گا۔

تجھے پہچان گیا ہوں اور اب تو میری مٹھی میں ہے۔“

”بکواس بند کر! ذلیل کیڑے۔“ حید بڑے ڈرالی انداز میں چیخا۔ ”تیرے فرشتے بھی جو اپنے بھگکے مختلف لوگوں سے گفتگو کر رہا تھا۔

تک نہیں پہنچ سکتے۔“

”میں پہنچ گیا ہوں۔“ رالی نے تفہیہ لکایا۔ ”میں کل رات جس میک اپ میں تھا اس میں مجھے صرف ایک آدمی پہچانتا ہے اور وہ آدمی ضرغام نہیں تھا۔“

”بکواس ہے۔“ حید نے بھی تفہیہ لکا کر کہا۔ ”اچھا بتا ہی دے میں کون ہوں۔“ اسے ہم

رالی کا قوچہ سانائی دیا اور ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حید کو بڑی مایوسی ہوئی لیکن اس کا دل دھڑک رہا تھا.... یہ اس کی بڑی کامیابیوں میں۔ لیکن دفتر والوں کے لئے وہ بالکل اجنبی تھا۔ ان میں شاید کسی نے اس سے پہلے اس کی خلیل بھی

ایک تھی۔

”تو ہوڑی دیر بعد سرجنٹ ریمش نے اسے فون پر اطلاع دی کہ پولو گراؤنڈ کے آگے ایک کا۔“ اس نے تو ہوڑی دیر تک ضرغام کے کمرے میں بیٹھ کر کچھ کاغذات دیکھے۔ پھر وہاں سے نکل

میں رگبی اپورٹر ز کے نئے میجر کی لاش پائی گئی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ گولی سامنے سے چلائی گئی کہ باکٹی کی طرف چل پڑا جہاں چوتھی منزل پر جانے کے لئے لفت گئی ہوئی تھی۔ اس لفت کی

تھی، جو دنہا سکرین کو توڑ کر اس کے سر پر گئی۔

جید بہت زیادہ مضطرب تھا وہ سوچ رہا تھا کہ رالی بتاتے بتاتے رہ گیا اور وہ شاہد اس طرح فون پر کبھی نہ بتاتے گا۔ اسے بڑی شدت سے فریدی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک پلان تھا لیکن دشواری یہ تھی کہ وہ فریدی کی مرضی کے بغیر اسے عملی جامنہ نہیں پہنچا سکتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ رالی کو گرفتار کر لیا جائے چونکہ اسے اس آدمی کی طرف سے چوتھو چکی ہے جس کے لئے وہ کام کر رہا تھا لہذا وہ جلاہٹ میں نہ صرف اس کا نام اگل دے گا بلکہ یہ بھی بتادے گا کہ وہ اب تک اس سے کیا کام لیتا رہا ہے۔

اسے اب فریدی پر غصہ آنے لگا۔ اسے اس کی یہ بھیشہ گراں گذرتی تھی کہ وہ اپنے

کیوں کے سلسلے میں روپوشی کے بعد اس سے رابطہ قائم نہیں رکھتا تھا۔

”تو ہوڑی دیر تک غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر خود بلڈ گنگ پر ضرور چھپا مارنا سمجھتا تھا کہ ایک جھینگر کے ہاتھوں مار لیا جاتا... دیکھ گیدڑیں شیر ہوں۔ بلیک میل کرنے کے

بہانے تو مجھ سے دور قبیل وصول کرنا چاہتا ہے جواب مک مچھے دے چکا ہے۔ شاہد تو ضرغام سے

بھی چیچھا چھڑانا چاہتا تھا! اس کے پیچھے گیا تھا اگر میں مارا جاتا تو تو اسے بھی ٹھکانے لا جلد قابو پانی اشد ضروری ہے۔ درندہ اگر ان دونوں میں سے ایک بھی مارا گیا تو ساری محنتوں پر پانی

دیتا.... اچھا تو اے گیدڑ سن! تیرے خاص آدمی تیری شخصیت سے واتف نہیں.... لیکن میں بھر جائے گا۔

اس نے بڑی خود اعتمادی کے ساتھ رسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسرا لمحے میں

”بکواس بند کر! ذلیل کیڑے۔“ حید بڑے ڈرالی انداز میں چیخا۔ ”تیرے فرشتے بھی جو اپنے بھگکے مختلف لوگوں سے گفتگو کر رہا تھا۔

✿

”میں پہنچ گیا ہوں۔“ رالی نے تفہیہ لکایا۔ ”میں کل رات جس میک اپ میں تھا اس میں

اس کی جگہ پر کام کے کرنے کے لئے ایک اجنبی نے دفتر میں قدم رکھا۔

”بکواس ہے۔“ حید نے بھی تفہیہ لکا کر کہا۔ ”اچھا بتا ہی دے میں کون ہوں۔“ اسے ہم

رالی کا قوچہ سانائی دیا اور ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حید کو بڑی مایوسی ہوئی لیکن اس کا دل دھڑک رہا تھا.... یہ اس کی بڑی کامیابیوں میں۔ لیکن دفتر والوں کے لئے وہ بالکل اجنبی تھا۔ ان میں شاید کسی نے اس سے پہلے اس کی خلیل بھی

ایک تھی۔

”شاید آپ مذاق فرمارے ہیں۔“ شیام نے جلدی سے کہا۔
”نہیں مسٹر شیام میر امذاق تو موت سے شروع ہوتا ہے اور موت ہی پر ختم ہو جاتا ہے۔“
”پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ شیام دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا اُس نے جھپٹ کر پینڈ گھانے کی کوشش کی لیکن اس میں جبکش نہ ہوئی۔

”بھاگو نہیں مسٹر شیام۔“ میشن سے طنز میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔ ”یہ پورا کمرہ کل پر زوں پر ہے۔ بن دباتے ہی دروازے پر تالاگ گیا ہے، جواب باہر ہی سے کھل سکتا ہے اور لفٹ جو تمہیں اور لائی تھی نیچے چلی گئی۔“

”آپ پتہ نہیں کیسی بھکی بیکن باتیں کر رہے ہیں۔“ شیام نے کہا۔
”نہیں مسٹر فریدی۔“ میشن سے آواز آئی۔ ”اس کمرے میں میرے مخبروں کے علاوہ اور کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ دوسرا کی سزا ہر حال میں موت ہے۔“

شیام نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے تیزی سے اپنا سوت کیس کھولا اور اس کی ساری چیزیں اٹھ پلت ڈالیں۔

”سناؤ میرے بیٹے۔“ فریدی نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ اس نے نہایت اطمینان سے اپنے ہونٹوں میں سگار و بالیا تھا اور اب اسے سلاگنے جا رہا تھا۔
”تمہاری بدولت میرا بڑا نقسان ہوا ہے۔“

”اور اب آخری اور سب سے بڑے نقسان کے لئے تیار ہو جاؤ۔“ فریدی نے کہا۔
”بہت اچھے۔“ میشن سے تھقہہ بلند ہوا۔ ”تاوان لڑکے تمہیں کوئی وصیت تو نہیں کرنی ہے۔“
”وصیت تو نہیں بلکہ ایک پیشیں گوئی کرنی ہے۔“ فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔ ”وہ یہ کہ میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے ہھکڑیاں لگاؤں گا۔“

”کیا تم اس مل بوتے پر کہہ رہے ہو کہ تمہیں میرے آر گناہ زیشن کا علم ہو گیا ہے۔ سنو ہجولے لڑکے.... آر گناہ زیشن تو بننے بگلوتے رہتے ہیں لیکن اس کا خالق یعنی میں تمہاری دڑک سے بہت دور ہوں۔ مجھے پانے کی خواہش چاند کیلئے ہمکنے سے زیادہ و قعٹ نہیں رکھتی۔“
”تم بیری جیب میں رکھے ہوئے ہو۔“ فریدی نے پر سکون لجھے میں کہا۔
”مشین سے پھر تھقہہ بلند ہوا۔“ تمہاری باتیں دلچسپ ہیں۔“

چابی ہمیشہ مخبر ہی کے پاس رہتی تھی اور آفس والوں کا خیال تھا کہ چوتھی منزل پر شاید مخبر را کے آرام کرنے کا کرہ ہے۔ ویسے وہ کمرہ ان کے لئے بُر اسرار ضرور تھا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی آج تک اُسے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ لفت ہمیشہ مغلل رہتی تھی اور اُسے مخبر کے علاوہ اور کوئی استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

تحوڑی دیر بعد یا فجر اسی مشین کے سامنے متوجہ کھڑا تھا۔
”کیا تم ہو مسٹر شیام....!“ مشین سے آواز آئی۔
”جی ہاں....!“
”تمہیں نمبر چار میں ہدایات میں ہوں گی۔“

”جی ہاں....!“ شیام نے کہا۔
”تم ضرغام کی گلہ پر کام کرو گے۔ کافی ذہین آدمی تھا۔ لیکن ذرا جلد باز تھا۔ بہر حال مجھے اس کی موت پر صدمہ ہے۔“

نیا فیبر خاموش کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد مشین سے پھر آواز آئی۔ ”ضرغام نے اپنے کانفذات اور نقشے بروی ذہنات سے مرتب کئے تھے۔ تم اُنہیں دیکھ کر ہی سب کچھ سمجھ لو گے۔“
”مجھے تمہارے متعلق اطلاع ملی ہے کہ تم بھی بہت تجربہ کار آدمی ہو۔“

”قدروانی ہے جتاب کی۔“ شیام نے کہا اور سوت کیس فرش پر رکھ دیا جسے اس نے اپنی کم ہاتھ میں ہی لٹکار کھا تھا۔

”اچھا سنا و سب سے پہلے تم رہل کو ٹھکانے لگادینے پر زور دو گے۔“ یہ بہت بُر اہوا کا اپنے حملہ آوروں کی شخصیت کا علم ہو گیا۔... وہ جاوید بلڈنگ کی چوتھی منزل کے پانچوں قلبہ میں مقیم ہے.... اود کیا.... ذرا ٹھہر و.... ایک منٹ۔“

مشین سے آواز بند ہو گئی۔ شیام بدستور کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔
”مسٹر شیام کیا تم نے دروازہ بند کر دیا ہے۔“
”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ شیام اپنے غسل خانے میں بیویش پڑا دیکھا گیا ہے اور اُسے کم رح ہوش ہی نہیں آ رہا تھا۔“

تحوڑی دیر بعد دھواں پھر مشین کے اسی سوراخ میں داخل ہو رہا تھا جس سے نکلا تھا۔ وہ منٹ کے اندر کمرے کی فضاضاف ہو گئی.... اور پھر کھٹا کے کی آواز کے ساتھ دیوار برابر ہو گئی۔ فریدی نے گیس ماسک اٹار کر سوٹ کیس میں بند کر دیا۔ اس کے ہونٹوں پر تمثیر آمیز سکراہٹ تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔ لیکن ایک گھنٹے تک سرمانے کے باوجود بھی وہ نہ بھل سکا۔

آخر فریدی نے اس کا خیال ہی ترک کر دیا.... اس نے سگار سلکا یا اور دیوار سے ٹیک لگا کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اُسے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے لئے ضرور آئے گا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ یہ کام رات کو سر انجام دیا جائے۔



سر جنت حمید نے جاوید بلڈنگ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ کچھ لوگ نامنے سے چوتھی منزل کے

پانچویں فلیٹ کے سامنے بیٹھ گئے تھے اور کچھ لوگ جن کی رہنمائی سر جنت حمید کر رہا تھا من سب ریستوران میں گھس پڑے تھے۔ ریستوران کا مالک چینچا پیٹتا ہی رہ گیا لیکن سر جنت حمید ٹھیک اس جگہ بیٹھ گیا جہاں سے ایک پوشیدہ لفت چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ تک پہنچنے کا ذریعہ تھی۔

لیکن چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ پر بیٹھ کر نہیں بڑی مایوس ہوئی۔ کیونکہ وہاں پدرہ میں بکریاں بڑے پر سکون انداز میں کھڑی جگائی کر رہی تھیں اور فرش پر میگنیوں کے ڈھیر تھے.... رہاں یا اس کے ساتھیوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

پھر پوری بلڈنگ پچھاں ڈالی گئی مگر نتیجہ مایوسی۔

حمید کو بڑا تاؤ آیا.... وہ ریستوران کے نیجر پر پرس پڑا۔

آخر اس پوشیدہ لفت کا کیا مطلب ہے۔ ”اس نے اس سے پوچھا۔

”جناب والا.... یہ کوئی جرم تو نہیں۔ اُس نے نہایت اوب سے کہا۔ ”میری بکریوں کو

نیزے طے کرنے میں دھواری ہوتی تھی لہذا میں نے لفت کا انتظام کر لیا۔“

”قطی بکار بات۔“ حمید جھچلا کر بولا۔ ”بکریوں کیلئے لفت کے مصارف.... لغو.... فضول۔“

”اب جناب شوق ہتی تو ہے۔“ نیجر نے کہا۔ ”اگر میری بکریاں کہیں تو میں اپنا لکیجہ بھی نکال کر انہیں کھلا سکتا ہوں۔ میں تواب ان کے سینگوں کے لئے سونے کے خول بنوار ہوں۔ یہ بات

”لیکن میرے دوست....!“ فریدی نے کہا۔ ”میں وہاں نہیں جا سکتا جہاں پار کر کر ضرر نہ گئے ہیں اور غالباً وہ لڑکی لو سی بھی۔ میں تم جیسے ذلیل و طعن دشمنوں اور قوم فرشوں کے لئے نہ رہوں گا۔“

”تم مجھے قوم فروش کہہ رہے ہو۔“ مشین سے آواز آئی۔ ”حالانکہ میں ایک نہ مٹھے والی نہ تغیر کا پروگرام لے کر میدان میں آیا ہوں۔“

”یہ تم کہہ رہے ہو ذلیل کیڑے۔“ تم ایک جنگ باز ملک کے ایکٹوں کے ہاتھ بک گئے ہو جو بھولے بھالے قبائلیوں کو بغاوت پر اکسا کر انہیں اسلحہ سپائی کر رہے ہو۔ کیا تمہیں یقین کہ تم میرے ہی ہاتھوں کتوں کی موت نہ مرد گے۔“

”خاموش رہو بد تیز....!“

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”چپ رہو۔“ مشین سے آواز آئی۔ ”مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ میرے پاس وقت کم ہے۔“

”میں نے بھی وقت کی کی ہی کی بناء پر یہاں تک پہنچنے میں جلدی کی ہے۔“ فریدی لاپرواہ سے بولا اور سگار کو فرش پر پھینک کر اُسے جو تے سے مسل دیا۔

وفقاً مشین کے ایک سوراخ سے دھوئیں کی ایک تپی سی لکیر نکل کر بل کھانے لگی۔ فریدی نے جھپٹ کر سوٹ کیس سے گیس ماسک (گیسوں سے محفوظ رہنے والا نقاب) انکال لیا۔

”اب دیکھو تم ایک کتے کی طرح مر جاؤ گے۔“ مشین سے قہقہے کے ساتھ آواز آئی۔

”دوسرے لمحے میں فریدی گیس ماسک کو اپنے چہرے پر چڑھا چکا تھا۔ کمرے میں دھواں بھرنے لگا تھا۔ فریدی نے خواہ خواہ کھانتا اور کراہنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ زمین پر بھی ٹھٹھ رہا تھا۔

”اب بتاؤ کون مر رہا ہے۔“ مشین سے آواز آئی۔

”ارے چاڑا!“ فریدی گھٹی گھٹی سی آواز میں چیختا۔ ”میں مر ا...!“

”وہ برابر کھانتا رہا۔ کمرے میں دھواں اچھی طرح بھر گیا تھا۔ مشین سے قہقہے بلند ہو رہے۔ کھانتے کھانتے فریدی کی آواز مضھل ہوتی تھی۔ اور پھر اس نے اس طرح فرش پر پیدا جیسے دگر گیا ہو.... اور پھر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔“

آپ کے لئے اور مصلحہ خیز ثابت ہو گی۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو ان کے گرم سوٹ بھی دکر سکتا ہوں۔ فریدی نے اس کا گلا گھوٹنا شروع کر دیا۔ اس نے جدو جهد کرنی چاہی تھیں جبکہ نہیں کر سکا۔ بہر حال وہ جلد ہی بیووش ہو گیا۔ فریدی اُسے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”بند کرو یہ بکواس...!“ حمید نے کہا۔ ”تم پولیس کی بلیک سٹ پر بہر حال ہو گے...!“ اس نے اس کی جھیں بٹوں کر دروازے کی کجھی تکالی اور اپنا سوٹ کیس سنپھالتا ہوا باہر نکل گیا۔ آفس میں قدم رکھتے ہی فریدی نے اپنا چہرہ ایسا بانیا جیسے وہ ابھی اسکر اٹھا ہو۔ کلر کوں ”وزرا ٹھہریے۔“ فیجر نہایت سعادت بندی سے بولا۔ ”میا پولیس کو میری بکریوں کی وجہ نے اُسے جرت سے دیکھا تھیں کسی نے کچھ کہا نہیں۔

”رہاں کل نکل سکیں تھا۔“ حمید نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ضرغام کے کمرے میں پہنچ کر اُس نے وہ الماری کھوی جس میں ضرغام کے مرتب کے سے کوئی تکلیف پچھا ہے۔“

”رہا ہو گا۔“ فیجر نے لا پروائی سے کہا۔ ”میں اسے پچھانتا نہیں۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے کہ یہاں تقریباً یہی منٹ بعد وہ ہونٹوں میں سگار دبائے اپنا سوٹ کیس سنپھالتے رہتے ہوتے دن بھر سینکڑوں آیا جاتا کرتے ہیں۔ لیکن میرے لئے اس کا خیال رکھنا مشکل ہے کہ آنے والے ہوئے کلر کوں کے سلام کا جواب سر کے اشارے سے دیتا ہوا سڑک پر آگیا۔ رہاں تھا یا کوئی پولیس آفیسر۔ ویسے اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور فرمائیے میں ہر ایک خادم ہوں۔“

فریدی کی واپسی

بہر حال حمید کو بڑی خفت کا سامنا کرنا پڑا۔ درجنوں آنکھیں اسے طنزیہ انداز میں گھور رہیں... اور وہ دل میں اپنا سر پیٹ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی اُسے نہ چاہنے کس حال میں پہنچا دے۔ حمید بڑی طرح اکتیا ہوا تھا۔ اس کی کجھی میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ پچھلے روز اسے رہاں کے معاملے میں بڑی خفت ہوئی ہوتی اگر ڈی۔ ایس۔ پی۔ بھی اس کا ہم خیال نہ ہو گیا ہوتا۔ ریستوران میں پوشیدہ لفٹ کی موجودگی مشتبہ تھی۔ ریستوران کا فیجر شبہ کی بناء پر حرast میں

فریدی نے سگار سلاکیا۔ وہ بڑی دیر سے کمرے کا چکر لگا رہا تھا اور اسے بیہاں مقید ہوئے۔“ لے لیا گیا تھا۔

حمد نہ لتا رہا۔۔۔ اپاک ایک نو کر کمرے میں داخل ہوا۔

”ایک ملا قاتی ہیں آپ کی۔“ فوکرنے شرارت سے مسکرا کر کہا۔

”ٹھاؤ۔“ حمید نے اسے قہر آکو نظروں سے گھور کر کہا۔۔۔ فوکر منہ بنا کر ہفتا ہوا چلا گیا۔

حمد نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر نائی کی گردہ درست کی۔۔۔ سر پر ہاتھ پھیرا اور

ڈرانگ روم کی طرف چل پڑا اور پھر وہاں روشنی کو دیکھ کر اس کی جھنجھلاہٹ اور بڑھ گئی۔

”دیکھو۔۔۔ میں نے تمہارا گھر ڈھونڈ لیا نا؟“ روشنی اٹھلا کر بولی۔

”کمال کر دیا تم نے تو۔۔۔ بھلا کیسے ڈھونڈا۔۔۔؟“

”میں پتہ لگایا۔۔۔ پتہ لگانے کے لئے تمہاری کیڈی ہی کا حوالہ دینا کافی ثابت ہوا تھا۔“

گھنے ہو چکے تھے۔ اس نے دوبارہ اس میں کوچھ پڑنا مناسب نہ سمجھا۔

ٹھیک ساڑھے تین بجے اُس نے دروازے کے تالے میں تجھی گھمانے کی آواز سنی۔ وہ پہلے

ہی سے اس کے لئے تیار تھا۔ اس نے پھرتی سے فرش پر لیٹ کر سانس روک لی۔ آنے والے کرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

چند لمحے چپ چاپ دروازے کے قریب کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا فریدی کے پار آیا اور پھر جیسے ہی وہ اسے دیکھنے کے لئے نیچے جھکا فریدی نے اس کی گروں پکڑ لی۔ دوسرا لمحہ میں وہ فرش پر تھا۔ فریدی نے اس کا منہ دبار کھا رہا اور وہ اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں خوف کی بجائے جرت تھی۔

”اوہ...!“ حمید ہنسنے لگا۔

”واقعی تمہارا مکان بڑا شاندار ہے۔“

”ہاں... آں...!“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”دیکھو گی۔“

”ضرور... ضرور...!“

”تو آؤ...!“

حمید نے اسے پورا گھر دکھایا صرف ایک کرہ باقی رہنے دیا جس میں فریدی کے پالتو ہر تھے۔ اس دوران میں حمید نے باتوں ہی باتوں میں روشنی کا پینڈ بیک اس کے ہاتھ سے لے لے اور اب وہ حمید کے ہاتھ میں تھا۔

”واقعی! تم لارڈوں کی طرح رہتے ہو۔“

”لیکن خدار! مجھ سے شادی کی درخواست نہ کرنا۔“ حمید نے کہا۔ ”ورثہ میرا بابا مارا میری کھالن گر اے گا۔“

”تم بہت بد تیز ہو۔“ روشنی پیشانی پر ٹکنیں ڈال کر بولی۔

”اوہ... معاف کرنا میں بھول گیا تھا... کہ تم کنواری ہو۔“

”میں جبار ہوں۔“ روشنی بھٹائی۔

”اچھا چھوڑو اب مذاق نہیں کروں گا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”آواب تمہیں اے عجائبات کا مجموعہ دکھاؤ۔“

دوسرے لمحے میں حمید اسے سانپوں کے کمرے میں لے جا رہا تھا۔

”چلو اندر چلو۔“ حمید نے دروازہ کھول کر اسے دھکا دے دیا۔ دروازہ روشنی کے پیچھے ہو چکا تھا۔ حمید اسے مقفل کر کے کھڑکی کے پاس آگیا۔ روشنی اندر سے بگزرا ہی تھی۔

”یہ کیا حرکت ہے۔“

”زرا پیچھے دیکھو۔“

روشنی نے پلٹ کر دیکھا درجی مار کر کھڑکی کی طرف بھاگی۔ درجنوں سانپ جالی کے گمراہ سے ریگ کر باہر آ رہے تھے۔ حمید نے اس کا پینڈ بیک کھول کر ایک چھوٹا سا پستول نکالا۔

”روشنی ڈار لگ کیا تمہارے پاس اس پستول کا لائسنس ہے۔“

”خداء کے لئے۔“ روشنی ستریائی انداز میں چھپی۔ ”مجھے باہر نکالو۔“

وہ سلا خیس پکڑ کر کھڑکی میں چڑھ آئی تھی اور پلٹ پلٹ کر ان سانپوں کی طرف دیکھ رہی تھی، جو فرش پر ریگ رہے تھے۔

”پار کر کہاں گیا؟“ حمید نے کہا۔ ”لوسی کہاں گئی... ضر غام کا کیا حشر ہوا۔ کیا تم ان سے لئے نہیں جاؤ گی۔“

”خداء کے لئے مجھے نکالو۔“

”تمہارا بابا کون ہے۔“

”میں نہیں جانتی۔“

”غیر تو میں چلا... جب یہ سانپ ناشتہ کر چکیں تو مجھے مطلع کر دیا۔“

”مہہر دو...!“ روشنی چھپی۔ ”میں سب کچھ بتا دوں گی۔ مجھے نکالو... خدا کے لئے۔“

دوپار سانپ کھڑکی کے نیچے بھی ریگ آئے تھے اور روشنی عنقریب بیوش ہو جانے والی تھی۔

”تو تم بتاؤ گی... ویسے تمہارا طمیان کر دوں کہ تم اس عمارت سے باہر نہ جا سکو گی۔“

”جو کچھ مجھے معلوم ہے بتا دوں گی۔“

حمدید نے دروازہ کھول دیا اور وہ جھپٹ کر باہر نکلی۔ حمید دروازہ دوبارہ مقفل کر کے جیسے ہی

”ڑا... روشنی نے اپنے بلاوز کے گریبان سے دوسرا پستول نکال دیا۔

”میرا پینڈ بیک میری طرف پھیک دو، ورثہ گولی مار دوں گی۔“

حمدید نے اس کا پینڈ بیک اس کی طرف اچھال دیا۔ جیسے ہی وہ اسے سنبھالنے کے لئے ایک

طرف بھی اس کی نظریں بہک گئیں اور دوسرے لمحے میں حمید اس کے اوپر تھا۔

”ہٹو چھوڑو... میں شور چاٹی ہوں۔“ روشنی پانچتی ہوئی چھپی۔

نوکر در کھڑے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے روشنی کے ہاتھ میں ریو اور دیکھ لیا تھا۔

”دروازے بند کر دو...!“ حمید نے ان سے کہا اور وہ چپ چاپ کھمک لے۔

حمدید روشنی کا پستول بھی چھین چکا تھا اور وہ نہ ھمال ہو گئی تھی۔

”لب بتاؤ۔“ وہ اسے بازوؤں میں انٹا کر کر سی پرڈا تھا ہوا بولا۔

”میں کچھ نہیں جانتی۔“

روشی سہی ہوئی نظر وں سے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”مگر....!“ فریدی نے سگار سلاکتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہیں ابھی پولیس کے رنگروٹوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ فی الحال تم میری بھی قید میں رہو گی اور وہ سرکاری حالات سے بہتر ہے۔“

”میں تم لوگوں پر جس بے جا کا مقدمہ چلا دوں گی۔ وہ پھر پھر گئی۔“

”خیال بُرا نہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ ”اسے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے لیکن تم عاشق کے فرائض نہیں انجام دو گے۔“

اور پھر روشنی کو اسی ستار بھی تھہ خانے میں منتقل کر دیا گیا جہاں بھی سر نخال سے جسمی معزز ہستیاں آرام کر چکی تھیں۔

توہڑی دیر بعد فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ ”تمہارا پرسوں رات والا کارنامہ قابل ستائش ہے لیکن کل تم نے راہل کی قیام گاہ پر چھاپ مار کر حماقت کا ثبوت دیا ہے۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہواں۔“

”میں تم سے پہلے سے وہاں موجود تھا اور اسی لگلی میں جہاں تم نے کیڈی کھڑی کی تھی اور جب راہل کیڈی کو ضراغام کے تعاقب میں لے جا رہا تھا تو میں کیڈی تھی میں موجود تھا۔“

”کہاں....؟“

”میں نے اپنی کھوٹی لی تھی۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن واپسی کے حالات مجھے نہیں معلوم کیونکہ میں ضراغام کی خیریت دریافت کرنے کے لئے اتر گیا تھا۔“

حمد نے واپسی کا واقعہ سنایا۔ فریدی بڑی دلچسپی سے ستارہا۔ بہرہاں وہ حمید کو تعریفی نظر وں سے دیکھ رہا تھا۔

”اور پھر میں نے۔“ حمید بولا۔ ”کل صبح راہل کو سن سٹ ریستوران کی وساطت سے فون کیا اور اس سے کہا کہ میں اسے بلیک میل کروں گا۔ وہ سمجھا کہ شاید میں وہی شخص ہوں جو اس سے ابھی تک کام لیتا رہا ہے اور اس کی باتوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھی اس نے اسرار آدمی کی اصلی شخصیت سے واقف نہیں ہے۔“

”یہ حقیقت ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس کے خاص آدمی بھی نہیں جانتے کہ وہ کون ہے وہ ایک عجیب و غریب مٹین کے ذریعہ ان تک اپنے پیغامات پہنچاتا ہے۔“

سر نخال کی خوفناک داستان کے لئے جاؤں دیتا کا پہلا خاص نمبر ”موت کی آندھی“ ملاحظہ فرمائیے۔

”تمہارا بابا کون ہے؟“

”نہ جانے تم کیا بک رہے ہو۔ میں ایسا نہ اق پسند نہیں کرتی۔“

”اوہ مجھے یہ بہت اچھا لگتا ہے کہ تم ایک پسول گریبان میں رکھتی ہو اور دوسرا بیک میں۔“

”میری مرضی۔“

”میں لا ٹسٹس دیکھنے کا مجاز ہوں۔“

”وہ گھر پر ہے۔“

”دو پسولوں کا لا ٹسٹس۔“ حمید طنزیہ لمحہ میں بولا۔

دفعہ روشنی کے چہرے کی حالت بدلتی گئی۔ وہ پہلے سے کچھ زیادہ دلیر نظر آنے لگی تھی۔

”کیسے... پسول تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ تم انہیں خواہ میرے سر تھوپنا چاہتے ہو۔“

پہلے مجھے گھر دکھانے کے بھانے بیہاں لائے۔ پھر زبردستی کرنی چاہی۔ میں نے اندر کیا تو اپ مجھے قانونی گرفت میں لینے کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں رگی امپور ٹرزر سے متعلق ہوں۔“

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو لڑکی۔“ برآمدے سے آواز آئی اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔... یہ

فریدی کی آواز تھی۔... دوسرے لمحے میں فریدی کمرے کے اندر تھا۔

پھر وہ حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”لب یہ کھیل ختم کرو، ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔“

”آپ اسے نہیں جانتے۔“ حمید نے کہا۔

”نہ میں جانا پاہتا ہوں۔“ فریدی خشک لمحہ میں بولا۔

”نیہ میری زندگی برباد کرنا چاہتا تھا۔“ روشنی آنکھوں پر روکا رکھ کر سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔“

پسول زبردستی میرے گلے لگانا چاہتا تھا۔ مگر دنیا میں انصاف بھی ہے سب اندھے نہیں ہوتے۔

”میں جانتا ہوں لڑکی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تم واقعی بہت نیک ہو۔ ضراغام کے چارجن

میں آنے سے پہلے تم نمبر چار کے مسٹر شیام کے لئے جلال آباد میں کام کر رہی تھیں اور تمہارا

پورا نام ریشل ایٹھکھو ہے۔ اب سے پانچ سال قبل تم پر زہر خوانی کا الزام لگایا گیا تھا۔... اور تم مسٹر

شیام کی جھوٹی شہادت کی بناء پر بری کردی گئی تھیں۔ اس وقت سے تم اس کی مٹھی میں ہو۔...

بولو... اور کچھ مذاوق۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ راہل کو شاید مشین کا حال بھی نہیں معلوم تھا۔“ حمید نے کہا۔
 ”میں ضر غام کی لاش دیکھنے کے لئے رک گیا تھا۔ حقیقتاً وہ اس وقت زندہ تھا۔ گولی اس کے سر کے اوپری حصے کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ بھیجا محفوظ تھا۔ اس نے تقریباً آدھے گھنٹے تک مجھ سے نکل گئی تھی۔ وہ اپنے آتا کے انتہائی طالمانہ رحمات پر جھلایا ہوا تھا اس لئے اس نے سب کو اگل دیا خود اس کی مرضی یہی تھی کہ راہل سے بکار نہ پیدا کیا جائے لیکن وہ حکم کی تعیل پر مجبر تھا۔ اس نے پار کر کی موت کے متعلق بھی بتایا جو کبھی اطمینان سے بتاؤں گا۔ مشین کاراز بھی اسی سے معلوم ہوا۔ نمبر چار کی حقیقت بھی اسی نے کھوئی۔ وہ مارڈن ایکٹرک پلائی کمپنی ہے۔ رنگی اس کے متعلق بھی فریدی کو بتایا۔ اپورٹر زوالے اسے نمبر چار کہتے ہیں۔ ضر غام پہلے اسی کا فیجر تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کی موت کے بعد ہی اپورٹر زوالے دفتر میں اس کی بجگہ کون سنبھالے گا۔... ہاں تو میں نے اس کا ہو گا۔“
 موت کے بعد ہی اپنالائجہ عمل تیار کر لیا۔ مختصر یہ کہ میں نے تھوڑی دیر تک رنگی اپورٹر زوالے کچھ دریتک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ ”خوب یاد آیا۔ راہل نے کہا تھا کہ وہ اُسے اچھی طرح پہچان گیا ہے اور اس سلسلے میں اس نے ایک بات اور کہی تھی کہ پچھلی رات والے میک اپ میں اس کے بعد فریدی نے اس خونی کمرے کی داستان چھیڑتے ہوئے کہا۔ ”بس ذرا سی چوک۔ مجھے صرف ایک ہی آدمی پہچان سکتا تھا لیکن وہ ضر غام نہیں تھا۔“
 ہو گئی کہ جلدی میں میں مسر شیام کا کوئی مقول انتظام نہ کر سکا ہو۔ بیوٹی کی حالت میں کسی کو لا۔ ”میا؟“ یہیک فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
 گیا اور اس نے اپنے پُرس ارماںک تک اس کی اطلاع پہنچا دی۔“

”مجھے بھی اس کمرے کو دیکھنا چاہئے۔“ حمید بولا۔

”جلد ہی دیکھ لو گے۔ دیے میرا خیال ہے کہ اب وہ مشین وہاں نہ ہو گی۔“

”تمہریے! میں یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس نے کہا تھا.... اچھا تو اے گیدڑ سن۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اچانک حمید کو کچھ یاد آگیا اور اس نے کہا۔ ”آپ کوڈا تیرے خاص آدمی بھی تیری شخصیت سے واقف نہیں لہذا میں پہچان گیا ہوں اور اب تو میری میث کا حال کیسے معلوم ہو گیا تھا۔ ظاہر تو آپ وہاں سے چلے گئے تھے۔“
 ”میں یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں کل رات جس میک اپ میں تھا اس میں مجھے صرف ایک ہی آدمی جانتا ہے.... لیکن وہ آدمی ضر غام نہیں تھا۔“
 فریدی ہنسنے لگا۔

”بیٹے حمید....!“ اس نے کہا۔ ”تم اگر ڈاکٹرمیٹ میری کار کے نیچے سے نہ ہٹاتے تب بھا۔“ ”خوب....!“ فریدی بڑ بڑا یا۔... وہ بے چینی سے کمرے میں ٹھیٹنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ ”ٹیلی فون ڈاکٹرمیٹری۔“

”اب خواہ تھواہ بات نہ جتا یے۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔

”اچھا بیٹے! ذرا اس ڈاکٹرمیٹ کو کھول کر تو دیکھو۔ کیا اس کا تجباری ساختہ خالی نہیں ہے۔“ آنکھوں میں وہی پُرس ارچنک جاگ اٹھی تھی۔ جو شکار کے قریب ہونے پر عمداً کھائی دیتی تھی۔ نے مجھے اُن دو آدمیوں کے متعلق فون ڈاکٹرمیٹری لے کر واپس آگیا۔ فریدی اس کی ورق گردوانی کرتا رہا۔ پھر اپنی

”رُگنی امپورٹرز کے دفتر والی عمارت جلوہ رہی ہے۔“

”مجھے حرمت نہیں ہوئی۔“ فریدی نے کہا۔ ”اُسے پہلے ہی جانا چاہئے تھا۔ مگر اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ آگ انہی لوگوں نے لگائی ہے۔“

”کیا اس میں بھی کوئی شبہ ہے۔“

”نہیں فرزند۔ اگر انہیں لگانی ہوتی تو کل ہی لگاتے جب میں وہاں سے نکل ہوں گا تھا۔ یقین رکھو کہ ابھی تک ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جرم ثابت کرنے کے لئے

دانتوں پسند آئے گا۔ وہ بڑے دیدہ دلیر ہیں۔ ضرغام کے ترتیب دیئے ہوئے جو کافی ذات میں نے حاصل کئے ہیں وہ بھی ایسے نہیں، جو انہیں جکڑ سکیں اور پھر اس کا سر غنہ...!“

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ دونوں کپڈوں کے باہر آئے۔ فریدی نے ایک ٹکسی رکوائی اس

نے آہستہ سے ڈرائیور سے کچھ کہا جسے حیدرنہ سن سکا۔ ٹکسی چل پڑی۔

”لیکن پھر آگ کس نے لگائی۔“ حیدر نے کہا۔

”غالباً یہ راہل کا انتقامی جذبہ ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولा۔

”ہو سکتا ہے۔ لیکن تمہم کہاں جا رہے ہیں۔“

”ایک آدمی کو چیک کرنا ہے۔“

حیدر کچھ نہ بولا۔ اس کے ذہن میں بیک وقت کی سوال گونج رہے تھے۔ لیکن خاموش ہی رہا۔ فریدی نے ایک سنان سڑک پر ٹکسی رکوائی۔ اور پھر وہ ایک طرف پیدل چل رہے تھے۔

رات بہت سرد تھی لیکن مطلع ابر آلودہ ہونے کی وجہ سے زیادہ تاریکی نہیں تھی۔ سڑک چھوڑ کر وہ پلٹنی پر ہوئے جو کھیتوں کے درمیان سے گذرتی تھی۔

”آخر ہمیں جانا کہاں ہے۔“ حیدر نے پوچھا۔

”لب پلتے رہو۔ مجھے صرف ایک ذرا سی تقدیق کرنی ہے۔ کسی خاص حداثت کی توقع نہیں۔“

انہیں زیادہ دور نہ جانا پڑا۔ کھیتوں کے دوسرا طرف ریلوے لائن کے قریب پہنچ کر فریدی رک گیا۔ اس نے جیب سے تاریچ نکالی اور ادھر ادھر روشنی ڈالنے لگا۔ پھر روشنی کا دائرہ ریلوے

لامپ کی دوسرا طرف ایک چھوٹی سی بجٹت عمارت پر رک گیا۔ قرب و جوار میں کوئی دوسری عمارت نہ تھی۔ البتہ اس سے تھوڑے فاصلے پر نئے نئے چراغ نظر آ رہے تھے۔ شاید وہ کوئی چھوٹا

خواب گاہ میں چلا گیا جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

حیدر بھی اس کے پیچے کمرے میں داخل ہو گیا۔ لیکن فریدی شائد آخری جملے کہہ رہا تھا

”بہر حال چونکے رہئے۔ میں انتہائی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھ سے رابطہ قائم رکھئے گا۔“

پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور بھاگتا ہوا گیراج کی طرف جانے لگا تھا۔ چلتے چلتے حیدر سے کہا

گیا۔ ”... نوبجے رات کو ہائی سر کل ناٹ کلب میں ملنے۔“



آگ اسی حصے میں شروع ہوئی تھی جس میں رُگنی امپورٹرز کا دفتر تھا اور پھر وہ اتنی تیزی سے پوری عمارت میں پھیل گئی تھی جیسے اس کی دیواروں میں گارے کی جگہ آتش گیر مادے بھرے رہے ہوں۔

فائز بریگیڈ کا ایک پورا دستہ بڑی دیری سے آگ پر قابو پانے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی اور اب احتیاط کو مد نظر رکھتے ہوئے قرب و جوار کی دوسری عمارتوں کو بھی خالی کر لیا جانے لگا تھا۔

سرجنٹ حیدر کو دو فرلانگ اور ہر ہی اپنی موڑ سائیکل روک دینی پڑی کیونکہ سڑک بند ہو چکی تھی۔ اس حصے میں صرف آگ بچانے والی سرخ سڑکیاں ادھر سے ادھر دوڑتی پھر رہی تھیں۔

حیدر کو یہ معلوم کرنے میں دیر نہ لگی کہ آگ کہاں لگی ہے۔ اسے اس پر تعجب نہیں ہوا دیے اسے اس بات پر حرمت ضرور تھی کہ یہ حادثہ اتنی دیری میں کیوں ہوا۔ اسے تو ایک دن قبل ہی ہو جانا چاہئے تھا۔

اس نے گھری دیکھی۔ سڑھے آٹھ ہو چکے تھے اور اسے ٹھیک نوبجے ہائی سر کل ناٹ کلب پہنچنا تھا۔ اس نے اپنی موڑ سائیکل ایک گلی میں موزیل۔

وہ اس وقت ہائی سر کل ناٹ کلب پہنچا جب نوبجے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ وہ موڑ سائیکل کھڑی کر کے اندر جانے ہی والا تھا کہ فریدی نے اسے آہستہ سے آواز دی۔

”آؤ! موڑ سائیکل بیٹھیں چھوڑو۔“

”آگ کے متعلق آپ کو معلوم ہوا۔“ حیدر نے پوچھا۔

”کیسی آگ۔“

”کون ہے؟“

فریدی نے جواب پنے دیا۔ حمید بھی خاموش ہی رہا۔ اس کے چہرے پر عجیب طرح کی مکراہٹ تھی۔ فریدی نے بھی اسے گھور کر دیکھا۔ لیکن وہ بدستور مکراہٹا رہا۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے ”کسی بات کا منتظر ہو۔“

”آج تم بڑے دلیر نظر آ رہے ہو۔“ فریدی نے چھتے ہوئے لمحے میں کہا۔

”مجھے خوشی ہے کہ آج میری ساری مصیبتوں کا خاتمہ ہونے جا رہا ہے۔“ حمید بولا۔ ”رائل یقیناً ہمیں زندہ چھوڑے گا۔“

”اوہ تم زندگی اور موت کے متعلق سوچ رہے ہو۔“ فریدی نے خشک لمحے میں کہا۔ ”میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر رائل نے اس آدمی کو مارڈالا تو مجھے بڑا افسوس ہو گا۔ کیونکہ وہ میرا شکار ہے۔“

”خیر منایے۔“ حمید نہ کر بولا۔ ”بھی ذرا سی دیر میں رائل گروں توڑ کر رکھ دے گا۔ خیر آپ کو اسی طرح مرتاحی تھا۔ مجھے دیکھ بن کھلے مر جھارہا ہوں۔ والد صاحب کا سہرا بھی نہ دیکھ سکا۔“

”بہت چیک رہے ہو حمید! آخر معاملہ کیا ہے۔“

اور پھر وہ سارا معاملہ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کو نظر آگیا۔ حمید کے دونوں ہاتھ پیروں کی رسیاں کھولنے کے لئے آزاد تھے۔ اس نے بڑی لاپرواہی سے رسیاں ایک طرف ڈال دیں اور دہناگاں کھجانے لگا۔ فریدی اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ پھر حمید نے فریدی کی رسیاں کھول دیں۔

”تم واقعی آج کل بڑے باکمال ہو رہے ہو۔“ فریدی نے مکراہٹا کر کھا۔

”اوہ.... یہ اس محظوظہ دنو از کا کار نامہ ہے۔“ حمید اپنی ولایتی چوہیا کو چھٹلی پر رکھ کر پیارے اس کی پیٹھ پر انگلی پھیرتا ہوا بولا۔

”تم میں کچھ شیطان حلول کر گیا ہے۔“ فریدی نہیں پڑا۔

لیکن انہیں دوسرے ہی لمحہ سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ فریدی اپنی جیسیں ٹھوٹ رہا تھا۔ لیکن ان کے روپ اور تو پہلے ہی نکالے جا چکے تھے۔ فریدی نے جھپٹ کر لیپ پ بھجا دیا۔ کرہہ تاریک ہو گیا۔

”انہیں بھی ختم کر دو۔“ باہر کسی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ فریدی اور حمید دروازے کے قریب آگئے۔

دونوں ریلوے لائیں عبور کر کے عمارت کے قریب آئے۔ اندر کی روشنی کھڑکیوں سے دکھائی دے رہی تھی۔ فریدی نے صدر دروازے کو دھکا دیا۔ وہ کھلا ہوا تھا۔ دونوں اندر پہنچ۔ لیکن ٹھنک گئے۔ ان کے سامنے تین آدمی کھڑے تھے اور ان کا رخ دروازے ہی کی طرف تھا۔ لیکن انہوں نے ان دونوں آدمیوں کو نیس دیکھا جو دروازے کے دونوں طرف کھڑے تھے۔ دوسرے ہی لمحے میں ان کے سروں پر لو ہے کہ دو موٹی موٹی سلاخیں پڑیں اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔

”آئے تھے کس لئے اور ملا کون۔“ ایک آدمی نے قہقهہ لگا کر کہا۔ ”خیر یہ بھی رائل کے لئے تھنک ہی ہے۔“

”آج رات ہماری ہے۔“ دوسرے نے نفرہ لگایا۔

”کاش وہ بھی مل جاتا۔“ تیرا بڑا بڑا۔ ”سردارت جانے کہاں رہے گے۔“

ارے!

انہیں ہوش میں آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی لیکن ان کے ہاتھ پیر جکڑے ہوئے تھے اور کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ ان کے ہاتھ چونکہ پشت پر بند ہے ہوئے تھے لہذا وہ وقت کا بھی اندازہ نہ لگاسکے۔ ویسے دوسرے کمرے سے اب بھی قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

”اب فرمائیے۔“ حمید نے سر گوشی کی۔

”مجھے افسوس ہے کہ یہ مجھ سے پہلے ہی پہنچ گئے۔“ فریدی نے کہا۔

”شاید انہیں رائل کی واپسی کا انتظار ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“

”آپ کے دیکھنا چاہتے تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”باغیوں کو اسلی سپائی کرنے والے کو۔“

”اوہ.... تو کیا آپ اس کی شخصیت سے واقف ہو گئے ہیں۔“

”قطعی.....!“

”اوہ! یہاں تو اندھیرا ہے۔“ دروازہ کھولنے والے نے کہا۔ دو آدمی اندر داخل ہوئے اور حمید نے دفتار ایک کو سنبھال لیا۔ قبل اس کے کہ وہ آواز بھی نکالتا اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ حمید نے دوسرے لمحے میں اس کے ہول شرے سے ریو اور نکال لیا۔ فریدی نے بھی شامہد بھی کیا تھا کیونکہ دروازے کے دوسرے گوشے سے بھی کسی قسم کی آواز نہیں آئی تھی۔

وہ دونوں آہنگ سے دوسرے کرے میں آئے یہاں ساتھا تھا۔ بقیہ تین آدمی غائب تھے۔ انہوں نے دوسرے کرے کے کواڑ کھولے۔ مکان میں چاہ کرے تھے۔ اور ان میں بہت ہی معمولی قسم کا فرنج پڑا۔ ایک کرے میں انہیں کچھ ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں ملیں۔ ایک طرف ایزل رکھا تھا جس پر چڑھے ہوئے کیوں اس پر ایک ادھوری تصویر تھی۔ قریب ہی س Howell رنگ کے ڈبے اور برش رکھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں پھر اسی کرے میں چل پڑے جہاں پہلی بار انہوں نے پانچ آدمیوں کو دیکھا تھا۔ لیکن انہیں رک جانا پڑا کیونکہ اس کرے میں کئی آدمیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ ان دونوں نے ریو اور کے دستے مضبوطی سے پکڑ لئے۔ فریدی نے آہستہ آہستہ دروازہ کھولا اور دوسرے کرے میں کسی نے جیکر کہا۔ ”وہ دیکھئے“

پھر فریدی اور حمید نے کچھ ایسی آوازیں شیش جیسے حملے کے لئے رائلیں تیار کی جا رہی ہیں۔ ”بیکار ہے! چپ چاپ باہر گل آؤ۔“ کرے سے آواز آئی۔ ”مکان چاروں طرف سے گمراہ ہوا ہے۔“

فریدی اور حمید نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ یہ آوازان کی جانی پہچانی تھی لیکن وہ اہل کی نہیں ہو سکتی تھی۔

”اپنا سلحہ باہر پھینک دو۔“ آواز پھر آئی۔

فریدی نے مکرا کر حمید کو آنکھ ماری اور انہوں نے اپنے ریو اور کھلے ہوئے دروازے سے دوسرے میں پھینک دیے۔

”ہاتھ اٹھائے ہوئے باہر آ جاؤ۔“

فریدی اور حمید ہاتھ اٹھائے ہوئے کرے سے نکل گئے۔ ”ارے آپ!“ کوتوالی انجارچ انپکٹر جگدیش بے اختیار اچھل پڑا اور اس کے ساتھیوں نے رائلیں پیچی کر لیں۔

”میں ایک جگہ ہو کر کھا کر گرپڑا۔“ آرٹسٹ نے سر اسی مگری سے کہنا شروع کیا۔ ”پھر میں نے یہی دیکھ لئے کی ہمت نہیں کی۔ فائز ہونے بند ہو گئے تھے۔ میں نے سر جگدیش کو آہستہ سے

”تم کیسے آئے۔“ فریدی نے پوچھا۔
”اس کرے میں دلاشیں ہیں۔“ جگدیش نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔
”ہاں.... وہ اہل کے آدمی ہیں۔“ فریدی بولا۔
”زماں کے آدمی۔“ ایک آدمی جیخ پڑا۔ یہ جگدیش کے ساتھ تھا اور فریدی اور حمید نے اسے نظر انداز کرو یا تھا۔
”یہی صاحب! مجھے یہاں لائے ہیں۔ انہوں نے ریلوے سکین سے مجھے فون کیا تھا۔“ انپکٹر جگدیش نے کہا۔
”آپ کی تعریف....!“ فریدی نے اسے گھور کر پوچھا۔
”یہ سر... اوہ! ایک بہت بڑا سانحہ ہو گیا ہے فریدی صاحب۔“
”کیا....؟“ فریدی چوک کر بولا۔
”ریلوے سکین کے نیچے سر جگدیش کی لاش پڑی ہے۔“ انپکٹر جگدیش نے کہا۔
”کیا....؟“ فریدی بے اختیار جیخ پڑا۔
”جی ہاں! جگدیش کی لاش.... سر جگدیش یہاں اس مکان میں اپنے کسی دشمن کے خوف سے روپوش تھے۔ یہ مکان مسٹر آکاش کا ہے۔“ کوتوالی انجارچ نے اس اجنبی کی طرف اشارہ کیا۔
”آپ آرٹسٹ ہیں۔“
فریدی پھر اسے گھورنے لگا۔
”پھر....!“ وہ کوتوالی انجارچ کی طرف مڑا۔
”سر جگدیش یہاں آج بھی آئے تھے۔“ کوتوالی انجارچ نے بیان جادی رکھا۔
”قریباً نوبجے چھ آدمیوں نے مکان پر حملہ کیا۔ سر جگدیش اور مسٹر آکاش پچھلے دروازوں سے نکل کر بھاگے۔ کچھ دور ہی پہنچ تھے کہ پیچھے سے گولیاں برسنے لگیں۔ مسٹر آکاش بھاگتے ہی گئے۔ انہیں اس کا ہوش نہیں تھا کہ سر جگدیش بھی ان کے ساتھ ہیں یا نہیں۔“
”پھر کیا ہوا۔“ فریدی نے آکاش آرٹسٹ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔
”میں ایک جگہ ہو کر کھا کر گرپڑا۔“ آرٹسٹ نے سر اسی مگری سے کہنا شروع کیا۔ ”پھر میں نے یہی دیکھ لئے کی ہمت نہیں کی۔ فائز ہونے بند ہو گئے تھے۔ میں نے سر جگدیش کو آہستہ سے

”منش فریدی۔“ دسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فریدی کو منتبہ کیا۔ ”جو کچھ کہئے سوچ سمجھ کر کہے۔ آپ ایک نیک نام اور معزز شہری پر الزام لگا رہے ہیں۔ اگر آپ کے پاس ملکم ثبوت نہ ہو تو زبان بند ہی رکھنا مناسب ہے۔“

”بمحض افسوس ہے کہ رائل نے جلد بازی سے کام لیا۔“ فریدی نے کہا۔ ”بہر حال میں جو کچھ بھی کہنا چاہتا ہوں اُسے سن لیجئے۔ پہچلی مرتبہ رائل ایک ایسے ٹرک کے ساتھ گرفتار ہوا تھا جس میں رائفلیں بھری ہوئی تھیں۔ رائل نے ان کے متعلق کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔ اسی دروان میں مجھے کسی ذریعہ سے پہ چلا کہ شمالی مشرقی علاقے کے باغی قبائل ویسی ہی رائفلیں استعمال کر رہے ہیں جیسی رائل کے قبضے سے برآمد ہوئی تھیں۔“

”آپ کو کون ذراائع سے معلوم ہوا تھا؟“ دسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سوال کیا۔

”افسوس یہ ہے کہ یہ میرے لگنے کا راز ہے اور عدالتی کارروائی سے قبل میں اسے ظاہر نہیں کر سکتا۔“

فریدی کے ڈی۔ آئی۔ جی نے اسے مسکرا کر دیکھا اور فریدی بولتا رہا۔ اس نے رگی ایمپورٹرز والے واقعات دہرانے شروع کئے اور پھر بولا۔ ”میں نے خود اپنی آنکھوں سے وہ مشین دیکھی ہے۔ افسوس کہ رائل نے اس عمارت میں آگ لگا کر سب کچھ بر باد کر دیا۔“

”لیکن یہ کس طرح ثابت کیجئے گا کہ وہ نہ اسرار آدمی سر جکد لیش ہی تھا۔“ دسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کہا۔

”میں واقعی مشکل میں پڑ گیا ہوں۔“ فریدی آہستہ سے بڑھا۔ لیکن حید نے محسوس کیا کہ فریدی محض ایکٹنگ کر رہا ہے اور وہ حسب عادت اچانک کوئی ایسی بات کہہ دے گا کہ سب کے منہ حرثت سے کھلے رہ جائیں گے۔

”میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ کہئے سوچ سمجھ کر کہے۔“ دسٹرکٹ مجسٹریٹ نے پھر کہا۔ ”اوہ... دیکھئے میں کوشش کرتا ہوں۔“ فریدی ہر کالایا۔ ”ثابت کرنے میں تھوڑی دشواری ہو گی۔“ دیکھیے ایسیں آپ کو بتاؤ۔ ضرغام کے تیار کئے ہوئے نقشے... یہ رہے دیکھئے... میں نے اس جگہ کا بھی پتہ لگایا ہے جہاں سے اسلحہ بھیجا جاتا ہے۔ آج بذریعہ تاریخی اطلاع ملی ہے کہ چار سورائفلیں اس وقت پکڑی گئیں جب انہیں قبائلیوں کے علاقے میں پہنچا جا رہا تھا۔ اُن کے

پکار۔ لیکن جواب نہ ملا۔ اور پھر جب میں ڈرتے ڈرتے واپس آ رہا تھا تو میں نے ریلوے کے پاس ایک لاش دیکھی وہ سر جکد لیش تھے۔ تب میں نے اوپر کی بنیں میں جا کر پولیس کو فون کیا۔ ”کیبن میں موجود تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں وہ موجود تھا۔“

”تو اس نے بھی فائرولوں کی آوازیں سنی ہوں گے۔“

”ضرور سنی ہوں گی۔“

”ہوں....!“ فریدی کو تو الی انچارج کی طرف مڑا۔ ”اب لاش کہاں ہے؟“

”وہیں!“ کو تو الی انچارج۔ ”کہا۔“

”سر جکد لیش سے آپ کا کیا تعین تھا۔“ فریدی نے آکاش سے پوچھا۔

”وہ میرے بہت بُرانے گاہک تھے۔“ آکاش بولا۔ ”اکثر مجھ سے تصوریں بناتے رہتے اور آج دوپہر کو وہ یہاں آئے۔ انہوں نے چند روز میرے ساتھ قیام کرنے کی کوشش کی انہیں کسی دشمن کا خوف تھا۔“

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اچھا تو یہ تینوں لاشیں اب اٹھنی چاہئیں اور مسٹر آہزادی آپ بھی کو تو الی تک چلنے کی زحمت گوار کریں گے۔ ایک بہت بڑا آدمی مارڈا لگایا ہے۔“



کو تو الی کے ایک بڑے کمرے میں اعلیٰ حکام اکٹھا تھے۔ ایک طرف پنک پر سر جکد لیش لاٹ پڑی ہوئی تھی۔ ہر ایک کی نظر فریدی کے چہرے پر تھی، جو اپنے میئے پر زدنوں ہاتھ باندھ کرہا تھا۔ اس نے آکاش آرٹسٹ کی طرف دیکھ کرہا۔ ”میں نے ہی سر جکد لیش کو اس بات کی اطلاع دی تھی کہ رائل ان کی تاک میں ہے۔ اس پر انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا تھا اور مجھے بتایا تھا کہ کہاں پناہ لینے جا رہے ہیں۔ میں نے ان کے گھر کا فون نمبر استعمال کیا تھا۔“ اور انہوں نے نمبر پر مجھ سے گفتگو کی تھی۔ لیکن جب میں ان کے گھر پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ پچھلے دو دن سے گھر سے باہر تھے۔ کیا یہ ایک غیر ممکن بات نہیں تھی۔ سر جکد لیش نے گھر سے باہر کم میری میلی فون کاں رسیوو کی تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا میلی فون کے مکھے نے ایک نمبر دو مختلف جگہوں کو دینے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ اس سوال کا جواب اثبات میں نہ ملے گا۔“

خطرناک دشمن

ساتھ جیل اور ارجمندی دو آدمی بھی گرفتار کئے گئے ہیں اور یہ دونوں کچھ دن قبل یہاں رک چکے گادیے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ہی کی طرح وہ بھی اس کے اس مخصوص میک اپ امپورٹرز کے دفتر میں تھے۔“

”چلے! میں نے یہ بھی نا لیا۔“ دسٹرکٹ محترم نے کہا۔ ”لیکن آپ رگی امپورٹرز سر جملش کا تعلق کس طرح ثابت کیجئے گا۔“

”میرے پاس کم از کم دو گواہ ایسے ہیں..... جو مسٹر پارک اور لوئی کے قتل سے....“

”اوہ چھوڑیے۔“ محترم نے فریدی کی بات کاٹ دی۔ ”آپ پھر رگی امپورٹرز کے قبھے دیکھئے! میں آپ کو بتاتا ہوں۔“ فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”دشواراں، انشاہ سالا صرف ہر جملش کا سوال ہے۔“

ضرور ہیں لیکن میں ثابت کرنے کی کوشش کروں گا... رائل جکل لش کو ایک معاملے میں بیکاری میں دیکھ دیا تو وہ اپنے پیٹ میں ملتا تھا۔ اچھا فی الحال اس تذکرے کو جانے سمجھ رہا تھا، روشنی، لوگوں اور موڑوں الیکٹرک سپلائی کمپنی کے نیجے شام کے ساتھ کمرے میں دیکھتے تھے۔ وہ ان سے ایک مخصوص میک اپ میں ملتا تھا۔ اسی کی وجہ سے رائل جکل لش کو ایک معاملے میں بیکاری میں دیکھ دیا تو وہ اپنے پیٹ میں ملتا تھا۔ اچھا فی الحال اس تذکرے کو جانے سمجھ رہا تھا۔ روشنی، لوگوں اور موڑوں الیکٹرک سپلائی کمپنی کے نیجے شام کے ساتھ کمرے میں دیکھتے تھے۔ اس اسی کی وجہ سے رائل جکل لش کو ایک معاملے میں بیکاری میں دیکھ دیا تو وہ اپنے پیٹ میں ملتا تھا۔ اچھا فی الحال اس تذکرے کو جانے سمجھ رہا تھا۔ روشنی، لوگوں اور موڑوں الیکٹرک سپلائی کمپنی کے نیجے شام کے ساتھ کمرے میں دیکھتے تھے۔

ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات کو سمجھ گیا ہو کہ رالیں کا فرار محض اسی کو چانسے کے لئے عمل میں لایا گا۔ ”میا خبر ہے! مسر شیام...!“ فریدی بنے کہا ”نمبر چار کی مشین آخ رخاموش ہو گئی تھی۔“ ہے۔ بہر حال اس نے ضر غام کو اس کام کے نئے مقرر کیا۔ ضر غام۔ نے اس پر اس وقت گولی چالا۔ ”میں کچھ نہیں سمجھا۔ آپ کیا فرمائے ہیں۔“ شیام نے حیرت کا اظہار کیا مگر اس کے جب وہ سن سٹ ریستوران سے باہر نکل رہا تھا۔ واضح رہے کہ رالیں اس وقت اپنی اصلی شکل میں چڑے پر ہو ایساں اثر رہی تھیں۔

نہیں تھا۔ لیکن ضرغام نے اس پر گولی چلا دی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ضرغام اُسے میک اپ ملے گی۔ کیونکہ تمہارا پُر اسرار باس حوالات بھی پہچانتا تھا۔ ”بیکار ہے مسٹر شیام... وہ مشین اب کبھی نہ بولے گی۔“

شام تھوک نگل کر رہ گئے۔

”اچھا لوگو! تم بولو۔“ فریدی نے کہا۔ ”تمہارا خمیرا بھی مردہ نہیں ہوا۔ تم ایک سے عیسائی و پار کر کیسے مرا۔“

”میں نہیں جانتا لیکر، اس کی لاٹری صندوق میں، میں نے ہی رکھی تھی۔“ لوگھر پولہ۔

”مسٹر شام کارگی امیور ٹرز سے کا تعلق ہے۔“

”س ایک ہو) ہر امظہر کے ہمارا نامزد ایک ہی سے۔“

”لہک مسٹر لو تھر! کیا کبھی تم نے ہاس کو دیکھا ہے۔“

”نیں اے اے کے سقام ہم تک مجھ کے لئے پہنچتے تھے۔“

”زنجیر کا اسی شہزاد کا الازم تھا اصل ایک نہ کر لئے کسے قسم

”ریگی! مپور ٹرز کی ملازمت حاصل کرنے کے لئے کس قسم کی قابلیت کی ضرورت تھی۔“

”امیدوار کا مجرم ہونا ضروری تھا۔“

”تم کس قسم کے مجھ می تھے۔“

ساتھ جیل اور ارجمندی دو آدمی بھی گرفتار کئے گئے ہیں اور یہ دونوں کچھ دن قبل یہاں رک چکے گئے ہی کی طرح وہ بھی اس کے اس مخصوص میک اپ امپورٹرز کے دفتر میں تھے۔

”چلے! میں نے یہ بھی نا ان لیا۔“ دسڑک مجھ سیٹ نے کہا۔ ”لیکن آپ رگی امپورٹرز سے میرے پاس کم از کم دو گواہ ایسے ہیں..... جو مسٹر پارک اور لوئی کے قتل سے.... سر جگد لیش کا تعلق کس طرح ثابت کیتے گا۔“

”دیکھئے! میں آب کو بتاتا ہوں۔“ فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”ذوقِ سار، اپنے سارا صرف فہرے چکدیٹھ کا کہاں والے۔“

ضرور ہیں لیکن میں ثابت کرنے کی کوشش کروں گا... رائل جکل لش کو ایک معاملے میں بیکاری میں دیکھ رہا تھا۔ وہ ان سے ایک مخصوص میک اپ میں ملتا تھا۔ اچھائی الحال اس تذکرے کو جانے سمجھ رہی تھی، روشنی، لوگوں اور موڑوں الیکٹرک پلائی کمپنی کے نیجے شام کے ساتھ کمرے میں دیکھتی تھی۔ اسرا اسی سر برادے کی بناء پر رائل کو بھی ختم کردیتے ہیں کی اسکیم بنالی۔ داخل ہو رہے تھے۔

ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات کو سمجھ گیا ہو کہ رالیں کا فرار محض اسی کو چانسے کے لئے عمل میں لایا گا۔ ”میا خبر ہے! مسر شیام...!“ فریدی بنے کہا ”نمبر چار کی مشین آخ رخاموش ہو گئی تھی۔“ ہے۔ بہر حال اس نے ضرغام کو اس کام کے نئے مقرر کیا۔ ضرغام۔ نے اس پر اس وقت گولی چالا۔ ”میں کچھ نہیں سمجھا۔ آپ کیا فرمائے ہیں۔“ شیام نے حیرت کا اظہار کیا مگر اس کے جب وہ سن سٹ ریستوران سے باہر نکل رہا تھا۔ واضح رہے کہ رالیں اس وقت اپنی اصلی شکل میں چڑے پر ہو ایساں اثر رہی تھیں۔

نہیں تھا۔ لیکن ضرغام نے اس پر گولی چلا دی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ضرغام اُسے میک اپ ملے گی۔ کیونکہ تمہارا پُر اسرار باس حوالات بھی پہچانتا تھا۔ ”بیکار ہے مسٹر شیام... وہ مشین اب کبھی نہ بولے گی۔“

فریدی نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ حمید کا واقعہ بتایا کہ کس طرح اس نے راہل کو ضر غام کو قتل کرتے دیکھا تھا اور کس طرح حمید نے دوسرے دن ایک بیک میلر کی حیثیت سے راہل کو فون کیا تھا۔

”اب آپ ہی خیال فرمائیے۔“ فریدی کچھ دیرزک کر بولا۔ ”راہل کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ جس میک اپ میں اس وقت تھا اس میں سوائے ایک آدمی کے اُسے اور کوئی نہیں پیچانتا تھا کہ وہ آدمی ضر غام نہیں تھا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ ضر غام کو اس کی اطلاع اور صحیح نشانی دینے والا صرف ایک ہی شخص ہو سکتا تھا۔ وہ جو راہل کو اس میک اپ میں پیچان سکتا تھا اور وہ شخص بکدشتی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ راہل اس سے اسی میک اپ میں ملتا تھا لیکن راہل غلطی پر تھا۔ یہ بات بھی جانتا تھا کہ میں کمی بار اس کا تعاقب کرچکا تھا۔“

”معاف کیجئے گا فریدی صاحب۔“ مجھریٹ نے کہا۔ ”اس دلیل میں بھی جان نہیں ہے۔ اگر اس پر اسرار آدمی کو راہل پر اعتماد نہیں تھا تو اس نے بھی شروع ہی سے اتنے آدمی اس کے

”جعلی کے بنا تھا۔ ایک بار قانون کی گرفت میں آ جاتا تھا ایک نامعلوم آدمی نے بچالیا اور اسی کی وساطت سے میں رہی امپورٹر میں پہنچا۔“

”بیدا کردیتی ہیں لیکن..... وہ خود اعتمادی حقیقتاً خود فربی ہوتی ہے۔“

”معاف سمجھے گا۔“ فریدی نے خنک لبھ میں کہا۔ ”فریدی کبھی کوئی بے بنیاد بات نہیں کہتا۔“

”تو پھر سمجھے نا ثبوت۔“

”اس کا ثبوت خود سر جگد لیش دے گا۔“

”کیا! ایک وقت کئی آدمیوں کے منہ سے نکلا اور سب ہی فریدی کو ایسی نظر وہ سے گھورنے لگے جیسے وہیا تو پاگل ہو گیا ہو یا نئے میں ہو۔“

”فریدی ختم کرو! بیکار باتیں۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

”اے تو کیا آپ کو فریدی پر اعتماد نہیں رہا۔“ فریدی نے شکایت آمیز لبھ میں کہا۔

”تحوڑی دیر کے لئے کمرے میں سننا چھا گیا۔“

”حید!“ فریدی نے گر جدار آواز میں کہا۔ ”سب سامان ٹھیک ہے نا۔“

”جی ہاں۔“ حید نے جواب دیا۔

”اچھا تو مسٹر آکاش کے ہتھڑیاں لگا دو..... اور مسٹر آکاش اگر تم نے جنبش کی تو گولی مار دوں گا۔ چپ چاپ کھڑے رہو۔“ فریدی نے روپ اور نکال لیا۔

حید نے جھپٹ کر آکاش آرٹسٹ کے ہتھڑیاں لگادیں۔

”مسٹر آکاش۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”کہیں میں نے فائزوں کی آواز نہیں سنی تھی۔ لیکن لاش کے زخم کی حالت بتاتی ہے کہ گولی قریب ہی سے ماری گئی تھی اور لاش کہیں کے نیچے ملی تھی۔ آخر اس نے اسی ایک فائر کی آواز کیوں نہیں سنی۔ کیا تم نے اسے ایک سائیلنسر لگہ ہوئے روپ اور سے نہیں قتل کیا تھا۔“

”یہ کواس ہے۔“ آکاش چینا۔ ”تم مجھے پھنسانا چاہتے ہو۔“

”حید سامان لاو۔“ فریدی حید کی طرف مڑ کر بولا۔ حید جھپٹ کر باہر نکلا اور دوسرے کمرے سے ایک سوت کیس اٹھا لایا۔ فریدی نے اسے کھولا۔ اس میں متعدد بو تلیں اور شیشیاں تھیں۔ آکاش نے بھاگنا چاہا لیکن حید اور میش نے اسے کپڑا لیا۔

فریدی نے چند بو تلوں اور شیشیوں سے سیال لے کر ایک بیکر میں ملائے اور بیکر کو ہاتھ میں لئے ہوئے آکاش کی طرف بڑھا۔ حید اور میش اسے کپڑے ہوئے تھے۔ فریدی نے بیکر کا سیال ”مسٹر فریدی۔“ مجھریٹ طنزیہ لبھ میں بولا۔ ”چھپلی کامیابیاں اکثر بہت زیادہ خود اعتماد کیوں ثبوت پیش کر سکے۔“

”نامعلوم آدمی... کیا تم نے اس کی ٹھکل نہیں دیکھی تھی۔“

”جی نہیں۔“

”یہ بھلا کیسے مکن...!“

”میرے لئے اس سب انپکٹر کو رشوٹ دی گئی تھی جس نے مجھے کپڑا تھا۔ پھر مجھے ایک ڈا ملا جس میں مجھے ہدایت دی گئی تھی کہ رہی امپورٹر سے مسلک ہو جاؤ۔“

”کیا اس سب انپکٹر کو پہچان سکتے ہو۔“

”افسوں کے نہیں۔ نہاب مجھے اس کی ٹھکل یاد ہے اور نہ نام۔ پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ پہ نہیں اب وہ کہاں ہو۔“

لوہر کے بعد فریدی نے شیام پر سوالات کی بوجھاڑکی۔ وہ ذرا کمزور دل کا آدمی تھا۔ اس نے تحوڑی دیر بعد سب کچھ اگلی دیا۔ اس نے اعتراف کیا کہ روشنی کو اسی نے رہی امپورٹر سے کے لئے بھیجا تھا اور روشنی ہی لوسی کی قاتل تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ قبائلیوں کے لئے اسلحہ فرمان کرتے تھے۔

”دیکھا آپ۔ نے۔“ فریدی نے ڈسٹرکٹ مجھریٹ سے کہا۔ لیکن مجھریٹ کو بھی آج شاہد کچھ ضد ہی ہو گئی تھی۔

”سر جگد لیش کا معاملہ پھر بھی رہا جاتا ہے۔“ مجھریٹ نے کہا۔

”سر جگد لیش بڑا عجیب آدمی تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ایک طرف وہ راہل سے بلیک میں بھی ہو رہا تھا اور دوسری طرف اس سے ایک کام بھی لے رہا تھا۔“

”شہوت مسٹر فریدی۔“ مجھریٹ جھنگلا گیا۔

”اوہ....!“ فریدی کے مجھے کے ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ ”میرے خیال سے یہ معاملہ ان وقت کے لئے ملتی کر دیا جائے جب تک کہ راہل گرفتار نہ کر لیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی ٹھوس ثبوت پیش کر سکے۔“

آکاش کے چہرے پر پھینک دیا۔

”یہ کیا لغویت ہے۔“ آکاش جیخا۔ دوسرے لوگ دم بخود بتتے۔

”ٹھہر و مسٹر آکاش؟ میرے کسی بھی کیس میں یہی لمحہ میری دلچسپیوں کی جان ہوتا ہے۔“ فریدی نے ایک رومال سے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

اور دوسرے لمحے حاضرین کے منہ سے عجیب عجیب طرح کی آوازیں نکلیں۔ کیونکہ ان کے سامنے ایک سر جگد لیش کی لاش پڑی ہوئی تھی اور دوسرا سر جگد لیش حمید اور رمیش کی گرفت میں تھا۔ ”مجسٹریٹ صاحب۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”اب سر جگد لیش سے پوچھئے کہ آخر پولیس کو اس طرح دھوکہ دیئے کی کیا ضرورت تھی۔“

”اور یہ کون ہے؟“ مجسٹریٹ نے لاش کی طرف دیکھ کر بوکھلانے ہوئے لمحے میں پوچھا۔

”راہل....!“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”اس نے پانچ آدمیوں کے ساتھ اس مکان پر حملہ کیا تھا جس میں سر جگد لیش آکاش کے بھیں میں مقیم تھا۔ سر جگد لیش صاف نکل گیا۔ راہل اکیلے ہی اس کی تلاش میں نکل گیا اور سر جگد لیش بنے بہت ہی قریب سے سائیلنر لگے ہوئے پستول سے اس کی پشت پر فائر کر دیا کیوں سر جگد لیش۔“

سر جگد لیش اس طرح پلکیں جھپکارہاتھا جیسے اس کی آنکھوں تلے اندر ہمراہ آ رہا ہو۔

”اور پھر....!“ فریدی نے کہا۔ ”اس نے راہل پر اپنا میک اپ کر دیا۔ حمید ذرا راہل کی اصلی شکل بھی دکھادو۔“

ٹھوڑی دیر بعد راہل بھی اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو گیا۔

”واقعی.... مم.... مسٹر فریدی۔“ مجسٹریٹ نے تھوک نکل کر کہا اور پھر کھیانے انداز میں ہنسنے لگا۔

”میرا فریدی ایک شاندار ایکٹر ہے اور شرپیر بھی۔“ ڈی۔ آئی۔ جی ہنس پڑا۔

”اور میں.... میں تو ناکارہ الو کا پٹھا ہوں۔“ حمید ہونٹوں میں بڑا کرہ گیا۔

ختم شد

(مکمل ناول)

فریدی چونکہ صورت سے پریشان نظر آرہا تھا اس لئے حمید نے زیادہ پھیلنا مناسب نہ سمجھا۔
فریدی کو اتنی جلدی تھی کہ اس نے اُسے سلپنگ سوت بھی نہ اتنا نے دیا۔
کیڈی پھائک سے نکل کر ایک طرف کو ہوئی۔

”کوئی خطرناک مہم...؟“ حمید نے پوچھا۔
”یقیناً خطرناک ہی ہو سکتی ہے۔ عرفانی صاحب خطرے میں ہیں۔“
”کون عرفانی صاحب؟“

”ایک طرح سے تم انہیں میرا استاد بھی سمجھ سکتے ہو۔“
”آپ نے پہلے کبھی اس قسم کے کسی آدمی کا تذکرہ نہیں کیا۔“ حمید نے کہا۔
”اوہو... تم نے مجھے کے آدمیوں میں کبھی نہ کبھی ان کا تذکرہ ضرور سناؤ گا۔ ہمارے پیش روؤں میں وہ کافی مشہور تھے۔“

”اوہ سمجھا... وہی بوڑھا تو نہیں جسے نیلے رنگ کا خطہ ہے۔“
”ٹھیک سمجھے۔“

”لیکن وہ آپ کے استاد کس طرح ہوئے۔“
”شروع میں انہوں نے اکثر میری رہنمائی کی ہے۔ والد مر حوم کے دوستوں میں سے ہیں۔
پہلی عامگیر جگ کے دوران میں وہ ملٹری سیکرٹ سروس سے متعلق تھے۔ ریائز ہونے کے بعد سے الگ تھلک زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن سوچتا ہوں... ایسا شخص! سمجھ میں نہیں آتا کیا معاملہ ہے انہوں نے فون پر مجھ سے اتنا ہی کہا کہ میں خطرے میں ہوں... میں نے خطرے کی نوعیت پر جھنپی چاہی لیکن جواب نہیں ملا۔ فون ڈس کنکٹ نہیں کیا گیا تھا۔ پھر میں نے فائز کی آواز کی اور ایک بلکی سی چیخ...!“

”کیا وہ گھر پر اکیلے ہی ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”قریب... قریب۔“ فریدی نے پرتوں لیجے میں کہا۔ ”ایک نوکر ہے وہ اتنا بہرہ ہے کہ جب تک اس کے کان میں لگا کر چیخانے جائے نہیں سن سکتا۔“

”عرفانی صاحب بالدار آدمی ہیں!“

”ہاں! کافی۔“ فریدی پھر خاموش ہو گیا۔

پُر اسرار قتل

ٹیلی فون کی گھنٹی نجھ رہی تھی۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔
”بیلو...!“

”فریدی... میں عرفانی بول رہا ہوں... بول رہا عرفانی... میں خطرے میں ہوں۔“

”لیا بات ہے!“ فریدی نے پوچھا۔

لیکن جواب نہ آتا۔ سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا۔ فریدی نے رسیور کان سے لگائے رکھا۔

”بیلو... بیلو... عرفانی صاحب.... فریدی بول رہا ہے۔“ فریدی نے دوبارہ کہا۔

لیکن پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ اور پھر فریدی نے ایک بلکی سی آواز سنی۔ اسی کے ساتھ ہی کسی کے چینخ کی آواز آئی۔

”فائز...!“ فریدی آہستہ سے بڑھا یا اور اس نے رسیور رکھ دیا۔

”حمد...!“ اُس نے حمید کو آواز دی جو برابر ہی کے کمرے میں اپنی پالتو چوپیا کو اختر شیر لیا۔

کی کوئی نظم سنارہا تھا۔

”فرمائیے۔“ اس نے اس دخل اندازی پر رہا سامنہ بناؤ کر کہا۔

”اٹھو...! ہمیں جلدی ہے۔“ فریدی نے اس کے کمرے کا دروازہ کھوٹ کر کہا۔

”عرفانی صاحب خطرے میں ہیں۔“

”ہوں گے۔“ حمید نے بے پرواٹی سے کہا۔

”اٹھو...!“ فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجوڑا۔

سازھے گیا رہنچکے تھے۔ سڑکیں سنان ہوتی جا رہی تھیں۔ رات کھر آلو، ہونے کی پڑھ آتا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی نیز نظروں سے دیکھا لیکن کچھ بولے نہیں۔

کیدھی کیلاش بر ج کو پار کر کے شہر کے ایک ایسے حصے میں داخل ہو رہی تھی جہاں آبادی نہیں تھی۔ خال خال ایک آدھ عمارتی نظر آجائی تھیں جن کی کھڑکیوں میں کھر میں ہوئی بہندلی روشنی اور ہورے خوابوں کی یاد کی طرح اوٹھ رہی تھی۔

پھر فریدی کی نظر میں فون کے رسیور پر جم گکھیں جو میز کے سامنے والے کارے پر جھول گیا تھا۔ اسے توب کی گرج بھی نہیں جھاکتی۔ فریدی نے کہا اور جھک کر خون کے دھبے کو دیکھنے لگا۔ فریدی نے ایک عمارت کے سامنے کیدھی روک دی۔ وہ دونوں بیچے اترے۔ پائیں بالغ اندھر اتحاد عمارت کی کسی کھڑکی میں بھی روشنی نہیں تھی۔

”عرفانی صاحب کی زندگی میں تو یہ ناممکن تھا۔“ وہ آہستہ سے بڑیلایا۔ ”وس آدمی بھی گھر

جیزد واپس چلا گیا۔ اتنے میں فریدی برآمدے تک پہنچ گیا تھا۔ اسے کہیں بھی کسی تمہارے میں طرح نہیں براہ راست تھے۔“

”تو کیا...“ حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”آخراں لاش کیا ہو گئی۔“ فریدی پر تشویش لجھ میں بولا۔

”لاش....!“ حمید پوک کر بولا۔

”یہ خون....!“ فریدی نے خون کے دھبے کی طرف اشارہ کیا۔ ”اور یہ رسیور جو میز سے لکھا ہو ہے عرفانی صاحب مجھے فون کرنے ہے تھے۔ فائز کی آواز... جی... ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے پھر حملہ آوروں نے گھر کا سامان الٹ پلت ڈالا۔ کرسیوں کے گلے تک پھاڑا لے گئے۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ اس کی نظریں کھلی ہوئی تجویری پر جھی ہوئی تھیں۔

”لیکن....!“ حمید بولا۔ ”حملہ اور نے انہیں نظر انداز کر دیا۔“

اس نے تجویری کے سامنے فرش پر بکھرے ہوئے نوٹوں کی طرف اشارہ کیا ان کے قریب کچھ زیورات بھی تھے جن میں قیمتی پتھر جگہا رہے تھے۔

”تم اسے ذاکر نہیں کہہ سکتے۔“ فریدی نے کہا۔ ”دوسرے کروں میں بھی بہتر اقتنی سامان بکھرا ہوا کیجیتے آئے ہیں۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ صاف ظاہر تھا کہ حملہ آوروں کو کسی خاص چیز کی لاش تھی۔ ایسی چیز تھے کہ گلوں میں بھی چھپا جاسکتا تھا۔

آواز نہ سائی دی۔ وہ چند لمحے ساکت و سامت کھڑا رہا۔

حمدید مارچ لے کر واپس آگیا۔

برآمدے میں چار دروازے تھے۔ ان میں سے ایک کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔

کی روشنی ایک طویل راہداری میں پڑی اور جیسے تیواں اندر داخل ہوئے انہیں خراں کی آواز ملا۔ دی رہشنی کا دائرہ آواز کی سمت گھوم گیا بائیں میں طرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا اندر ایک ضعیف العر آدمی کے خڑائے گوئی رہے تھے۔

”تو کر....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔

اور وہ پھر آگے بڑھ گئے اس کے کمرے کے علاوہ انہیں ہر کمرے میں انتشار اور بد نظریہ آئی۔

آئی۔ صندوق کھلے ہوئے سامان بکھرا ہوا۔ حتیٰ کہ فرش پر بچھی ہوئی قالین تک الٹی پڑی نہ فریدی ہر کمرے کا ملبہ روشن کرتا جا رہا تھا۔

آخری کمرے میں حمید کو ٹیلی فون کے علاوہ ہر چیز نیلے رنگ کی نظر آئی نیلے پردے۔

فرنچ دروازوں پر نہ صرف نیلا پینٹ ٹھاکلہ اُن کے ششیں میں بھی نیلے ہی رنگ کے تھے دیواروں پر نیلے رنگ کا پالش تھا۔ اس نیلگوں طوفان میں اس چیز کو نظر انداز ہی کر کے جس پر اس کی نظر پہلے ہی پڑنی چاہئے تھی کرسیوں کے پہنچے ہوئے گدوں یا بکھری ہوئی چیزوں کی اُن سامنے کوئی اہمیت نہیں تھی یہ تازہ خون کا ایک بہت بڑا دھبہ تھا جو لکھنے کی بڑی میز کے نیچے فروٹ

جید کچھ نہیں بولا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی سمجھتی میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بولے یہ واقعہ

اُس پر اچاک نازل ہوا تھا وہ اس وقت آرام سے اپنے بستر پر خراٹے لے رہا ہوتا۔

اور جملہ آرہوں کو اپنے شکار سے زیادہ اُس چیز کی تلاش کی فکر تھی جس کے لئے انہوں

نے گھر میں اپنی پھیلائی ہے۔

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“ جید نے یونہی کچھ سوچے سمجھے بغیر زبان ہلا دی۔

”کیونکہ اُن کے اسی رجحان نے عرفانی صاحب کو فرار ہونے میں مدد دی۔“

”کیا مطلب!“ جید پوچنک ڈال۔ ”ابھی تو آپ کسی لاش کا تند کر رہے تھے۔“

”پہلا خیال غلط تھا۔“ فریدی چاروں طرف مجسمانہ نظروں سے دیکھتا ہو ملبولا۔

”مگر ہو سکتا ہے کہ جملہ آر لاش بھی اپنے ہمراہ لے گئے ہوں۔“ جید نے کہا۔

”نہیں کچھ نشانات اس بات کی تردید کرتے ہیں۔“ فریدی بولا۔ ”مثلاً.... اوہر آؤ۔....

اُس دروازے کا پردہ ہٹاؤ۔“

جید پردہ ہٹا کر کھڑا ہو گیا اور واقعی وہ نشان کسی اندر ہے آدمی کے لئے بھی واضح تھا۔

دروازے کے ایک بیٹ پر فرش سے تقریباً ڈرہ فٹ کی اونچائی پر خون کا ایک بڑا سادھہ تھا جس

سے تکلی ٹکلی کیلریں نیچے تک بہہ آئی تھیں۔

”گولی شاید پشت پر گئی تھی۔“ فریدی بڑی لامیا۔ ”وہ میز کے نیچے سے گھینٹتے ہوئے یہاں تک

آئے۔ کچھ ذیر دروازے سے تک لگائے ہوئے بیٹھے رہے.... پھر....!“

فریدی دروازے کی چیختی کی طرف دیکھنے لگا جو گری ہوئی تھی۔

”ہو سکتا ہے کہ وہ پھر اسی دروازے سے نکل گئے ہوں۔ ذرا تاریخ مجھے اٹھا دیتا.... اوہو....

یہ پھر آگئی۔“

فریدی کی نظریں بہرے نوکر پر جم گئیں جو دروازے میں کھڑا نہیں سہی ہوئی نظروں سے

دیکھ رہا تھا۔

جید آگے بڑھ کر اُس کے کان میں چیختنے لگا۔ بدقت تمام وہ اسے سمجھا بیا کہ اس کا مالک مرا

نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نکل گیا ہو اور اسے اپنے کمرے میں اس وقت تک خاموش بیٹھنا چاہئے۔

جب تک کہ پولیس نہ آجائے۔

”نوکر کو جگانا چاہئے۔“ جید نے کہا۔

فریدی کچھ سوچنا ہوا اس کی طرف مڑا۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر آہر۔

آہستہ دروازے کی طرف بڑھا۔

دونوں نوکر کے کمرے میں آئے وہا بھی اسی طرح خراٹے لے رہا تھا۔ فریدی نے نہ روشن کر دیا۔ جید اسے جنجنوڑ رہا تھا۔

”کیا ہوا.... کیا بات ہے۔“ بوزھا کھڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ”آپ کون ہیں۔“

پھر انہیں اسے سب کچھ سمجھانے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ چیختنے پیختے جید کا گلابیٹھ گیا۔

وہ اس کمرے میں لے آئے جہاں انہوں نے خون دیکھا تھا۔

بوزھے کی گھنٹی بندھ گئی۔

”صاحب... لگ... کہاں ہیں۔“ اس نے ہٹلا کر پوچھا۔

فریدی نے اسے اپنے فون والا واقعہ بتایا۔

”تو یہ.... صاحب کا.... خون!“ بوزھا کر بیاں انداز میں چینا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے“

چکر اکر گر پڑے گا۔ جید نے آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیا۔

تقریباً پندرہ میں منٹ تک اس کی حالت غیر رہی۔ کبھی وہ چپ چاپ آنسو بہاتا اور کبھی

چیختے لگتا۔ بڑی مثکلوں سے فریدی اسے گفتگو کرنے پر آمادہ کر رکا۔ اس نے بتایا کہ آج کو

ملاقاتی بھی نہیں آیا تھا اور وہ حسب معمول کاموں سے فراغت پانے کے بعد نوبجے سونے کے

لئے چلا گیا تھا۔

فریدی نے دو چار سوالات اور نکتے اور جوابات سے اس نے اندازہ لگایا کہ نوکر عرفانی کے

ذاتی معاملات میں دخل نہیں تھا۔

”بہتر تو یہی ہے کہ اس کو اس کو کمرے میں پہنچا دو۔“ فریدی نے جید سے کہا۔

جید کے جانے کے بعد وہ پھر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے دروازوں کے پر دے ہٹانے

دیواروں کو دیکھتا رہا اور پھر اسی میز کے قریب پلٹ آیا۔ جس کے نیچے خون کا دھبہ تھا۔

جید کی واپسی پر اس نے آہستہ سے کہا۔

”فائز کرنے کے فوراً بعد ہی کمرے کی روشنی گل کر دی گئی تھی۔“

فریدی دروازہ کھول کر دوسری طرف نکل گیا تھا۔ تو کرو داپس بھیج کر حمید نے بھی اس کی
تقلید کی۔

”دیر... ہو گئی۔“ عرفانی آہستہ بڑا رہا تھا۔ ”فف... ری... دی... دیر
ہو گئی... نن... اف... بیشل... بیک... نن... نن... بیشل بیک۔“

پھر اس کا سارا جسم تھر تھرانے لگا۔ اور... گردن ایک جھنکے کے ساتھ دوسری طرف
روشنی کا دائرہ دور تک فرش پر رینگتا ہوا چلا گیا اور پھر وہ سامنے والی دیوار پر گیا۔ فرا
گوم گئی۔

”عرفانی صاحب۔“ فریدی نے اُسے جھنجورا۔ ”عرفانی صاحب۔“

لیکن عرفانی ہمیشہ کے لئے خاموش ہو چکا تھا۔

شاید پدرہ یا بیٹیں منٹ تک وہ وہیں بت بنے کھڑے رہے۔

”پوپیں کے آنے تک لاش بیٹیں پڑی رہے گی۔“ بالآخر فریدی بولا۔

”لیا... معاملہ ہے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”بیشل بیک... آخراں کا کیا مطلب ہے؟“

”اس پر پھر غور کریں گے۔“ فریدی نے دوبارہ کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

حمد بھی اس کے پیچے تھا۔ لیکن اب اسے نیند نہیں ستاری ہی تھی۔

واردات والے کمرے میں پہنچ کر فریدی چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ پھر بولا۔

”آنہیں کسی چیز کی تلاش تھی اور وہ چیز دولت نہیں ہو سکتی ورنہ وہ ان نوٹوں اور زیورات کو
مالی کی خود رو جھائیں گی۔“ انداز میں مل رہی تھیں۔ فریدی سید حاکم اہو گیا۔ اب روشن
کا دائرہ ہلتی ہوئی جھائیوں پر پڑ رہا تھا۔

”کیا چیز ہو سکتی ہے۔“ حمید بڑا لایا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر کمرے کی چیزوں کو لئے پلٹنے کا
تمام۔

فریدی جھائیوں کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اور پھر انہوں نے ایک دردناک منظر دیکھا۔

”سونو...!“ فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ”ذراد کھو تو! کیا عرفانی صاحب کی قمیش کی جیب
بوجھا عرفانی جھائیوں کو اپنی مٹھیوں میں جکڑے ہوئے بے چینی اور کرب میں ہاتھ پیر خانہ محفوظ ہے۔“

فریدی کی تاریخ کی روشنی کرنے کے فرش پر پڑ رہی تھی۔

”بلاشہ وہ اس کرنے سے گزرے تھے... یہ رہا خون۔“

روشنی کا دائرة دور تک فرش پر رینگتا ہوا چلا گیا اور پھر وہ سامنے والی دیوار پر گیا۔ فرا

گوم گئی۔

”یہ دروازہ...!“ فریدی نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا۔

دوسرے لمحے میں دونوں پائیں باغ کے دامنے بازوں میں تھے۔ روشنی کا دائرة بڑی تیزی

تاریکی میں اور ہر اور گردش کر رہا تھا۔

پائیں باغ کی حالت ابتر تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہت عرصے سے اُس کی خبر نہیں لگا۔

کیا ریوں میں خنک پودے کھڑے تھے اور ہمہنگی کی باڑھیں بڑی بے ترتیبی سے اور ہر اور پیلی گا

تھیں۔ یہاں صرف خود رو جھائیاں سر بزد کھائی دے رہی تھیں، ورنہ ہر طرف خراں کارانچ قفل

”زمیں سخت ہے۔“ فریدی بڑا لایا۔ وہ جھکا ہوا قدموں کے نشانات تلاش کر رہا تھا۔

”وہ کیا...؟“ دفتا حمید چہا۔

مالی کی خود رو جھائیاں مجبوبی انداز میں مل رہی تھیں۔ فریدی سید حاکم اہو گیا۔ اب روشن

کا دائرہ ہلتی ہوئی جھائیوں پر پڑ رہا تھا۔ دفتا جھائیوں سے کسی آدمی کا ایک پیر باہر نکل آیا۔

جھائیاں بدستور ہلتی رہیں۔

فریدی جھائیوں کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اور پھر انہوں نے ایک دردناک منظر دیکھا۔

اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور چڑھہ ہر قسم کے تاثرات سے غاری تھا۔

”عرفانی صاحب۔“ فریدی بے اختیار اُس پر جھک پڑا۔

عرفانی کی آنکھیں کچھ اور کشادہ ہو گئیں۔

”میں فریدی ہوں عرفانی صاحب۔“ فریدی پھر چینا۔

”میں فریدی ہوں عرفانی صاحب۔“ فریدی پھر چینا۔

دفتا اپنا معلوم ہوا جیسے عرفانی ہوش میں آگیا ہوا س کے چہرے پر نہماہث دوڑ گئی۔

”کیا مطلب...؟“ حمید حیرت سے بولا۔

”چلو جلدی کرو۔“

”میں کچھ سمجھا نہیں۔ جیب محفوظ ہونے سے آپ کا کیا مطلب ہے۔“

”اوہ... دیکھو قمیش میں جیب موجود ہے یا نہیں۔“ وہ حمید کی طرف تاریخ بڑھاتا ہوا بولا۔

حمد چلا گیا۔ فریدی بڑی نیز کی درازیں کھول کر دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی بوجھے نوک کے

رونے کی آواز عمارت میں گونج اٹھتی تھی۔
تحوڑی دیر بعد حمید واپس آگیا۔

”شاید انہوں نے عرفانی صاحب کو بھی پالیا تھا۔“ حمید نے کہا۔
”کیوں....؟“

”ان کی ساری جیبیں اٹھی ہوتی ہیں انہیں اچھی طرح دیکھا گیا ہے۔“

”میں نے تمہیں قمیض کی جیب دیکھنے کو بھیجا تھا۔“ فریدی نے تیز لپجھ میں کہا۔
”قمیض کی جیب اپنی جگہ پر ہے۔“ حمید جھنجلا کر بولا۔

”تب تو....!“ فریدی حمید کے لپجھ کو نظر انداز کر کے بولا۔ ”یہ نکڑا کسی قمیض کا جیب؟
معلوم ہوتا ہے.... اور یہ دیتینگ کارڈ....!“

فریدی میز پر رکھے ہوئے کپڑے کے نکڑے اور ملاقاتی کارڈ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔
دونوں فرش پر ملے ہیں ملاقاتی کارڈ کپڑے کے نیچے تھا۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ خاصی جدوجہد بھی ہوئی ہے۔“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔
”یقیناً! اس کارڈ پر ہاتھ کی مضبوط گرفت کے نشانات ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”اور یہ کارڈ کسی جوزف پیٹر کا ہے جو سولہ نکس لین میں رہتا ہے۔“
”سراغ....!“ دفتار حمید کا چہرہ چمک اٹھا۔

”اب تم کو تولی فون کر سکتے ہو۔“ فریدی بڑا لیا۔
حمدیلی فون کی طرف بڑھا۔

”نبیں....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اسے یونہی رہنے دو۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اک
خان دلا میں صرف قاسم اور اس کی بیوی رہتے تھے اور ان کی ازدواجی زندگی بڑی تعلیم گذر رہی
تھی... اور اس کی تلخی کی بنیاد پہلے ہی دن سے پڑی تھی۔ وہ بھی قاسم کی حماقت سے کی بنا پر وہ
دوسری عمارت ہے وہاں فون ضرور ہو گا۔“

حمدی کے چہرے پر بچھا ہٹ کے آثار نظر آرہے تھے۔
”اوہ سمجھا! تم شب خوابی کے لباس میں کسی شریف آدمی کا دروازہ نہیں کھنکھانا چاہئے۔“

فریدی مسکرا کر بولا۔ ”خیر تم یہاں شہر و میں جاتا ہوں۔“
حمدی فریدی کے قدموں کی آواز متدارہ۔

گرانٹ میل احمد

دوسری صبح کے اخبارات نے عرفانی کے پر اسرار قتل کے متعلق بڑی موٹی سر خیال
چھائی تھیں۔ لیکن ایک بات حمید کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ آخر لاش کی دریافت کے سلسلے
میں اس کا اور فریدی کا نام کیوں نہیں لیا گیا تھا۔ اس کے بر عکس خبر کے مطابق لاش عرفانی کے
نکڑے دیکھی تھی اور اسی نے پولیس کو بھی منظع کیا تھا۔
کچھ بھی ہو یہ چیز کم از کم اس کے لئے پریشان کن تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ فریدی اس
کیس کو باقاعدہ طور پر اپنے ہاتھ میں لے چکا ہے۔

اس نے جھنجلاہٹ میں اپنے منہ پر دو چار تھپٹ لگائے اور اٹھ کر نکسل خانے کی طرف چلا گیا۔
آج اتوار تھا اور اس نے پروگرام بنایا تھا کہ اپنے گرانٹ میل احمد دوست قاسم کے ساتھ
چھلپوں کا شکار کھیلنے جائے گا۔ حالانکہ فریدی نے ابھی تک اُسے کسی کام میں نہیں گھسینا تھا پھر بھی
اسے اپنے موڈ کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ آج جل اس کا موڈ بڑا اچھا تھا اور وہ دون
رات ٹی نی شرارتوں کی ایجاد کے چکر میں رہتا تھا۔

اس نے بڑی تیزی سے شیو کیا۔ کپڑے تبدیل کئے اور ناشتے کی پودا کئے بغیر گھر سے نکل
گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ناشتے کی میز پر فریدی کوئی نہ کوئی کام ضرور اس کے سپرد کر دے گا۔

اس کا موڑ سائکل بڑی تیزی سے قاسم کی اقامت گاہ خان والا کی طرف جا رہی تھی۔ قاسم کا
باپ خان بہادر عاصم شہر کے بہت بڑے سرمایہ داروں میں سے تھا اور قاسم اس کا اکلوٹا لڑکا تھا۔

خان دلا میں صرف قاسم اور اس کی بیوی رہتے تھے اور ان کی ازدواجی زندگی بڑی تعلیم گذر رہی
تھی... اور اس کی تلخی کی بنیاد پہلے ہی دن سے پڑی تھی۔ وہ بھی قاسم کی حماقت سے کی بنا پر وہ

اپنے دوستوں میں گرانٹ میل احمد کے نام سے مشہور تھا۔ لوگوں کا خیال تھا اس کے جسم کی نشوونما
کے ملے میں بچاری عقل نداہنگی رہی تھی اور آخر میں جسم ہی جسم رہ گیا عقل صاف ہو گئی۔

بہر حال قاسم شادی ہو جانے کے بعد بھی اکثر اپنا سر پیٹ پیٹ کر کہا کرتا تھا کہ میں اب
بھی کووار ہوں۔ یہ مسئلہ اس کے دوستوں کے لئے خاصی دلچسپی کا موضوع تھا۔

حول گول دیدے پھر اکر بولا۔ ”انہوں نے کرسیوں کے گدے تک پھاڑا لے کیا چیز ہو سکتی ہے؟“ وہ سوالیہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”صلی سلا جیت۔“ حمید سجدی گی سے بولا۔ پھر گزر کرنے لگا۔ ”ناشہ میں کتنی دیر گے؟“

”یاد یہ سلا جیت کیا چیز ہے؟“ قاسم نے موضوع ٹفتگو بدل دیا۔ اُس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا بلکہ یہ اُس کی عادت تھی۔ کوئی ایک بات شروع کر کے وہ بیشہ ضمیمات میں الجھ جایا کرتا تھا۔

”میں ناشہ کی بات کر رہا تھا۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں پہلے سلا جیت ایں بچپن ہی سے اس کے اشتہرات اکثر رسائل میں دیکھتا آ رہا ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا چیز!“

”بیوی سے پوچھنا۔“

”ماش میں پوچھ سکتا۔“ قاسم گہری سانس لے کر بولا۔ ”چھوڑو حمید بھائی اس تذکرے کو۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ عرقانی کے پاس کوئی ہیرا تھا۔ بہت بڑا.... شاید مرغی کے اٹھ کے برابر۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ تربوز کے برابر رہا ہو۔“ حمید جھنپھلا کر بولا۔ ”لیکن میں نے ابھی تک ناشہ نہیں کیا۔ اب میں جا رہا ہو۔“

”اگرے نہیں..... ہی، ہی، ہی۔“ پہلے تو قاسم ہنا پھر یہ بیک اُسے غصہ آگیا۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہ بیوی سالی اس قابل ہے کہ اسے برف کے پانی میں غرق کر دیا جائے۔

اربے بھوک کے مارے میری جان بھی لٹکی جا رہی ہے۔ ہر معاملے میں تاگ اڑا تی ہے۔ اب وہ بادرپی سے الجھ رہی ہو گی.... آؤ چلو...!“

وہ دونوں کھانے کے کمرے میں آئے۔ میر خالی پڑی تھی۔ قاسم اُسے دونوں ہاتھوں سے پہنچتا ہوا چینچنے لگا۔ ”کہاں مر گئے سب۔ ابھی تک ناشہ...!“

وھٹا ایک نوکر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔

”ابے اوبتا شے کی اولاد.... ناشہ۔“ قاسم طلق پھاڑا کر چینا۔

”وہ.... بیگم صاحب۔“ نوکر ہٹلایا۔

”بیگم صاحب کو فرائی پان میں ڈالو۔ میں کہتا ہوں ناشہ۔“

قاسم نے حمید کو دیکھ کر ایک گھن گرج قسم کا قہقہہ لگایا۔ صبح کا اخبار دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اسے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

”انتے سویرے! بھی تو محچیاں ناشہ سے بھی فارغ نہ ہوئی ہوں گی۔“

”لیکن میں نے ابھی ناشہ نہیں کیا۔“

”بڑی خوشی ہوئی۔“ قاسم ہس کر بولا۔ ”تو پھر تو میرے ساتھ ناشہ کرو۔“

قاسم کسی نوکر کا نام لے کر چینچنے لگا۔

”ارے تم! گدھوں کی طرح چینچنے ہوئے شرم بھی نہیں آتی۔“

”پھر کیا کرو! اب اٹھے کون۔“

”گھنٹی کیوں نہیں رکھتے۔“

”گھنٹی!“ قاسم جھینپ کر بولا۔ ”مجھے گھنٹی بجاتے ہوئے شرم آتی ہے۔“

چلا گیا۔

”میا صلح ہو گئی بیوی سے۔“ حمید نے پوچھا۔

”اس تذکرے کو نہ چھیڑو حمید بھائی۔“ قاسم غمگین آواز میں بولا۔ پھر انبار حمید کے سامنے رکھ کر ہنسنے لگا۔ حمید نے اسے گھور کر دیکھا۔

”مجھے سراغ رسانی سے دلچسپی ہو چلی ہے۔“ قاسم نے کہا۔ ”اس قتل کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“

”اچھا تو آپ بھی مجھے بور کریں گے۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ”ابے اسی وجہ سے تو میں گھر سے بھاگا ہوں۔“

”نبیس لا قسم حمید بھائی! اگر تم تھوڑی سی مدد کرو تو میں سراغ رسان بن سکتا ہوں۔“

”شٹ اپ....!“

”اچھا سنو! میں نے کیا رائے قائم کی ہے۔“

”بکو...!“ حمید بیزاری سے بولا۔ اُس کی بھوک چک انھی تھی۔

”اخبار والوں نے لکھا ہے کہ قاتلوں کو کسی چیز کی تلاش تھی۔“ قاسم مفکرانہ انداز میں اپنا

میز پر ناشتہ چن دیا گیا۔ قاسم کے سامنے بکرے کی ایک مسلم ران اور ایک پورا مرغ تھا۔

”ہائیں.... خود تیار کر رہی ہیں۔“ قاسم آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”ابے میں طوہ کب سے جید کو اس پر حیرت نہ ہوئی کیونکہ وہ اس کی خوراک سے بخوبی واقف تھا۔

”آپ کے لئے تو پھر درسری کا سامان مہیا ہو گیا۔“ قاسم کی بیوی نے حید سے کہا۔

”میں نہیں سمجھتا۔“

”یا آپ نے آن کا اخبار نہیں دیکھا۔“

”اوہ.... مجھے اُس قتل سے کوئی سروکار نہیں۔ مجھے میں اکیلے ہم ہی تو نہیں ہیں۔“

”ہاں تو حید بھائی۔“ قاسم بکرے کی ران اور ہیڑتا ہوا بولا۔ ”میں یہ کہہ رہا تھا کہ....“

قائموں کو اُسی ہیرے کی تلاش تھی اور وہ اُسے لے گئے۔ دوچار قتل ابھی اور ہوں گے۔“

”یا آج کل تم منٹی تیر تھرام کے ترجیح پڑھ رہے ہو۔“ حید نے پوچھا۔

”ہائیں! تمہیں کیسے معلوم ہوا۔“ قاسم آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”الا قسم تم سو فیصدی سراغ

رسال ہو۔ کیا نام تھا اس کا... ماں... دی، ہمارا ک شومر.... تم تو اس سے بھی آگے بڑھ گے۔“

”شر لاک ہومز...!“ قاسم کی بیوی نے تصحیح کی۔

”تمہارا ک شومر...!“ وہ گوشت اور ہیڑتے اور ہیڑتے رک کر اپنی بیوی کو گھورنے لگا۔

”آپ سمجھائیے۔“ اس کی بیوی نے حید سے کہا۔

”میں کوئی پچھہ ہوں۔“ قاسم دھاڑنے لگا۔ ”مجھے کون سمجھائے گا۔“

”آپ کی یادداشت اس قابل نہیں ہے کہ اس پر پھر وسا کیا جائے۔“ بیوی نے اسے چڑھایا۔

”کیا...؟“ قاسم حلق پھاڑ کر چینا۔ ”ابے او... شکورا... مل سے ہمارا ناشتہ الگ لگے گا۔“

”جلدی کرو یار... ورنہ پھر شکار۔“

”شکار...!“ قاسم کی بیوی نے حید کی بات کاٹ دی۔

”جی ہاں! ہم لوگ آج مچھلیوں کا شکار کھلیں گے۔“

”میں بھی چلوں گی۔“

”ضرور... ضرور...!“ قاسم نہ اسامنہ بنا کر بولا۔ ”آپ کے بغیر بھلا خاک شکار ہو گا۔“

”میں آپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔“

”لیا حرج ہے! ضرور چلتے۔“ حید نے کہا۔

”سر کاری.... وہ خود طوہ تیار کر رہی ہیں۔“

”ہائیں....“

”خود تیار کر رہی ہیں۔“ قاسم آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”ابے میں طوہ کب سے جید کو اس پر حیرت نہ ہوئی کیونکہ وہ اس کی خوراک سے بخوبی واقف تھا۔“

”میرے لئے تیار کر رہی ہوں گی۔“ حید مسکرا کر بولا۔ اور قاسم اُسے قہر آؤ د نظر وہ سے

”گھور کر رہا گیا۔“

”ابے تو جو کچھ تیار ہو دیں تو۔“ قاسم گر جا۔

”نوكر چلا گیا۔“

”اسی لئے تو وہ تم سے گھبرا تی ہے۔“ حید نے کہا۔

”وہ کیا اس کا باپ بھی مجھ سے گھبرا تی ہے۔“ قاسم اکٹھا کر بولا۔ ”میں نے تو چاہا تھا کہ وہ اپے

باپ کے پاس چلی جائے لیکن وہ اسے بھی نہیں منظور کرتی۔“

”و غعنما قاسم کی آواز گلو گزیر ہو گئی۔“ حید بھائی۔ میں کنوار اسی مر جاؤں گا۔“

”شہزاد کا درجہ ملے گا تمہیں۔“ حید لا پرواہی سے بولا۔

”میں ہر گز کنوار انہیں مر سکت۔“ قاسم پھر پھر گیا۔ ”میں ایک آدھ کالج... خون...!“

”وہ اچانک خاموش ہو گیا کیونکہ اس کی بیوی کر رے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے پیچے

ناشستہ کی ٹڑالی تھی۔ وہ حید کو دیکھ کر بڑے دلاؤ بزندگی میں مسکرا لی۔ وہ حقیقتاً ایک پیاری سی گلزاری تھی۔ دلی پتلی نازک اندام! اور کافی خوبصورت بھی۔ قاسم اور اس کا جوڑ دراصل پھاڑ اور گلہری کا

بیوند تھا۔

”معاف کیجئے گا۔ آپ لوگوں کو انتظار کرنا پڑا۔“ اس نے کہا۔

”کوئی بات نہیں ظاہر ہے کہ آئیم بڑھ گئے ہوں گے۔“ حید مسکرا کر بولا۔“

”قاسم آپ کا بڑی تعریف کر رہے تھے۔“

”اگر ایسا ہے تو مجھے خود کشی کر لئی چاہئے۔“ قاسم کی بیوی نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیا...؟“ قاسم اس طرح اچھلا جیسے پکھونے ڈنگ مار دیا ہو۔

”میں نے آپ سے تو کہا نہیں۔“

”آئی ایم ساری...!“ قاسم مسمی صورت بنا کر رہا گیا۔

”اچھی بات ہے۔“ وہ اُسے دھنکاتی ہوئی بولی اور کمرے سے چلی گئی۔ قاسم بدحواسی میں طرح طرح کے منہ بنا کر اُسے جاتے دیکھتا رہا۔

”لے چوتا...! آخر کیا حرج ہے۔“ حمید اُس کے کانہ سے پرہا تھر رکھتا ہوا بولا۔
”یار حمید بھائی! مجھے توموت بھی نہیں آتی ہے۔“ قاسم نے بے نی سے کہا۔
”او قاسم! مدد گھن! اندھا تجھے تجھے غارت کرے۔ ارے تم اس قسم کی باتیں کرتے ہو۔“

”کیوں...؟“ قاسم کو پھر غصہ آگیا۔
”انتے تھم شیخم اور طاقت ور آدمی ہو کر عورتوں کی طرح خود کو کوستے ہو۔“

”عورتوں کی طرح؟“ قاسم جھینپ کر بولا۔
”چلو جلدی کرو! ساری تفریخ بر باد ہو گئی۔“

”ہاں اور کیا۔“ قاسم جلدی سے بولا۔ پھر آہستہ سے کہنے لگا۔ ”ابا جان سے ضرور شکایت کہتی تھی اور قاسم دنیا میں اپنے باپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔
اچاک ایسا معلوم ہوا جیسے قاسم کی روح فنا ہو گئی ہو۔ قاسم کی بیوی اُس کے باپ کو پچا جان کر دے گی۔“

”تو کیا ہو گا۔“

”گڑبڑ ہو گی۔ بڑی گڑبڑ ہو گی حمید بھائی۔“

”ابے چل! میں تجھے کسی سر کس میں تو کری دلوادوں گا۔“
قاسم بوكھلانے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔

تحوڑی دیر بعد قاسم گیرج سے اپنی کار نکال رہا تھا پھر جب کار کپاٹ سے باہر جانے لگی تو
قاسم کی بیوی نے نہایت اطمینان سے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ قاسم اور حمید
اگلی سیٹ پر تھے۔

”میں نہیں جاؤں گا۔“ قاسم کا روک کر مچل گیا۔ اور حمید نے قہقہہ لگایا۔
”جانا پڑے گا۔“ بیوی بولی۔ ”اور بوریت ساتھ جائے گی۔“

”اڑے میں اپنا الفاظ و اپس لیتا ہوں بابا۔“ قاسم نے اپنی پیشانی پرہا تھر مار کر کہا۔
”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں بوریت نہیں ہوں۔“ اُس کی بیوی نے سمجھ دی سے پوچھا۔
”نہیں! نہیں! نہیں!“

”تو پھر مجھے لے چلنے میں کیا قباحت ہے۔“

”میں نہیں جاتا۔“ قاسم جھنجلا کر بولا۔

”تو پھر پروگرام کیوں بنایا تھا۔“ حمید بھی گزر گیا۔

”کیا پروگرام بنایا تھا۔“ قاسم اُسے گھور کر بولا۔ ”بھی کہ ایک بوریت بھی ساتھ لے چلیں گے،

”میں بوریت ہوں۔“ قاسم کی بیوی نے اُسے لکارا۔

”بھی ہاں! آپ بوریت ہیں۔“

”آپ کو شرم آنی چاہئے۔“ اُس کی بیوی کا لبچ کچھ اور تیز ہو گیا۔

”نہیں آنی چاہئے... آپ بوریت ہیں۔“

”میں ابھی پچا جان کو فون کرتی ہوں۔“ قاسم کی بیوی سطے روہانی آواز میں کہا۔

اچاک ایسا معلوم ہوا جیسے قاسم کی روح فنا ہو گئی ہو۔ قاسم کی بیوی اُس کے باپ کو پچا جان

کہتی تھی اور قاسم دنیا میں اپنے باپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔

قاسم ہو نہیں پر زبان پھیر کر رہا گیا۔ وہ ناشتہ کر چکے تھے اور تو کر بر تن اٹھا کر ٹرالی میں رکھ رہا تھا۔

”آپ کو اپنے الفاظ و اپس لینے پڑیں گے۔“ اُس کی بیوی بڑھ جائی۔

قاسم کچھ نہ بولا۔ وہ چھت کی طرف دیکھ رہا تھا اور حمید کو اُس کی بگڑی ہوئی حالت پر نہیں

آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے قاسم کوئی مشین ہو اور اچاک اُس کا کوئی پر زہ ٹوٹ گیا ہو۔

”آپ اپنے الفاظ و اپس لیجئے۔“ قاسم کی بیوی اُسے گھور کر بولا۔

”حمدی بھائی۔“ قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم ذرا دوسرے کمرے میں چلے جاؤ۔“

”کیوں.... خیریت۔“ حمید نے شرارت آیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”مم.... میں.... اپنے الفاظ و اپس لوں گا۔“

”نہیں! حمید بھائی کے سامنے۔“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتی ہوئی بولی۔ ”آپ نے ان کے

سامنے میری توہین کی ہے۔“

”میں واپس لے لوں گا۔“ قاسم غرایا۔ ”ابھی نہیں مجھے جلدی ہے۔“

”نہیں ابھی! ورنہ میں پچا جان۔“

”کر دو فون۔“ قاسم حلچاڑ کر چینا۔ ”میں کسی سے نہیں ڈرتا۔“

”ارے.... مارڈالو.... مجھے مارڈالو۔“ قاسم اپنی نائی سے اپنا گلا گھونٹنے لگا حمید نے بدق
تمام اُس کے ہاتھوں سے نائی کے دونوں سرے چڑایے۔
”تو آپ نہیں لے جانا چاہتے مجھے۔“
”نہیں! ہرگز نہیں۔“
”میں خوب سمجھتی ہوں۔“ وہ چڑ کر بولی۔ ”چھلکی کے شکار کا بہانہ ہے اور میں دعوے سے کہ
سکتی ہوں کہ یہ شکار کی شور بیداغ کلب کے گھاث کے قریب کھیلا جائے گا جہاں ایگلوائیں
لڑکیاں لگوٹی باندھ کر نہاتی ہیں۔“

”لگوٹی.... ارے لا حول ولا.... توبہ۔“ قاسم ہکلایا۔ ”لگوٹی نہیں سو سمنگ ڈر لیں۔“
”اُردو میں اُسے لگوٹی ہی کہیں گے۔“ اس کی بیوی بولی۔
”ہرگز نہیں! لگوٹی بالکل الگ چیز ہے اس میں اوپر کا حصہ کہاں ہوتا ہے۔“
”ہوتا ہو! ایسا ہو! ہر حال شکار کا بہانہ ہے۔“
”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“ حمید نے صفائی پیش کی۔
”معاف سمجھ گا حمید بھائی۔ آپ ہی انہیں بر باد کر رہے ہیں۔“ وہ نہ اسامنہ بن کر بولی۔
”اے.... اے.... اغ.... الا قسم۔“ قاسم ہکلایا۔ ”حمید بھائی تو مجھ سے کہتے ہیں کہ نہ
پڑھا کرو۔“

”میں انہیں آپ سے زیادہ جانتی ہوں۔“
”ہمیں اکیا مطلب!“ قاسم حمید کو گھوڑنے لگا۔ کبھی وہ اپنی بیوی کو گھوڑتا تھا اور کبھی حمید کو
بالآخر اس نے کہا۔ ”کیوں حمید بھائی میں کیا سن رہا ہوں۔“
”جید کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔“ قاسم کی ذہنی روکو بیکثتے در نہیں لگتی تھی وہ اپنی بیوی
کے اس جملے کو نہ جانے کیا سمجھ بیٹھا ہو۔
”بولتے کیوں نہیں۔“ قاسم حلق پھاڑ کر چیخنا۔ ”یہ تمہیں کس طرح جانتی ہے۔“
”اپنی زبان سنجا لئے۔“ قاسم کی بیوی بھی چیخنی۔
”قاسم کا رسے اُتر گیا۔“
”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“ حمید نے کہا۔

”ہوش کی ایسی تیسی۔ تم بتاؤ مجھے یہ تمہیں کس طرح جانتی ہے۔“
”میں کیا بتاؤ۔ انہیں سے پوچھ لو۔“ حمید کو بھی آرہی تھی۔
”ٹھیک ہے....! وہ اپنی بیوی کی طرف مژا۔“ تم کس طرح جانتی ہو اُنہیں۔
”دماغ ٹھیک ہے یا نہیں۔“ اس کی بیوی گرج کر بولی۔ ”آپ کیا سمجھتے ہیں؟“
”میں تو کچھ نہیں سمجھتا۔ تم بتاؤ کیسے جانتی ہو۔“
”چھوڑیا۔“ حمید نے پھر دخل اندازی کی۔ ”چھلیاں....!“
”چھلیاں گیکس جہنم میں.... میں برا خراب آؤں ہوں۔“
”چھا تو پھر....!“ حمید سنجیدہ بن کر بولا۔
”تو پھر....؟“ قاسم اُسے گھوڑنے لگا۔ ”اگر مجھے بہوت مل گیا تو تمہیں زندہ فن کر دوں گا۔“
”کیا بک رہے ہیں آپ اپنی زبان سنجا لئے۔“ قاسم کی بیوی حق پڑی اور پھر وہ نہ جانے کیا کیا
بڑھاتی کار سے اُتر کر اندر چل گئی۔ حمید کو اب تری طرح غصہ آکیا تھا۔ لیکن قاسم پر قابو پاتا
آسان نہیں تھا۔ وہ اب بھی نیچے کھڑا حمید کو قبر آکوں نظر وہیں سے گھوڑ رہا تھا۔
”غناہ حمید کو اس کی دسمتی ہوئی ریگ یاد آگئی۔“
”تم بالکل عورتوں کی طرح ٹھکی ہو۔ لا حول ولا قوہ۔“ حمید نہ اسامنہ بن کر بولا۔
”عورتوں کی طرح۔“ قاسم مل کھا کر رہا گیا۔
”عورتوں سے بھی بدر! تمہیں شرم آئی چاہئے ٹھیک ہے تم اسی قابل ہو کہ وہ تم سے نفرت
کرے تم نے اس وقت حق مجھ اُس کی توہین کی ہے۔“
”قاسم اُسے احقوں کی طرح دیکھتا ہا پھر ایک جھپنی جھپنی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر
نگوار ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بہانہ تراشا نہ چاہتا ہو۔ اور حقیقتاً ہی ہوا بھی تھا۔
”تو پھر بتاؤ۔“ وہ ہستا ہوا بولا۔ ”کس طرح پیچھا چھڑا۔ ساری تفریخ بر باد ہو کر رہ جاتی۔“
”نہیں جاؤ معافی ما نگو اُس سے۔“
”معافی! ہرگز نہیں.... قیامت تک نہیں۔“
”اگر اس نے تمہارے باپ سے شکایت کر دی تو۔“
”یہ تم کیوں! میری تفریخ بر باد کرنا چاہتے ہو۔“ قاسم بڑھا تا ہوا کار میں بیٹھ گیا۔ ”آج پڑے

نہیں کس کامنہ دیکھا تھا۔ ٹھیک یاد آیا... بیگم پارا کی تصویر تھی... یار ہے بڑی کراپی عورت۔“

سو بیمنگ کلب

سی شور سو بیمنگ کلب کا گھاٹ صرف مبروعوں کے لئے تھا اور دونوں اُس کے باقاعدہ مبڑ تھے آج چونکہ اتوار تھا اس لئے یہاں خاصی بھیڑ تھی اور خاص طور سے غیر ملکی لوگ زیادہ تر آ رہے تھے۔

قاسم گھاٹ پر پہنچتے ہی ہاتھ سے نکل گیا۔

”حمد بھائی! لا! قسم بڑی بھگڑی ہے۔“ وہ اپنے ہونوں پر زبان پھیرتا ہوا بڑا ہے۔ اشارہ ایک ایسی عورت کی طرف تھا جو سو بیمنگ ڈریس میں کسی پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہوئے مینڈک کی طرح لگ رہی تھی۔

اس بھیڑ میں شاید قاسم ہی کا سب سے زیادہ قد آور جسم تھا اس لئے سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ حید کو بڑا لف آرہا تھا لیکن اس کی نیز تفریح زیادہ دریکٹ برقرار رہ کی کیونکہ اچاک اس بھیڑ میں اُسے ایسا چہرہ و کھائی دیا جس سے بھاگ کر وہ یہاں آیا تھا۔ یہ فریدی کا چہرہ تھا حید اس کی نظریوں سے بچنے کی کوشش کرنے لگا وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کا یہاں کیا کام؟ کیونکہ وہ اس قسم کی تفریحات میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا تھا حالانکہ وہ ایک ماہ تیراک تھا لیکن عمل کے لئے کبھی عمل خانے سے باہر قدم نہیں نکالتا تھا اسے اپنے جنم کی نمائش سے دلچسپی نہیں تھی پھر آخر وہ یہاں کیوں آیا تھا؟

حمد بچارہا لیکن آخر فریدی کی نظر اس پر پڑی گئی اور خلاف توقع حید نے اس کے چہرے پر جھنجھلاہست کے آثار کے بجائے مسکراہست دیکھی۔ ایک معنی نیز مسکراہست پھر فریدی نے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

”مجھے توقع نہیں تھی کہ تم یہاں مل جاؤ گے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”چلے میں بھول جاؤں گا کہ آپ مجھے یہاں ملے تھے۔“ حید نے اسے آنکھ مار کر کہا۔

”کہنے کس لڑکی کی تالکیں پسند آئیں۔“

”اے تو کیا میں....!“

”صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں....!“ حید نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”آپ بھی آخر

آدی عالیہں.... لیکن یوں چھپ چھپ کر.... میرے خیال سے اس کی ضرورت نہیں۔“

”سنو! فرزند میں یہاں تالکیں دیکھنے کے لئے نہیں آیا۔ میں گوشت خور ضرور ہوں۔ مگر

آدم خور نہیں کو اس بند کرو اور کام کی باتیں کرو۔ اُس بھوری مونچھ والے انگریز کو دیکھ رہے ہوتا

اور وہ عورت جس نے ٹیپوں دار سو بیمنگ ڈریس پہن رکھا ہے۔“

”ٹھہریے۔“ حید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”وہ جوزف پیٹر تو نہیں ہے۔“

”تم ٹھیک سمجھے اور وہ عورت اُس کی بیوی ہے۔“

”وہ تو سب ٹھیک ہے۔“ حید برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”میا آپ جانتے ہیں کہ میں بھوکا پیاساگر

سے کیوں بھاگا تھا۔“

”اچھی طرح۔“ فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہست نمودار ہوئی۔ ”لیکن یہ تمہاری

بفتی ہے کہ کام تمہارا اچھا نہیں چھوڑتا اگر تم اس وقت جہنم کا بھی رخ کرتے تو میں تمہیں

دیں ملتا۔“

”مجھے یقین ہے.... اور میں جان بوجھ کر اُدھر کا رخ نہ کرتا۔“

”خیر چھوڑو.... تمہیں کم از کم دو گھنٹے تک ان دونوں کو نہیں روکنا ہے۔“ فریدی جیب سے

سگار کیس نکالتا ہوا بولا۔

”کیوں....؟“

”میں ان کے مکان کی بے ضابطہ تلاشی لینا چاہتا ہوں۔“

”لیکن آپ کا خیال ہے کہ وہ کل رات کو عرفانی کے مکان میں تھا تھا۔“

”نہیں وہ کمی تھے لیکن تم نے یہ سوال کیوں کیا....؟“

”غائبًا آپ اسی چیز کے لئے تلاشی لینا چاہتے ہیں جو وہ عرفانی کے مکان سے لے گئے اگر وہ

لکھ تھے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز جو زوف ہی کے مکان پر مل جائے۔“

”کسے بھوک پر چھوڑو.... اچھا تو میں چلا۔ خیال رکھنا۔ دو گھنٹوں سے قبل وہ سولہ کنکس لیں

میں داخل نہ ہونے پائیں۔“

باص میں تو وہ بالکل چینی کی گزیا معلوم ہو رہی تھی جو زف کی توجہ اس کی طرف نہیں تھی وہ پانی میں چھپتا ہوئی کرنوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ میمیا قاسم کے پہاڑ جیسے جسم کو گھور رہی تھی۔ ایکی وہی نہیں گھاث کی ورجنوں نگاہوں کا سر کر قاسم ہی تھا۔

حید اپنے پاپ میں تمباکو بھرتا ہوا سوچ رہا تھا کہ کاش قاسم یوں قوف اور ڈرپوک نہ ہوتا..... کاش اس میں عورتوں سے گفتگو کرنے کی صلاحیت ہوتی عورتوں کے معاملہ میں تو وہ ضرورت سے زیادہ ڈرپوک واقع ہوا تھا وہ کبھی کسی عورت سے گفتگو کرنے میں پہل نہیں کر سکتا تھا اور نئی جان پیچان والی عورتوں سے گفتگو کرتے وقت تو اُس بُری طرح اس کی سائنس پھوک لگتی تھی جیسے وہ کسی پہاڑی پر چڑھ رہا ہوا الفاظ زبان سے ادا ہونے کے بجائے حلن سے نکلنے لگے تھے اور اُسے بار بار تھوک گھٹا پڑتا تھا۔

حید یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے دفعتاً ایک عجیب وضع کا انگریزد کھائی دیا اُس نے اپنے سر پر بارس کے پنڈتوں کی سی ڈردرگی کی گپڑی باندھ رکھی تھی لیکن یقین لیا جس کا ساتھ اس کا ساتھ سب کو جانتا تھا۔ کلب کے دوسرا ممبروں کے متعلق حید کی معلومات واجبی ہی کی تھیں جس میں پانی جاتی ہے.... وہ بڑے شاملاں انداز میں آہستہ چلتا ہوا اُسی چھتری کی طرف جا رہا تھا جس کے نیچے جو زف اور میمیا بیٹھے ہوئے تھے۔

”قاسم....!“ حید یک بیک بولا۔ ”کیا تم اسے بھی جانتے ہو۔ میں نے پہلے بھی نہیں دیکھا۔ قاسم اسے دیکھ کر بے تھا شہر بہنے لگا پھر بولا۔ ”پنڈتوں کی نقل کرتا ہے سالا مگر حید بھائی بڑا خوش قسمت ہے.... ایسی حسین حسین لوٹھیوں کے ہاتھ اس کے ہاتھوں میں آتے ہیں کہ بُل۔“ قاسم اپنے ہونٹ چائے لگا۔

”وہ کس طرح؟“ حید نے پوچھا۔

”ہاتھ دیکھ کر قسمت کا حال بتاتا ہے۔“

”کیا تم نے اسے بھائی اکثر دیکھا ہے۔“

”بھی بھی دکھائی دیتا ہے....“ قاسم بولا۔ ”وہ دیکھو لوٹھیوں کے پرے کے پرے اس کے پیچے کھکے گئے ہائے ہائے الاقسم کیا مقدر ہے اور اپنی قسم تو شاکن مسور کی دال سے لکھی ہوئی ہے۔ آج میں بھی اس سالے کو اپنا ہاتھ دکھاؤں گا۔“

فریدی نے سگار سلکایا چند لمحے زمین پر نظریں جائے کچھ سوچتا رہا پھر دفعتاً اپس جانے کے لئے مزگیا۔ حید کے لئے یہ مسئلہ تشویش ناک تھا وہ کس طرح انہیں روکے رکھتا۔ اُس نے قاسم کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جو اس دوران میں کہیں چلا گیا تھا۔ حید نے سوچا ممکن ہے وہ کلب کی عمارت کے اندر چلا گیا ہو وہ وہیں ٹھہر کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اُس کی نظریں جو زف پیڑ اور اس کی بیوی کے تعاقب میں تھیں جو زف پیڑ چالیں پیٹتا ہیں سال ڈائیک دبل پتلا آدمی تھا لیکن چال ڈھال سے کمزور جسم والا نہیں معلوم ہوتا تھا اور اس کی بیوی؟ اس کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہو گا کہ حض اس کی وجہ سے حید نے اتنے بخت ہے دل سے ان ذنوں پر نگاہ رکھنے کا وعدہ کر لیا تھا ورنہ وہ آج کسی سر کاری کام کے موذ میں بالکل نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد قاسم کلب کی عمارت سے نکلا ہوا کھائی دیا۔ اُس نے پیرا کی کا لباس پہن لیا تھا حالانکہ اسے تیرنا بالکل نہیں آتا تھا اور نہ اُس نے کبھی پانی میں قدم رکھنے کی ہمت ہی کی تھی۔ دیے دہ اس کلب کا باقاعدہ مجرم تھا اور یہاں کے سارے مجرموں سے بخوبی واقف تھے اور وہ گھا سب کو جانتا تھا۔ کلب کے دوسرا مجرم کی متعلق حید کی معلومات واجبی ہی کی تھیں بہتروں کو وہ بالکل ہی نہیں جانتا تھا۔

”قاسم....!“ حید جو زف پیڑ کی بیوی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”وہ کون ہے؟“ ”کیوں؟ ہے نا.... زوردار... کتنی گھڑی ہے۔“ قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ”کیا تم اسے جانتے ہو؟“

”کیوں کہتے ہو۔“ حید نے حیرت سے کہا۔ ”کیا وہ تم سے بے تکلف ہے۔“ ”نہیں تو.... آج تک گفتگو بھی نہیں ہوئی میں.... یونہی بس دل ہی دل میں پوکھتا ہوں۔“

”ہوں.... اور وہ اس کے ساتھ بھوری موچھوں والا کون ہے۔“ ”وہ اس کا شوہر جو زف ہے کاش میں بھی شوہر ہوتا۔“ ”کسی فیل زادی کے۔“

قاسم نے کوئی جواب نہ دیا وہ بڑی توجہ اور لگاؤث سے میمیا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ”میمیا جو زف ریت پر چٹائی کی چھتری کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ میمیا کافی حسین تھی اور تیر اکی

پنڈت نما انگریز جوزف کی چھتری کے نیچے پہنچ کر رک گیا اور اس کی بیوی نے اسے دیکھ رکھی طرح کی آواز نکالی جو زف، بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کے اس روئے کا حرک احترام کا جذبہ نہیں بلکہ خوف تھا۔

پنڈت نما انگریز نے اس کی بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کچھ بڑا ناشروع کیا۔ اس کے نظر میں ہتھیلی پر جبی ہوئی تھیں اور ہونٹ آہستہ آہستہ مل رہے تھے۔ ساتھ ہی جوزف کے چہرے پر خوف کے آثار اور زیادہ گھبرے ہوتے جا رہے تھے۔

دوسری لڑکیاں اس انگریز جو تیزی کے گرد اٹھا ہوئے تھیں۔

حمید نے دیکھا کہ جوزف بڑی تیزی سے اپنا سامان سمیٹ رہا ہے۔
”دیکھ رہے ہو حمید بھائی۔“

”قاسم...!“ حمید بوکھلانے ہوئے لجھے میں بولا۔ ”کیا یہ اپنی کار پر آئے ہیں۔“

”ہاں....!“

”کار پیچانتے ہو۔“

”ہاں کیوں نہیں۔ سرخ رنگ کی اسپورٹس کار ہے اور جب وہ سرخ رنگ کے اسکرت میں

اُس پر ٹیکھتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میر بھوٹی پر بیر بھوٹی سوار ہو۔“

”چلو! مجھے اس کی کار دکھاؤ۔“ حمید قاسم کا ہاتھ کپڑا کر کھینچتا ہوا بولा۔

دونوں تیزی سے اُس شیڈ کی طرف بڑھے جس کے نیچے کار دیں کھڑی کی جاتی تھیں۔

”کیا معاملہ ہے؟“ قاسم نے بوکھلانے ہوئے لجھے میں کہا۔

”بس مجھے دوسرے تم اس کی کار دکھا کر جو ہیں واپس چلے جانا جہاں تھے۔“

”شیڈ کے نیچے ایک سرخ رنگ کی اسپورٹس کار کے علاوہ دوسری نہیں تھی۔“

”وہی سرخ رنگ والی۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں! لیکن کیا بات ہے۔“

”پچھے نہیں! بس اب تم واپس جاؤ۔“

”نہیں جاتا۔“ قاسم پھیل گیا۔

109
ہمیں اس نے احتیاط چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر کار کے انہیں پر جھک پڑا۔
قاسِم آنکھیں پھاڑے اُسے گھور رہا تھا۔

”حید کی وائسی پروہ تھوک نگل کر بولا۔“ ”کیوں؟... پیرا غرق کر دیا تم نے۔“
”بکومت! آؤ جلیں۔“ حمید نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

”آخر اس کا لیا مطلب ہے۔“

”اُس عورت سے تمہارا تعارف کراؤں گا۔“

”نہیں کچھ کڑبڑ ہے۔“

”ہو گی! تمہیں اس سے سروکار۔ اس معاملے میں زبان بند رکھنا۔“

”واہ.... یہ اچھی رہی۔“ قاسِم چلتے چلتے رک گیا۔ چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ”تم نے اس کی کال میں کچھ گھنالا کیا ہے۔“

”تم جانتے ہو! میں کون ہوں۔“ حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

”خوب جانتا ہوں.... ہاں اب ذرا بتانا تو.... کہ تم میری بیوی کو کس طرح پیچانے ہو۔“
”میں نہیں بلکہ وہ مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔“

”بھی سکی۔“

”تو اسی سے پوچھنا۔“

”پانی سر سے اوپنچا ہو چکا ہے۔“ قاسِم مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ ”میں میمیلیا سے اسی طرح تعارف جاصل کروں گا کہ اُسے تمہاری حرکت بتا دو۔“

”اس سے پہلے ہی تم جیل میں ہو گے۔“ حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ ”اور تمہارے باپ تمہاری ضمانت بھی نہ دے سکیں گے۔“

”کیوں....؟“

”لبیں یو نہیں! یقین نہ ہو تو اس کا ارادہ کر کے دیکھ لو۔ اسی جگہ ہتھڑیاں لگ جائیں گی۔ کشم کا تمانہ دور نہیں ہے۔“

”جید آگے بڑھ گیا۔“ قاسِم چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ دونوں گھنٹے کی طرف بڑھا۔ آس پاس قاسِم کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔

”بس مزہ ہی آجائے گا۔“ حمید اس کی پیچھے پر ٹھوکتا ہوا بولا۔ ”تم واقعی بڑے عقل مند ہو۔ مجھے اس وقت ان لوگوں پر غصہ آ رہا ہے جو تمہیں یو تو قوف کہتے ہیں۔“

”نیز اتو دل چاہتا ہے کہ سالوں کے سر توڑوں۔“ قاسم دانت لکھا کر بولا۔

”اچھا تو جاؤ۔ مگر زیادہ نہ پینا۔ پھر میں تمہیں عشق کرنے کیلئے کافی بالکل نہ گرتا تو اس کا۔“

”تم نہ یو گے۔“ قاسم نے کہا اور منہ چلانے لگا۔

”نہیں.... میں ذیوٹی پر ہوں۔“

”ہمیں.... اتوار کو بھی ذیوٹی۔“

”جاڑ بھی یاد.... ورنہ وہ چلی جائے گی۔ میں نے اُسے تمہارے لئے منتخب کر لیا ہے۔“

قاسم احمقوں کی طرح ہستا ہوا کلب کی عمارت کی طرف چلا گیا۔

اب حمید جوزف اور اس کی بیوی کی طرف متوجہ ہوا۔ دونوں ساہنے کے نیچے موجود تھے اور جوزف کار کے انجن پر بھکا ہوا تھا۔ حمید نے اطمینان کا سانس لیا لیکن وہ پانچ چھ منٹ سے زیادہ مطہن نہیں رہ سکا کیونکہ اب جوزف انجن بند کر کے سڑک کی طرف تباہ جا رہا تھا اور اس کی بیوی پھر گھٹ کی طرف واپس آ رہی تھی۔

”یکسی....!“ حمید نے سوچا۔ ”یقیناً وہ نیکی کرے گا۔ اگر یعنی مل گئی تو۔“

اُس کی بھکھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ آخر اچاک اُسے یہاں سے رخصت ہائیں....؟ کہاں؟“ قاسم بے ساختہ مژل ”اوہ.... مگر اخروٹ کی رنگت کہاں ہے۔“

”ہمیں یہ بھی نہیں۔ مگر آنکھیں تو چلغوڑہ جیسی ہیں۔“ اس نے تو منہ پھیر لیا۔ حمید جمال کون ہے؟

”وہر بے لمحے میں حمید بڑی تیزی سے کلب کی عمارت کی طرف جا رہا تھا۔ اندر داخل ہو کر اس نے قاسم کی طرف بھی نہیں دیکھا جاویک کی بن سر نکالے طرح طرح کے منہ بنا کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا دہ سیدھا اٹیلی فون آپریٹر کے کمرے میں چلا گیا۔ ٹیلی فون ڈائرکٹری میں اسے جوزف پیٹر کا فون نمبر تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوئی کیونکہ لکنس لین کوئی چھوٹی موبائل بگہ نہیں تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے نمبر ڈائیل کئے اور رسیور کاں سے لگایا۔“

”یکلو....!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ لہجہ انگریزوں کا سا تھا۔

”کون بول رہا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

یہاں انگریز جو تھی اب بھی لاکیوں کے نرخے میں تھا جو زف اور اُس کی بیوی کپڑے پہن چکے تھے اور اب وہ موڑو والے ساہنے کی طرف جانے ہی والے تھے حمید نے لکھیوں سے قاسم کو طرف دیکھا جو بہت زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے جو زف سے بتائے ہوں نہ رہے گا۔ اگر حمید اُسے معاملے کی نوعیت سمجھا درست تو شاید اُس بیچارے کو اس قسم کی جذباتی انجمن میں نہ پہنچانا پڑتا۔

حمید نے سوچا کسی طرح اس کی توجہ جوزف اور اس کی بیوی سے ہٹائی جائے۔

”قاسم....!“

”ہوں....!“ قاسم ہونٹ سکوڑ کر غایا۔

”تو کیا تم پچھے سراغ رسال بننا چاہتے ہو۔“

”نہیں....!“ اس کی غراہبی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

”جل جاؤ گے۔“

”سنو! حمید بھائی.... مجھے میرے ضمیر کی آواز پر پیشان کر رہی ہے وہ بیچارے....“

اشارت نہ ہو گی۔

”اب تم اس واقعے کو بھول جاؤ.... دیکھو.... وہ لڑکی.... جس کے بال اخروٹ کی رنگ کے بیں وہ تمہیں کس نری طرح گھور رہی ہے تکڑی بھی ہے۔“

”ہمیں....؟ کہاں؟“ قاسم بے ساختہ مژل ”اوہ.... مگر اخروٹ کی رنگت کہاں ہے۔“

رنگت۔ نہیں یہ بھی نہیں۔ مگر آنکھیں تو چلغوڑہ جیسی ہیں۔“ اس نے تو منہ پھیر لیا۔ حمید جمال کون ہے؟

”پھر دیکھے گی۔ ذرا میری طرف دیکھو۔“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔“

موقع پر اپنی آنکھیں تھوڑی نیلی بنالیا کرو۔“

”اس سے کیا ہو گا۔“ قاسم نے بڑے رازدارانہ لمحے میں پوچھا۔

”یہ نہ پوچھو.... لڑکیاں اسی پر توجان دیتی ہیں۔“

”مگر مجھ سے تو بتا نہیں۔“ قاسم بے بی سے بولا۔ چند لمحے کچھ سوچتا ہا پھر یک بیک ال آنکھیں چکنے لگیں۔ اور وہ جنپنی جنپنی سی ہنسی کے ساتھ کہنے لگا۔ ”اگر دو تین گپ رہم لہا لہا کیسی رہے گی۔“

عجیب سانحہ

حید نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا تھا۔ مگر اب اس کے ہاتھ پر پھول رہے تھے۔ نش کی حالت میں پہلا جیسے آدمی کو سنبھالنا آسان کام نہیں تھا اور پھر معاملہ قاسم کا تھا جس کا ذہنی توازن کبھی بھی پے بغیر ہی بگڑ جاتا تھا۔

بہر حال اب اس نے بڑی شدود مسے اٹھنے کا قاضہ شروع کر دیا تھا اور حید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ گھاٹ پر پہنچ کر اُوڈھم نہ چائے۔ جب اس نے اس طرح سورچانہ شروع کر دیا کہ کاؤنٹر کلر کو شکایت کرنی پڑی تو مجبوراً حید اٹھا۔ اُس کی آج کی شرارت خود اسی کے لئے وہاں جان ہو گئی تھی۔

قاسم نے باہر نکل کر حید کو لپٹنا کر دنا شروع کر دیا۔

”تم نے بہت بورا... کیا غمید بھائی... کار میں گھٹالا کر دیا... ہائے پو... میری جان۔“
بیٹھرے لوگ چوک کر انہیں گھوننے لگے۔

”قاسم ایہ کیا بیوڈگی ہے۔“ حید اُس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔
”مجھے... رو لینے دو... ہائے پو... میری جان۔“

کس نہ کسی طرح حید خود کو چھڑا کر الگ ہٹ گیا۔ قاسم پھر لڑکھرا تاہو اس کی طرف بڑھا۔
”غمید بھائی... میرے پیارے بھائی... پوڈار نگ کے بھائی... کار میں گڑ بڑھائی...“
میری آنکھیں بھی ناشیلی... آخر وٹ... اے آخر وٹ۔“

بہت سے لوگ ان کے گرد اٹھا ہو گئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں حید سوچ رہا تھا کہ کاش لئیں ہی پھٹ جاتی۔

”پوو... آآ...“ قاسم نے ٹارزن کی طرح منہ پر ہاتھ رکھ کر نعرہ لگای۔ پھر جیچ جیچ کر کہنے لگا۔ ”یہ زیارتِ حنبلیں آدم کو جنت سے کس نے نکل دیا... حید بھائی نے۔“

الانے رک کر اپنے گرد کھڑے ہوئے لوگوں پر اچھتی سی نظر ڈالی اور منہ دبا کر ہٹنے لگا۔
”اُسے یہ تو قاسم ہے۔“ کسی نے مجھ سے کہا۔ ”خان بہادر عاصم کا لڑکا۔“

”ہاں... ہے تو پھر۔“ قاسم سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر خوارت سے

”جوڑ پیٹر...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں ڈاکٹر زینوبول رہا ہوں... سمجھے۔“ حید نے اندر ہرے میں تیر چلا یا۔

”اوہ... اچھا... حید... کیا بات ہے۔“ اس بار بولنے والا ارادہ میں بولا۔

”اگر بڑو... میں نے بہت کوشش کی... لیکن وہ چل پڑا... تھا۔“

”کوئی بات نہیں... آنے دو... میں بھی اب جارہا ہوں۔ تمہاری سعادت مندی شکریہ... مگر یہ طریقہ جو تم نے اس وقت اختیار کیا ہے مخدوش بھی ہے ہو سکتا ہے کہ میں یہاں موجود نہ ہوتا۔“

حید نے ٹراسمنہ بنایا اور رسیور کھ کر باہر نکل گیا۔ اس کے سر پر ایک بوچھا سائز تھا اور اب اسے زندگی پہلے ہی کی طرح حسین نظر آنے لگی تھی۔

ہاں میں پہنچ کر وہ قاسم کو ٹلاش کرنے لگا۔

”آؤ... آؤ... میری جان... حید بھائی۔“ قاسم ایک سکبین سے منہ نکال کر بولا اس کا آنکھیں خطرناک حد تک نسلی ہو گئی تھیں۔ حید نے اندازہ لگایا کہ وہ کئی پگ جھاڑ گیا ہے اور یہی بھی جانتا تھا کہ قاسم اس معاملے میں بالکل اتنازی ہے۔

”کیوں؟“ قاسم انگلی نچاکر جھوٹا ہوا بولا۔ ”ہو گا میں نا... نا شسلی۔“

”بالکل بالکل...!“ حید نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ ”لیکن تم خاموش رہو گے۔“ صرف آنکھوں سے کیا جاتا ہے۔ ہونٹ بند۔ آنکھیں ہی سب کچھ کہہ دیتی ہیں۔“

”تو پھر میں... اوٹھوں۔“ قاسم پھکو لے لیتا ہوا بولا۔ ”لیکن... مائیں کا سے اوٹھوں۔“

”میرا سار... بائیں... میرا سار۔“

قاسم گھبرائے ہوئے انداز میں اپناسر مٹو لئے لگا۔ حید سوچ رہا تھا کہ کہیں اب وہ عذاب نہ بن جائے۔ اس نے اسے اس حال کو محض اس لئے پہنچایا تھا کہ کہیں وہ جیچ مسز جوڑ فی جان پہچان نہ پیدا کر لے۔ قاسم کے ذہن میں بیٹھی ہوئی کسی بات کا نکال دینا بڑا مشکل کا۔

اسی لمحے حید نے اس راہ پر لگادیا تھا لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اُسے خرستیں طرح روکے گا۔

”میرا سار... غمید بھائی۔“ قاسم نے ہاٹک لگائی۔

ہر حال میں اخانتا ہی تھا ہو سکتا تھا کہ دوسری طرف فریدی ہی ہو۔
”کیا فریدی صاحب ہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
”نہیں....!“ حمید گروں جھٹک کر بولا۔
”میں انور بول رہا ہوں۔“
”بولے جاؤ! میں منع نہیں کرتا۔“
”کیا حمید ہوا!“
”تمہیں اس سے کیا غرض۔“
”فریدی صاحب کہاں ہیں۔“
”کوٹ کی جیب میں تو نہیں ہیں ہو سکتا ہے میز پر ہوں۔ یا پھر بھولے سے تمبا کو کی ٹھیلی میں
چلے گئے ہوں۔“
”تم سید ہی طرح بات کیوں نہیں کرتے.... یہودے۔“
”اچھا ہی۔“ حمید سرخ ہو کر بولا۔ ”یہ تم بول رہے ہو۔ ہڈیاں و کھٹی ہوں گی۔“
”میں پوچھ رہا ہوں فریدی صاحب کہاں ہیں۔“
”ابے کیا میں فریدی صاحب کی دم میں بندھا رہتا ہوں۔“
”ہوش میں ہو یا نہیں۔“
”میں بھلا کیوں ہوش میں رہنے لگا۔ ایک عورت کی کمائی کھاتا ہوں۔“
دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید نے بھی رسیوور رکھ دیا۔
حمد کو اپنے آخری جملے پر بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ رشیدہ کے سلسلے میں انور پر چوت کر کے
”اہمیت خوش ہوتا تھا۔ ویسے حقیقت تو یہ ہے کہ حمید کو ان دونوں کے تعلقات پر رشک آتا تھا۔
رشیدہ تو قائم خود اس کے خوابوں کی تسری تھی۔ جسے حالات نے انور کے حصے میں لاڈا لاتھا۔
حمد کپڑے اتار کر غسل خانے کی طرف جا رہا تھا کہ فون کی گھٹتی بھر بجی۔
اور اس بار کال رسیوور کرتے وقت وہ نبڑی طرح دانت پیس رہا تھا۔ لیکن اب کی دوسری
طرف سے نسوانی آواز آئی تھی۔ حمید نے دانت پیس بند کر کے سامنے والی دیوار کو آنکھ ماری۔
”میلو... کیا حمید صاحب بول رہے ہیں۔“

ہنس کر بولا۔ ”مستوں پے.... انگلیاں.... نہ اٹھاؤ.... بہار میں.... اور اے پیارے بھائیو....
حید و.... بھائیو.... پو ڈارنگ کا بیڑہ.... غرق ہو گیا.... کار میں گھٹالا.... ہو گیا....
آخر وٹ ہو گیا.... کسی کے بال آخر وٹ کی طرح خخت ہیں.... کسی کے گال رس گلے.... لا
قسم مجھے رس گلے بہت پسند ہیں.... میری بیوی.... حمید بھائی کو اچھی طرح پیچانی ہے کہاں ہو
پیارے بھائی۔“

وہ آنکھیں بند کر کے حمید کو خلا میں ٹوٹنے لگا ساتھ ہی ساتھ وہ بڑدا تا بھی جا رہا تھا
”پیارے حمید بھائی.... تم شوق سے میری بیوی کو پیچانو.... گر تم نے پو.... کا بیڑا.... کیوں
غرق کر دیا۔“

حمد نے سوچا کہ اب یہاں شہرناٹھیک نہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ قاسم نشدہ اترنے کے بعد
اس کی جان کو آجائے گا۔

سرک پر اسے کافی دور پیدل چنان پڑا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ ایک خالی ٹیکسی میں گئی دردناک
طرف تو عموماً اپسی ہی کی ٹیکسیاں آتی تھیں۔

سب سے پہلے وہ خان و لا گیا کیونکہ وہاں اس کی موڑ سائکل تھی۔ بہر حال وہاں سے گھر کی
طرف واپسی میں وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے اس انگریز جو تشی کو نظر انداز کر کے عقل مندی کا
ثبت نہیں دیا۔ اس کی ظاہری حالت ایسی ہی تھی کہ عام آدمی بھی اس کی شخصیت میں دچپی لے
سکتے تھے۔

حمد کو یقین تھا کہ جوزف اس جو تشی ہی کے کسی جملے پر بول کھلا کر وہاں سے بھاگتا۔ جو تشی کا
شخصیت اس کی نظروں میں پہ اسرار ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن اس نے اسے اس سے قبل کبھی نہیں
دیکھا تھا حتیٰ کہ سی شور پیدا گئے کلب میں بھی نہیں۔ قاسم کے بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ انہیں
وہاں آتا رہتا تھا۔ قاسم! حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھ گئی۔ یہ سب کچھ اُسی کی بدولت ہوا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ فریدی سے اس جو تشی کا تذکرہ کرے گایا نہیں۔ حالات
ایسے تھے جن کی بناء پر فریدی اس سے پوچھ سکتا تھا کہ اس نے جو تشی کا تعاقب کیوں نہیں کیا۔

فریدی گھر میں موجود نہیں تھا۔ اس نے سوچا چلو غنیمت ہے۔ ابھی وہ کپڑے بھی نہیں انہیں
پیلا تھا کہ ٹیلی فون کی گھٹتی بھی۔ اس نے جھنجھلا کر اس نامعقول ایجاد کی طرف دیکھا۔ لیکن رسیدہ

”حمدہ... پلیز...!“
 ”نہیں مجبوری ہے.... میں کچھ نہیں بتا سکتا۔“
 ”تم بڑے سگدل آدمی ہو۔“
 ”جودول چاہے کہو۔ میں فریدی صاحب کی اجازت کے بغیر نہیں بتا سکتا۔“
 ”تو ان سے پوچھ لوٹا۔“
 ”اچھا... میں ان سے پوچھ کر تمہیں مطلع کر دوں گا۔ بر سبیل تذکرہ۔ کیا تم کسی ایسے انگریز جو تاشی سے واقف ہو جو جنادرس کے پندتوں کی سی بیگنی سر پر باندھتا ہو.... زرد بیگنی۔“
 ”بلاشبہ واقف ہوں۔ شاید تمہارا اشارہ جیر اللہ شاستری کی طرف ہے۔“
 ”اوہو...! جیر اللہ شاستری۔“ حمید بڑا بڑا۔ ”تو یہ وہی حضرت تھے۔“
 ”سیا کہا... میں نہیں سمجھی۔“

”اچھا رشیدہ میں بہت مشغول ہوں۔“ حمید نے کہا اور ٹیلی فون کا سلسلہ متقطع کر دیا۔
 حمید سوچ میں پڑ گیا کہ اگر وہ حقیقتاً جیر اللہ شاستری ہی تھا تو اس پر کسی قسم کا شہمہ کرنا کہاں تک درست ہو گا۔ حمید نے اب تک صرف اس کا نام ہی ساختا۔ شہر کے تعلیم یافتہ طبقوں میں شاید ہی کوئی ایسا رہا ہو جس نے اس مشرق پرست انگریز کے متعلق کچھ نہ سنا ہو۔ وہ سنکرت کا بہت بڑا عالم اور جو تاش کامابر تھا۔ ہندو فلسفے پر اُس کی گہری نظر تھی۔ سنکرت اور ہندو فلسفے میں ریسرچ کرنے والے طلباء اُس سے مدد لیا کرتے تھے۔

اس پر شہمہ کرتے ہوئے چکپا ہٹ کی وجہ اور بھی تھی.... اور وہ وجہ یہ تھی کہ وزیر اعظم اُس کے گھرے دوستوں میں سے تھے۔ حمید بڑی لمحن میں پڑ گیا تھا۔ مگر واقعات آخر جزو اپنائک دہاں سے کیوں جاگا۔ ظاہری حالات تو ایسے نہیں تھے جن کی بادا پر اُس کی دہاں سے اپنائک روانگی کو قرین قیاس سمجھا جا سکتا۔ وہ اور اُس کی بیوی تو بڑے اطمینان سے موسم کا لطف اخمار ہے تھے اور اس وقت تک شاید انہوں نے پانی میں ایک غوط بھی نہیں لگایا تھا۔
 ٹلکی فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اس بار بھی رشیدہ تھی تھی۔

”تم نے جیر اللہ کے متعلق کیوں پوچھا تھا۔“ وہ پوچھ رہی تھی حمید چند لمحے ماڑتھ پیس میں کھو رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ”تم بڑی ذہن ہو رشیدہ....“ تم مجھ سے پوری بات پوچھ کرہی رہو گی۔

”فرمائیے.... آپ کون ہیں۔“ حمید کے لمحے میں شہد کی نہریں بہہ رہی تھیں۔
 ”رشیدہ....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
 ”اوہ....!“ حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ”تواب تم بور کرو گی۔“
 ”تمہیں بہت دونوں سے نہیں دیکھا سخت بے چین ہوں۔“
 ”حیدر اسامنہ بتا کر رہ گیا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ انور اپنے اخبار کے لئے کوئی ایسی خبر چاہتا ہے جو کسی دوسرے اخبار میں نہ ہو۔
 ”اوہ تم خاموش کیوں ہو گئے۔“ رشیدہ نے پھر پوچھا۔
 ”میں یہ سوچ رہا تھا کہ امریکہ نے ایک ایسا میلی فون ایجاد کیا ہے جس پر بولنے والوں کی ٹھیل بھی دکھائی دیا کرے لہذا قبل اس کے کہ وہ نام ایجاد ہمارے بیان تک پہنچے میں مر جانا چاہتا ہوں۔“

”اوہ! تو کیا واقعی بور ہو رہے ہو۔“ رشیدہ نے پوچھا۔
 ”نہیں تواب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہاری سالکگہ پر تمہیں کیا تخفہ دوں۔“
 ”مشکر یہ! تمہیں میرا اتنا خیال ہے۔“
 ”ہاں رشیدہ۔“ حمید اس طرح بولا جیسے اُسے کچھ میا آگیا ہو۔ ”میں خود تمہیں فون کر رہا تھا۔“

”جارا کا کا۔“
 ”جارا کا کا.... ٹھیک.... مشکر یہ۔“ حمید بولا۔
 ”کیوں کیا بات ہے؟“
 ”کچھ نہیں.... کوئی خاص بات نہیں۔“
 ”ضرور کچھ چھپا رہے ہو۔“

”بیتا تو دوں مگر پھر سوچتا ہوں کہ تم پیٹ کی بیکی ہو۔ انور سے ضرور بتا دو گی۔ مگر نہیں۔ میں نہیں بتاؤں گا.... انور کسی نئی چیز کے پچک میں ہے اُس نے ابھی مجھے فون کیا تھا۔ ہو سکتا کہ تم دونوں کی سازش ہو۔“

خیر سنوا لیکن انور سے ہر گز نہ بتائی۔
”میں وعدہ کرتی ہوں۔“
حمدید پھر مسکر لیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ انور اور رشیدہ کو دو مختلف شخصیتیں سمجھنا حماقت ہے اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس وقت بھی فون پر گفتگو کرنے والا انور ہی رہا ہو۔ کیونکہ وہ آواز بدلنے پر پوری طرح قادر تھا۔
”اچھا رشیدہ....!“ حمید بھی سانس لے کر بولا۔ ”مجھے تم پر اعتماد ہے۔ یہ تو تم جانتی ہو کہ عرفانی کے قاتلوں کو کسی چیز کی تلاش تھی... لیکن وہ انہیں نہیں مل سکی۔ حقیقتاً وہ ہمارے قبیلے میں ہے۔“
”میا چیز ہے؟“ رشیدہ کے لمحے میں اشتیاق تھا۔

”جد آنا کا سانپ کی شکل کا ایک پیتل کا سانپ جس کے پھن پر خیر الدل شاستری کا فوٹو نصب ہے۔“
”نداق نہ کرو۔“
”تم میرا وقت بر باد کر رہی ہو رشیدہ۔“ حمید بگڑ کر بولا اور فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔
رسیشور کھ کر ہٹا ہی تھا کہ پھر گھمنی بھی۔ اس بار مکاتبان کروہ میلی فون کی طرف جھپٹا۔
”کیوں خواہ خواہ بھنجا چاٹ رہی ہو؟“ حمید ماڈ تھہ پیں میں حلق چھاڑ کر چینا۔
”میا بکواس ہے؟“ دوسرا طرف سے آواز آئی لیکن یہ کسی مرد کی تھی۔
”اوہ.... معاف کیجئے گا۔“ حمید بوکھلا کر بولا۔ ”آپ کیا چاہتے ہیں۔“
”سولہ لکنکس لین میں فراہم پہنچو.... میں فریدی بول رہا ہوں۔“
حمدید ”بیلوبیلو“ ہی کرتا رہ گیا۔ لیکن دوسرا طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔
حمدید کی جلاہٹ شباب پر تھی۔ مگر وہ کرہی کیا سکتا تھا۔ لکنکس لین میں تھنچے میں پندرہ منٹ صرف ہوئے اور یہ پندرہ منٹ کس طرح گذرے حمید کو اس کی خبر نہیں کیونکہ اس کا ذہن اس کی کھوپڑی سے ایک کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔.... سولہ نمبر کی عمارت کے سامنے اس نے موڑ سا بیکل روک دی۔

فریدی اندر موجود تھا اس نے بدی سرد مہری سے اس کا ”استقبال“ کیا پھر وہ دونوں ایک کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

حید کے منہ سے پہلی کی چیخ نکل گئی۔ حالانکہ زمین پر چوت پڑے ہوئے آدمی کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن پہلی ہی نظر میں حید کو ایسا محسوس ہو گیا تھا کہ وہ لاش ہے۔ یہ جو زف پیڑ کی لاش تھی۔ اُس کے ہونٹ سڑکے تھے اور آنکھیں چھٹ کی طرف گھور رہی تھیں۔ چہرے پر خوف وہ اس کے آثارِ مجدد ہو کر رہ گئے تھے۔
”یہ کیسے ہوا.....؟“ دفعتاً حید تھے فریدی کی طرف سڑک تیز قسم کی سرگوشی کی۔
”تمہارا فون لئے ہی میں یہاں سے چلا گیا تھا۔ لیکن مکان کی نگرانی کے لئے دو آدمی چھوڑ دیئے تھے ان کا بیان ہے کہ جو زف بڑی سر ایسکی کے عالم میں یہاں آیا تھا اور پھر شاید دیا تین منٹ بعد انہوں نے عمارت میں ایک خوفناک چیخ سنی اور جب وہ یہاں آئے تو انہوں نے اس کو اسی حالت میں پایا۔

”موت کا سبب....!“

”نامعلوم! جسم پر کوئی زخم نہیں ہے۔ البتہ گردن پر ایسے نشانات ملے ہیں جنہیں میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔... البتہ یہ دیکھو۔“
فریدی نے فرش کی طرف اشارہ کیا جہاں بھورے رنگ کے بنے شمار بال بکھرے ہوئے تھے۔ فریدی نے ایک بال چکنی میں لے کر حید کے چہرے کے سامنے کر دیا۔ یہ بال تقریباً چھایا سات انچ لمبارہا ہو گا۔

”کوئی عورت....!“ حید ہوتوں پر زبان پھیسر کر بولا۔

”اگر یہ بال کسی عورت کے ہیں تو وہ یقیناً رچھ کی اولاد ہو گی۔“

”پھر....!“

”کسی عورت یا مرد کے بال اتنے سخت نہیں ہو سکتے اور دوسرا بات یہ کہ کیا وہ عورت پوری عمارت میں اپناسر کھجاتی پھری ہے۔“
”میں نہیں سمجھا۔“

”اس قسم کے بال کئی جگہ ملے ہیں لیکن اس کرے میں سب سے زیادہ ہیں۔“

”بھر آپ نے کیا سمجھا ہے؟“

”کچھ نہیں.... ابھی میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔“

”اُس کی بیوی واپس آئی۔“

”ہاں.... وہ اپری منزل پر ہے اور اس نے ابھی تک کوئی کام کی بات نہیں بتائی۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ ان معاملات سے لا عالم ہے۔“

”کن معاملات سے۔“

”کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے یہاں کی خلاشی کیوں لی تھی۔“

”میں غیب داں تو نہیں۔“ حمید چھنجھلا گیا۔

”آجھن ضرور ہو۔ کیا تمہیں کسی قیضی کا وہ جیب یاد نہیں جو ہمیں عرفانی صاحب کے یہاں ملا تھا؟“

”اوہ.... تو کیا....!“

”مجھے وہ قیضی یہاں مل گئی ہے جس کا جیب غائب ہے۔ غالباً جدوجہد کے دوران میں عرفانی صاحب کا ہاتھ جیب پر پڑ گیا تھا۔ جوزف یو قوف تھا جو اس نے اس قیضی کو ضائع نہیں کر دیا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر یا ایک چونک کر بولا۔ وہ یک بیک وہاں سے بھاگا کیوں تھا۔“ حمید نے مختصر اجیر اللہ شاستری والا واقعہ دہر لیا۔ اس دوران میں فریدی کی نظریں لاش پر جو ربی تھیں اور اس کی پیشانی پر بار بار سلوٹس پڑ جاتی تھیں۔

”جیر اللہ کے متعلق آپ کیسی رائے رکھتے ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”وہ ہمیشہ میرے لئے پورا اسرار رہا ہے مگر اتنا نہیں کہ میں اسے کسی قسم کے جرام متعلق سمجھوں۔“

”وہ ہے کیا بلاء۔“

”اسے مشرقی علوم خصوصاً سنسکرت اور فلسفے سے عشق ہے۔ انگلستان کے ایک معزز گھرانے کیک بیک وہ جیخ پڑی۔ ”تم جھوٹے ہو.... جوئی مہاتابدھ کا سچا پیر و تھا.... یہ کواس ہے.... سے تعلق رکھتا ہے محض اکتساب علم کے شوق میں اس نے اپنا خاندانی اعزاز اپنے چھوٹے بھائی کو لکھا جاؤ یہاں سے۔“ پھر وہ پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ پھاڑ کر جیختے گی۔ ”یہ دھشیوں کی سر زمین سونپ کر مشرق کی راہ لی۔ درست وہ اس وقت لارڈ آئر تھر جیر اللہ ہوتا۔“

”اوہ....! تو کیا وہ لارڈ نکسن جیر اللہ کا بھائی ہے۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”قطعنی.... چواب ہمیں ایک بار پھر جوزف کی بیوی سے ملنایا گا۔“

اوپری منزل پر جنپنگ کروادہ اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں میکلیا نگیوں میں سرڈائی پڑتا تھی۔ ان کی آہٹ پر چونک کراں نے سراہیا۔ اس کے چہرے پر غم کے بجائے خوف کے آہا۔

پُر اسرار جو تشی

”درستی میں مر جنٹ حمید اور انپکٹر فریدی، جیر اللہ شاستری کی قیام گاہ کی طرف جا رہے تھے۔“

خ۔ آنکھیں سرخ ضرور تھیں لیکن یہ دوثق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ روشنے ہی کی وجہ سے سرخ ہو گئی تھیں۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں پھر تکلیف دے رہا ہوں۔“ فریدی نے نرم لمحہ میں کہا۔ ”کہے.... میں اس وقت ہوش میں نہیں ہوں۔“

”بیدنگ کلب میں جیر اللہ سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“ میکلیا یک بیک اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ خود بخود برباد نہیں کی۔

”انہوں نے بالکل صحیک کہا تھا۔ وہی ہوا.... وہی ہوا۔“ ”کیا کہا تھا۔“ فریدی بولا۔

”میکلیا چند لمحے اپنی دیزان آنکھیں پر خیال اندر میں فریدی کے داہنے شانے پر جانے رہی ہے بولی۔ ”انہوں نے کہا تھا.... کہ آج تم دونوں کو گھر سے نہ لکھنا چاہئے تھا۔ آج کادن تمہارے لئے انہائی خطرناک ہے۔“

”اس سے اس کا کیا مطلب تھا۔“

”اوہ.... مطلب کیا بھی بھی مطلب پوچھنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔“ میکلیا نے اپنا چہرہ ”اولوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

”بچھی رات.... میں نہیں جانتی۔ شاید وہ ہائی سر کل نائٹ کلب میں تھا۔ تین بجے واپس آیا تھا۔“

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس نے بچھی رات ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔“

”کیا....؟“ میکلیا چھپل کر کھڑی ہو گئی اس کی آنکھیں خوف اور حررت سے پھیل گئی تھیں۔

”اسے مشرقی علوم خصوصاً سنسکرت اور فلسفے سے عشق ہے۔ انگلستان کے ایک معزز گھرانے کیک بیک وہ جیخ پڑی۔ ”تم جھوٹے ہو.... جوئی مہاتابدھ کا سچا پیر و تھا.... یہ کواس ہے.... سے تعلق رکھتا ہے محض اکتساب علم کے شوق میں اس نے اپنا خاندانی اعزاز اپنے چھوٹے بھائی کو لکھا جاؤ یہاں سے۔“ پھر وہ پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ پھاڑ کر جیختے گی۔ ”یہ دھشیوں کی سر زمین سونپ کر مشرق کی راہ لی۔ درست وہ اس وقت لارڈ آئر تھر جیر اللہ ہوتا۔“

”اوہ....! تو کیا وہ لارڈ نکسن جیر اللہ کا بھائی ہے۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”اوہ نہ اسے فی الحال بھول جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا قاتل اُس کے لئے نہ صرف ڈراؤں
لے جرت اگنیز بھی تھا اور اس کی موت اتنی جلد واقع ہوئی کہ خوف و تحریر کے آثار مرنسے
لیں اس کے چہرے سے رفع نہ ہو سکے اور اپنے نشانات مرنسے کے بعد بھی چھوڑ گئے۔ اسے بھی
لو۔ پوسٹ مارٹم کی روپورٹ عام نظریے سے مخفف ہو گی۔“

”یعنی....!“ حمید فریدی کو گھور کر بولا۔

”عام نظریہ یہ ہے کہ جوزف کو گلا گھونٹ کر مارا گیا لیکن پوسٹ مارٹم کی روپورٹ دم گھٹ کر
رنے کی کہانی سنائے گی۔“

”کیا آپ نے اس قسم کی کوئی ہدایت دی ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نبیں.... وہ روپورٹ قطعی درست ہو گی۔ ابھی تک میں معاملات کی نوعیت کو نہیں سمجھ
کا۔ اس نے طریق کار متعین کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو تا۔“

”آخر روپورٹ میں ہو گا کیا۔“

”موت کی وجہ، دم گھنٹے کے بجائے حرکت قلب کا اچانک بند ہو جانا ظاہر کرے گی۔“
”اور یہ روپورٹ کچی ہو گی۔“ حمید بڑی طرزی۔ ”لیکن وہ نشانات جو اسکی گردن پر پائے گئے ہیں۔“

”ہاں نشانات بھی تھے۔ لیکن موت خوف کی شدت سے واقع ہوئی۔“

”خود کی دیر تک خاموشی رہی۔... پھر فریدی نے پوچھا۔

”اس کی بیوی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“

”ہے ہے! اپاند کا نکراہ ہے ظالم۔“

”ہوں....!“ فریدی نے ہونٹ بھیجن لئے۔

”آپ نے تو دیکھا تھا اسے۔“ حمید اہک کر بولا۔ ”غل کے لباس میں... کتنا سدول جنم ہے۔“

”ابے تو کیا میں اس کے صن کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔“ فریدی جھنجھلا گیا۔

”آپ پوچھیں یا نہ پوچھیں۔ مجھے چیز بات کہنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔“ حمید بھی اسی
لہجے میں بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ ”مجھے اس بد نصیب عورت سے ہدر دی ہے۔“

”مجھے تو اسی میں شہمہ ہے کہ جوزف حقیقتاً اس کا شوہر تھا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”رہا ہو یا نہ رہا ہو۔ لیکن میں یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ جوزف کے

فریدی نے اتنی سختی سے دانتوں پر دانت جمار کئے تھے کہ اس کے جزوں کے مسلسل انہر آئے
تھے اور اس کی آنکھیں سارے سڑک پر گھوڑتھی تھیں۔ حمید نے اسے سکنیمیں سے دیکھا اور نتھی
پھلا کر ”شوں شوں“ کرنے لگا۔ پھر اچانک چوک کر بولا۔ ”مجھے میں نہیں آتا کہ یہ سارے اگر
بدھست کیوں ہوئے جا رہے ہیں۔“

”ہوں....!“ فریدی بڑی طرزی۔ ”کل تم نے قاسم کے ساتھ شرارتو کی تھی۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا....؟“

”اُس نے آج صحیح فون پر تمہاری شکایت کی تھی۔“

”جید ہنسنے لگا۔... اور پھر اسے قاسم والا واحد دہرانا بھی پڑا۔“

”تمہیں سینکڑوں بار سمجھا چکا ہوں کہ دوسروں کو ایسے معاملات میں شریک نہ کیا کرو
فریدی بولا۔“

”اجوری تھی۔“ حمید پاپ میں تمباک بھرتا ہوا بولا۔

کیڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی
بڑی طرزی۔

”عرفانی کا نیپہ اسرار قتل.... کسی چیز کی تلاش.... مرنے والے نے نیشنل بنک کا نام لایا
کیا وہ چیز تاکوں کو نہیں مل سکی۔ کہیں عرفانی نے اسے نیشنل بنک میں نہ رکھا ہو۔“

”میرا خیال ہے“ حمید بولا۔ ”جوزف کی موت عرفانی کی موت سے بھی زیادہ نہ اسرار ہے
آخر وہ بال کیسے تھے۔“

”پتہ نہیں.... لیکن یہ توصاف ہے کہ جوزف حکن رازداری کے لئے مارا گیا۔ سازشی
کو یقین تھا کہ وہ ضرور کپڑا جائے گا۔“

”ہو سکتا ہے کہ انہیں اس بات کی اطلاع ہو گئی ہو کہ آپ اس کے مکان کی تلاشی لے رہے ہیں
”ہوں.... یہ تو بعد کی باتیں ہیں آخر وہ کیا چیز تھی جس کے لئے اتنا ہنگامہ ہوا۔ قاتل۔“

”تلاش کرنے میں اتنے منہک ہو گئے تھے کہ وہ عرفانی کو بالکل ہی بھول گئے تھی کہ ان کو کہ
ہوئی کہ کب ان کا شکار رینگتا ہوا کرے سے باہر نکل گیا۔“

”جوزف کی موت....!“ حمید بڑی طرزی۔

جرم سے واقف نہیں تھی۔“

”کس بناء پر کہہ رہے ہو۔“

”اس بناء پر کہ وہ اب تک زندہ ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ دوسرا لوگ بھی زندہ ہی ہوں گے جو.... جوزف کے ساتھ فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ جیراللہ کی قیام گاہ کے قریب پہنچ گئے تھے فریدی نے کیڈ لاک کو کمپا دیا تھ۔“ فریدی خشک لہجہ میں بولا۔

حید نے چند لمحے خاؤش رہ کر کہا۔ ”جوزف کی موت اس لئے واقع ہوئی کہ کہیں پولر میں کوئی نہیں تھا فریدی نے آگے بڑھ کر گھٹھی بجائی۔

اس سے کچھ معلوم نہ کر لے۔ یہی چیز میملیا کے لئے بھی ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ ہم دوسرا۔ تھوڑی دیر بعد اندر قدموں کی آواز سنائی دی دروازہ ذرا سما کھلا اور ایک دبلا پتلا انگریز جس کے گلوں کی پہیاں اُبھری ہوئی تھیں۔ سر نکال کر برآمدے میں دیکھنے لگا۔

فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر اسکی طرف بڑھا لیا ہے وہ لے کر کچھ بڑا تباہ اندر چلا گیا۔

”اس کے نوکر بھی انگریز ہی ہیں۔“ حید نے کہا۔

قبل اس کے کہ فریدی کچھ کھتا دروازہ پھر کھلا اور وہ دبلا پتلا قبر رسیدہ انگریز برآمدے میں

تل آیا۔ اس نے فریدی کا کارڈ اسے واپس کر دیا۔

”یوں....؟“ فریدی نے اسے تیز نظروں سے گھوڑتے ہوئے کہا۔

”میں خادم نہیں ہوں۔ سمجھے تم....؟“ اس نے نتھنے پھلا کر منتاثتے ہوئے کہا۔ ”میں اس

راہی کا پر انجویٹ سیکریٹری ہوں.... سمجھے تم....؟“

”سمجھا! میں لیکن میرا ملاقاتی کارڈ اس تک کون پہنچا گے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”میں ہی حرای پہنچاؤں گا۔ لیکن میں خادم نہیں ہوں۔“

”نہیں پیارے تم تو راجہ اندر ہو۔“ حید بولا۔

”کیا....؟“ انگریز نے پھر نتھنے پھلانے۔

”کچھ نہیں....!“ فریدی جلدی سے بولا۔ ”تو پھر میرا وزیٹنگ کارڈ اندر پہنچا دو۔“

”تم اپنی قسمت کا حال دریافت کرنے آئے ہوں۔“ انگریز نے ذرا سامنہ بنا کر پوچھا۔

”ہاں....ہاں....!“

”تو میں بتائے دیتا ہوں.... تمہاری پوری قوم کی قسمت کا حال۔ تم ہمیشہ مغرب کے غلام

”لوگ۔“ تم جو ہاتھ کی لا یعنی لکریوں میں یقین رکھتے ہو.... سمجھے تم۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ دوسرا لوگ بھی زندہ ہی ہوں گے جو.... جوزف کے ساتھ فریدی نے کیڈ لاک کو کمپا دیا تھ۔“ فریدی خشک لہجہ میں بولا۔

حید نے چند لمحے خاؤش رہ کر کہا۔ ”جوزف کی موت اس لئے واقع ہوئی کہ کہیں پولر میں کوئی نہیں تھا فریدی نے آگے بڑھ کر گھٹھی بجائی۔

اس سے کچھ معلوم نہ کر لے۔ یہی چیز میملیا کے لئے بھی ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ ہم دوسرا۔ لوگوں کا پتہ نہیں لگا سکے۔

”میملیا سے پولیس کچھ نہ معلوم کر سکے گی۔ اسی لئے وہ اب تک زندہ ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”جوزف یو تو قوف اور لا پرواہ آدمی تھا اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو اس قمیں کو صالح کر دیتا وہ ذہنی طور

حقیقت ایسا ہی رہا ہوا کہ پولیس کو اس سے کافی مدد ملتی۔“

”باتوں میں آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا۔“ حید نے آٹا کربات ختم کرنے کے لئے کہا۔ ”ویسے تم کشی میں مجھ سے جیت سکتے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”اوہ! خوب یاد آیا۔“ حید نے کہا۔ ”آپ فری اسٹائل کشی کے داؤں بیچ سے تو واقف ہوں گے۔“

”ہاں.... کیوں....؟“

”عقریب فری اسٹائل کا ایک دنگل شروع ہونے والا ہے۔ مغربی ممالک کے پبلوں آرہے ہیں۔“

”پھر....!“

”میں قاسم کو کسی سے بڑا نے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ اس میدان میں ایک معروف آدمی ہے اس لئے میں کافی پیسے پیدا کر لوں گا۔“

”اچھا.... یہ پیشہ کب سے اختیار کیا ہے۔“

”کیا حرج ہے اس میں.... کچھ احمدی ریسمیوں سے کچھ روپے وصول کروں۔“

”کس طرح وصول کرو گے۔“

”سمجھا میں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیا یہاں تمہارے اور جیر اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا۔“

”ایک بوڑھی خادمہ بھی ہے اور مجھے بھی.... اس حرای کی بدولت بعض اوقات خادم، فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ وہ کتنا کافر زند نروان کی تلاش میں ہے اس لئے زیادہ اخراجات نہیں بڑھاتا۔ کبھی کبھی مجھے جھوٹے برتن بھی صاف کرنے پڑتے ہیں۔“

”تو پھر تم یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو۔“ فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

”میں مجبور ہوں.... وہ ولد الحرام میرا باپ ہے۔ میرا نام.... لیکن... لیکن اور تمہارے اسے سر نکال کر کہا۔ ”چلو....!“ اور پھر تیزی سے واپسی کے لئے مڑ گیا۔

”اوہو! لیکن ڈیر... تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“ حمید مصالحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا کے آثار پیدا کر کے بولا۔ ”یہاں بیٹھو۔“

”کیا تم بھی شاستری ہو۔“

”مجھے غصہ نہ دلاؤ۔“ لیکن خلاء میں مکالہ اکر چینا۔ ”مجھے مشرق کی ہر چیز سے نفرت ہے۔“ بہ، تلسی داس، کبیر داس، میرا، گاندھی جی وغیرہ کی بڑی بڑی تصویریں آؤیں تو تھیں ایک مغرب کی یالیاں بہت پسند ہیں کیا تمہارے ولد الحرام نے کوئی یالی ٹھیک نہیں پیدا کی۔“

”یالی کیا....؟“

”ادہ مسٹر آر قھر.... براؤ کرم میرا کارڈ پہنچا دو۔“ فریدی جلدی سے بولا۔

”لیکن نے کارڈ لے لیا اور اس کے چلے جانے کے بعد فریدی نے حمید سے کہا۔

”واتھی تم بڑے سور ہو۔“

”نہیں آپ میرے بزرگ ہیں۔“ حمید سعادت مندانہ انداز میں شرما کر بولا۔ ”مجھے؟ سے بالکل ہی بے تعلق نظر آتی تھیں۔ خدوخال میں تیکھے پن کے بجائے زمامت تھی لیکن آنکھیں.... ان میں تو کچھ نہیں تھا غالی غالی سی.... ویران آنکھیں.... جن میں چک نہیں تھی سور کہا تیجھے۔“

فریدی مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ اندر وہی راہداری میں پھر قدموں کی آواز سنائی دے

”آنکھیں اس بار ایک ایسا آدمی اندر سے نکلا کہ یہ دونوں چونک پڑے۔ آنے والا بھی تھوا تھھھ کا لیکن پھر خفیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”ہیلو آفیسرز.... ادھر کہاں۔“

”اوہو مسٹر برناڑ....!“ فریدی نے نہ کہا۔ ”ڈرامیری ہتھیلی میں آج کل ایک نے پیدا ہو گئی ہے۔“

”جید سوچنے لگا کہ کیا وہ انداز ہے۔ جیر اللہ کے ہو نٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن اس کی

آنکھیں اس کے چہروں پر رکیں اور پھر ہٹ کر بخوردان پر جم گئیں۔

”فریدی اور حمید کھڑے ہو گئے۔“

”کہیں وہ موت کی نہ ہو۔“ برناڑ نے توشیش تاک لجھ میں کہا۔

”نہیں مسٹر برناڑ میں نے تم پر چوٹ نہیں کی۔ تم تو بڑے معزز آدمی ہو۔“

”مجھ سے کہی زیادہ معزز....!“ حمید اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

”چیزوں....!“ برناڑ ہفتا اور ہاتھ ہلاکا ہوا چلا گیا۔

”یہ یہاں کیسے تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”ممکن ہے یہ بھی بدھست ہو گیا ہو۔“ فریدی نہ کر بولا۔ ”ادہ مسٹر یعنی تشریف لارہے ہیں۔“

”لیکن نے دروازے سے سر نکال کر کہا۔ ”چلو....!“ اور پھر تیزی سے واپسی کے لئے مڑ گیا۔

”جید اور فریدی اس کے پیچھے جا رہے تھے ایک کرے کے سامنے وہ رک گیا اور چہرے پر بیزاری آر قھر۔“

”اوہو! لیکن ڈیر... تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“ حمید مصالحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا

”وہ دونوں کرے کے اندر چلے گئے۔ یہ غالباً ذرا نینگ روں تھا لیکن یہاں فرنچیز نہیں تھا۔“

”انکن قاتلبوں کے فرش پر بیٹھنا پڑا۔ جہاں دو چار گاؤں کے ہی پڑے ہوئے تھے۔ دیواروں پر مہاتما

”بہ، تلسی داس، کبیر داس، میرا، گاندھی جی وغیرہ کی بڑی بڑی تصویریں آؤیں تو تھیں ایک طرف بخوردان میں وہ خوشیویات سلگ رہی تھیں جو ہون میں استعمال کی جاتی ہیں۔ نہر حال

ماں کچھ عجیب ساختا۔

”خوشی دیں بعد جیر اللہ کرے میں داخل ہو۔ اس کے جسم پر سفید سوٹ تھا اور سر پر وہی

بڑی وضع کی چیلی پگڑی تھی اور ماتھے پر تملک بھی موجود تھا جیر اللہ کا چہرہ عجیب تھا۔ حمید کا نائب

الٹھا۔ اس کے چہرے کے خدوخال اور آنکھوں میں ہم آنکھی نہیں تھیں۔ اس کی آنکھیں چہرے

سے بالکل ہی بے تعلق نظر آتی تھیں۔ خدوخال میں تیکھے پن کے بجائے زمامت تھی لیکن

آنکھیں.... ان میں تو کچھ نہیں تھا غالی غالی سی.... ویران آنکھیں.... جن میں چک نہیں تھیں

لیکن پھر بھی یہ گمان ہوتا تھا کہ وہ شستے کی ہیں اور ان کے آرپار دیکھا جا سکتا ہے ایک لٹکے لئے

”آنکھیں اس کے چہروں پر رکیں اور پھر ہٹ کر بخوردان پر جم گئیں۔“

”جید سوچنے لگا کہ کیا وہ انداز ہے۔ جیر اللہ کے ہو نٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن اس کی

آنکھیں بدنستور بخوردان پر جم رہیں۔

”فریدی اور حمید کھڑے ہو گئے۔“

”اوہ تو تشریف رکھئے۔“ جیراللہ بڑی صاف شفاف اردو میں بولا۔ ”آرام سے جوتے اُمار تشریف رکھئے۔ مجھے اپنے مشرقی بھائیوں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔“ حید کی نظریں اب بھی جیراللہ کے چہرے پر تھیں اور اس نے اس کے چہرے پر اب تک کسی قسم کا جذباتی تغیر نہیں محسوس کیا تھا۔ حتیٰ کہ مسکراتے وقت بھی اُس کی آنکھیں پہلے کی طرح پاٹ رہی تھیں۔

”اور دوسرا بات۔“ جیراللہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”وہ آدمی خود بھی قاتل تھا۔ اس کے ہاتھ کی ایک لکیریہ بھی بتاتی تھی۔“

”مجھے اسی کا تو افسوس ہے....“ فریدی نے چھتے ہوئے لجھ میں کہا۔ ”جب مجھے یہ معلوم ہوا گیا کہ وہ قاتل ہے.... تو وہ خود قتل کر دیا گیا۔“

”کیا بہوت مہیا ہو گیا تھا۔“ جیراللہ نے پوچھا۔ ”قطیٰ! ایک منٹ کی بھی مہلت نہ ملتی۔“

”عجیب بات ہے آج کل کشت و خون کار جان بڑھتا جا رہا ہے۔“ جیراللہ بولا۔ ”دنیا جاتی کی طرف جاری ہے پھر نیصدی ہاتھوں میں مجھے اذیت پسندانہ رجات کی لکیزی نظر آتی ہیں۔“ بہامتابدھ کی تعلیمات عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔“

”مجھے خوب ہے کہ انگریزوں میں بدھ ازم بڑی تیزی پہلیں رہا ہے۔“ فریدی نے سرہلا کر کہا۔ ”کیا یہ برناڑ بھی بدھ ازم بتاتا ہے۔“

”وہ آہستہ آہستہ راہ راست پر آ رہا ہے کیا آپ اُ جانتے ہیں؟“ ”جی ہاں! اچھی طرح۔“

”وہاب ایک اچھا آدمی بننے کی کو کر رہا ہے۔“ جیراللہ نے کہا۔ ”حالانکہ اس کے ہاتھ میں بھی ایسی لکیریں ہیں جو اس کو قاتل ثابت کرتی ہیں۔“

”مگر افسوس ہے کہ پولیس ہاتھ کی لکیریوں والے علم بے بہرہ ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن برناڑ جلد ہی اپنی راہ ملاش کر لے گا.... وہاں جو پھانسی کے تختے نک جاتی ہے۔“

”اس کے ہاتھ میں اس قسم کی کوئی لکیر نہیں۔“ جیراللہ بولا۔

”میں نے عرض کیا تاکہ پولیس اس علم بے بہرہ ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”ویسے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ جوزف کو کب جانتے تھے۔“

”اوہ تو تشریف رکھئے۔“ مجھے اپنے مشرقی بھائیوں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔“ ”مجھے افسوس ہے کہ میں ایک بہت ہی اہم معاملے میں آپ کو تھوڑی سی تکلیف دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ.... ضرور.... ضرور.... میں نے آپ کے کارڈ میں آپ کا عہدہ دیکھا ہے۔“ وہ تینوں گاؤں کے سے لگ کر بیٹھ گئے حید کی آنکھیں بدستور جیراللہ کے چہرے پر جی ہوں تھیں جو ان دونوں میں سے کسی کی بھی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اس کی نظریں بخور دان سے ہٹ کر میرا کی تصویر پر جم گئیں تھیں۔

”کل ایک آدمی کی موت بڑے پروار طریقے پر واقع ہو گئی۔ پولیس اس کے لئے پریشان ہے۔“ فریدی بولا۔

”پھر اسرار طریقہ پر۔“ جیراللہ آہستہ سے بولا۔ ”اگر مجھے اس کی پیدائش کا صحیح وقت و ان اور تاریخ معلوم ہو جائیں تو میں اس پر اسرار طریقے پر روشنی ڈال سکوں گا۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ اُسے جانتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں۔“ جیراللہ نے سوالیہ انداز میں دہرا دیا۔ اب اس کی نظریں میرا کی تصویر پر پھر بخور دان پر جم گئی تھیں۔

”جی ہاں! جوزف پیٹر جسے آپ نے کل اس کے مستقل کے متعلق پکھ بتایا تھا۔“ ”ٹھہر نیے۔“ جیراللہ بے صبری سے ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مجھے کہنے دیجئے۔ میں سمجھ گیا۔“ مجھے لیکن ہے کہ وہ ایک عجیب و غریب ہاتھ تھا کل میں نے ایک نوجوان جوڑے کے ہاتھ دیکھئے تھے اور انہیں بتایا تھا کہ آج کادون ان کے لئے خطرناک ہے اور میں آپ کو بتاؤں مرد کے ہاتھ کی ایک لکیر بتاتی تھی کہ وہ کسی عجیب و غریب درندے کا شکار ہو گا۔ اور ستارے کہہ رہے تھے وہ منور دن یہی ہے۔“

”اوہ اس کی بیوی دیں رہ گئی تھی۔“ فریدی بولا۔ ”میں نے دونوں سے کہا تھا کہ وہ گھر چلے جائیں۔“ ”کیا ستاروں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی موت گھر ہی پر واقع ہو گی۔“

”یہ آپ کیوں پوچھنا چاہتے ہیں۔“ جیراللہ نے نہ سکھتے کہ میں اور فریدی ایک ایسے چھوٹے سے پیکٹ کو ادھیز نے میں مشغول تھا جو انگلی رجڑ پوسٹ سے اس وہ دور نہ تھا۔“

”معاف سمجھے گا۔ میں آپ کی بہت قدر کرتا ہوں۔“

”میاں بیوڈگی ہے۔“ فریدی چھوٹا کر بولا۔

”بیوڈگی میری نہیں بلکہ ان پیسوں کی ہے جو اس نادل کے لئے میری جیب سے نکلے تھے۔“

”میں نے تمہیں ہزار بار منع کر دیا کہ آفس میں نادل نہ پڑھا کرو۔“

”جبوں اپنے ہٹھا پڑتا ہے۔“ حمید ب سور کر بولا۔ ”قطع خون گرم رکھنے کا بہانہ۔ خدا کی قسم ان

نادلوں کو پڑھ کر خون گرم ہوتا ہے۔ غصہ آتا ہے اور مر نے مارنے کو دل چاہنے لگتا ہے۔ اب اسی

”افسوس کہ یہ بات میرے علم کے احاطے سے باہر ہے۔“ جیراللہ نے کہا۔ ”لیکن میں آپ نادل کا آخری منظر ملاحظہ فرمائی۔ سورج پہاڑی کے پیچے چھپ گیا۔ دھند پھیل گئی۔ دو

کاہاتھ دیکھ کر یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ آپ اس کیس میں کامیاب ہوں گے یا نہیں۔“

”میاں بھی اس سے دچھنی نہیں۔“ فریدی خٹک لجھے میں بولا۔ ”میں خود ہی اپنے ہاتھ کا بر جنٹ حمید اکو کا پھٹا چھتی ہی رہ گیا کہ ابے میرے سماں ہے تین روپے تو دیے جاؤ۔“

فریدی جھلاہٹ کے باوجود بھی مسکراپ اور حمید بکار رہ۔ ”میاں میں سماں ہے تین روپے اس

”جب تو آپ واقعی باکمال آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“ جیراللہ سنجیدگی سے بولا۔ ”اصل

کے لئے خرچ کرتا ہوں کہ ہیر و کی ماں پہاڑی پر چڑھ جائیں۔ اس نادل میں ہیر و کی ماں کا باپ

حقیقت تو یہی ہے کہ لکیروں کا بننا بگزنا آدمی کے خیالات پر منحصر ہے باحوصلہ آدمیوں کے دھوکے سے ہیر و کی ماں سے شادی کر لیتا ہے جب یہ راز کھلتا ہے تو اس کا دل ٹوٹ ناٹ کر برار

ذجا تھا اور دوبارے غم کے ایک اور شادی کر لیتا ہے۔ لیکن اتفاق سے وہ بھی ہیر و کی ماں نکتی

ہے اب یہاں سے کس پیش شروع ہوتا ہے آخر ہیر و کی اصلی ماں کون تھی۔ ہیر و دنوں کو ماں

ہاتھا اور آخر میں جب یہ راز کھلتا ہے ساری دنیا انگشت بدندوال رہ جاتی ہے ان میں سے ایک

راصل...!“

”یک ماں بند کرو۔“

”دل کا بخار نکال لینے دیجئے ورنہ مجھے برانکا نیٹس ہو جائے گا۔“

”تماموش رہو۔“ فریدی دانت پیس کر بولا۔ وہ پیکٹ کھول چکا تھا اور اس میں سے برآمد

ہوئے والے کاغذ کے دو ٹکڑے اس کے سامنے پھیلے ہوئے تھے اور وہ تحریر آمیز نظر وہ سے ان کی

طرف دیکھ رہا تھا۔

”لیکن اس زہری مسکراہٹ سے اچھی طرح واقف تھا۔“

عرفانی کاراز

سر جنٹ حمید آفس میں زیادہ تر عشقی نادل پڑھا کرتا تھا اس کی میز فریدی کی میز کے سامنے تھی۔ اس وقت بھی وہ اردو کے ایک پہنچنے والے دار بلکہ خستہ کر اے عشقی نادل میں مگر

”نہیں مانو گے تو میں دھکے دے کر باہر نکال دوں گا۔“ فریدی نے کاغذات پیکٹ سر جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔
پھر حمید نے اُسے مظہر بانہ انداز میں ٹھیکتے دیکھا۔ کمی بار رک کر اُس نے فون کرنے لئے رسیور بھی اٹھایا لیکن پھر رکھ دیا۔

”کیا بات ہے؟“ حمید نے سمجھی گئے پوچھا۔
”مگر چلیں گے۔“ فریدی نے گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ابھی تین ہی بجے تھے اور آخر ہونے کا وقت ساڑھے چار تھا مگر یہ بات حمید کے لئے غیر معمولی تھی کیونکہ فریدی آمیز بہت ہی کم بیٹھتا تھا۔

”نہیں گھر نہیں۔“ فریدی برآمدے میں پہنچ کر بولا۔ ”میشل بک وقت بہت کم ہے۔“ تیز چنان پڑے گا۔“

میشل بک کے نام پر حمید چونکا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اب میشل بک جانے کی ضروری کیوں پیش آئی جب کہ فریدی پہلے ہی وہاں تحقیقات کر چکا تھا نہ صرف تحقیقات کر چکا تھا مایوس بھی ہو چکا تھا۔

مرنے سے قبل عرفانی نے میشل بک کا نام لیا تھا اس لئے خیال پیدا ہوا تھا کہ ممکن عرفانی نے وہ نہ اسرار چیز جس کی قاتلوں کو تلاش تھی میشل بک میں رکھاوادی ہو۔ لیکن اس تحقیقات کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہاں عرفانی کے روپے ضرور جمع تھے لیکن اُس نے کوئی چیز کر کھلائی میں نہیں رکھوائی تھی۔

فریدی کی کیڈی لاک سڑک پر فرانٹ بھر رہی تھی اور اس وقت بچچے اس کا دل چاہ رہا۔ ٹریک پولیس کے ایک آدھ کا نیشنل کو جان ہی سے مار ڈالے۔ چورا ہوں سے گزرتے وقت کا نیشنل ہاتھ دے کر ایک طرف کے ٹریک رکاوادیتے فریدی کا لکیج خون ہو جاتا۔۔۔ وہ سوچ تھا کہ کہیں بک بند نہ ہو جائے۔

”کیا مصیبت آگئی۔“ دفعتاً حمید بڑا ہوا۔ ”کہیں ایکیڈٹ نہ فرمادیجھے گا۔ آخراب یک میشل بک کی کیوں سو جھی۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ عرفانی چند ہزار روپیوں کے لئے قتل گیا ہے اور قاتل کو دراصل وصیت نامے کی تلاش تھی۔“

”نہیں.... جس چیز کی تلاش تھی وہ میشل بک ہی میں ہے۔“
”سماں الہام ہوا ہے....!“ حمید بھٹا کر بولا۔

”مت بور کرو۔“ فریدی نے بیزاری سے کہا ”عرفانی صاحب مرنے کے بعد بھی اپنی زندگی بیوت دے رہے ہیں۔“

”ہمیں اتوکیا وہ بہرام کی لاش تھی۔“ حمید اچھل کر بولا۔

”بکواں بند کرو یہ دیکھو۔“ فریدی نے جیب ٹول کر ایک کاغذ نکالا اور حمید کی طرف بڑھا دیا۔
کاغذ پر تحریر تھا۔

”فریدی! اگر مجھے کوئی حادث پیش آجائے تو اُسے میشل بک کی سیف سے نکال لینا۔ کنجی اور سیف کمڈی کی رسید روانہ کر رہا ہوں۔ اگر میری گشادگی کی خبر سنو تو کم از کم ایک بخت تک انتظار رو۔ اگر میری طرف سے تمہیں کوئی اطلاع ملے تو اُسے وہیں رہنے دیا۔۔۔ اگر بخت کے بعد بھی ہرے متعلق کچھ نہ سنو تو پھر تمہیں اختیار ہے اُسے ضرور بالغزور نکال لینا۔ لیکن رازداری شرط ہے کہ کو کافوں کا نام خبر نہ ہو ورنہ میری ہی طرح تمہیں بھی وصیت کرنے پڑے گی۔“
”بچھے عرفانی کا نام تحریر تھا اور اس کے بیچے تاریخ درج تھی۔“

”یہ تاریخ اُسی دن کی ہے جس رات عرفانی کو حادث پیش آیا۔“ فریدی بولا۔

”لیکن اُسے پہلے ہی سے خطرے کا احساس تھا۔“ حمید نے تحریر آمیز بھجے میں کہا۔
”اگر نہ ہوتا تو مجھے یہ سب کچھ بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔“

”امچا... دوسری بات!“ حمید فریدی کو کاغذ و اپس کرتا ہوا بولا۔ ”یہ خط بتاتا ہے کہ وہ چیز سیف کمڈی میں ہے اور آپ کی بچھلی تحقیقات کا ماحصل یہ تھا کہ عرفانی نے میشل بک کی

سیف کمڈی میں کوئی چیز رکھوائی ہی نہیں تھی۔“
”ٹھیک ہے فرزند! اسی لئے تو کہا تھا کہ عرفانی صاحب مرنے کے بعد بھی اپنی زندگی کا ٹوٹ دے رہے ہیں۔ میشل بک کی محفوظ تجویری انپکٹر احمد کمال فریدی کے نام سے کرائے پری لی تھی۔“

”یہ کیسے معلوم ہوا آپ کو۔“
”تم اذیوٹ ہو کیا؟“ فریدی بگز کر بولا۔ ”کیا رسید پر تجویری حاصل کرنے والے کا نام نہیں۔“

”جی نہیں! عرفانی کے بھائی تھے! بھائیجے داماد نو سے اور نہ جانے کیا کیا آلات۔ میرا ردی تو تو لکھا جاتا۔“

”رہیاں ہو گیا ہے کہ اب میرے پاس آنے والے ہر آدمی سے پوچھ بیٹھتا ہے کہ وہ عرفانی کا ہاں... ہاں... ہاں۔“ فریدی چھپلا گیا۔ ”اب یہ بھی پوچھو کہ نام کے بچے کیا ہیں۔“ اپرشنے دار تو نہیں۔“

”اب دیکھئے... تجوہی سے خونی ہیزا برآمد ہوتا ہے یا نظرًا جاؤ۔“ ”جید معنکہ اڑاں“ ”اوہ...!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”اچھا بیتھے اگر اب اس قسم کا کوئی آدمی آئے تو اسے والے انداز میں بولا۔“ ”فونا نچو کی بندرا یا نلکتی ہے یا پی کے چیزوں نکم۔“

”یا تمہارا جنازہ؟“

”اپ نے اخبارات میں تو عرفانی کے متعلق پڑھا ہی ہو گا۔“ ”فریدی بولا۔“ دراصل ان کے فریدی دانت پیس کر رہا گیا اور جید نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ اب خاموش ہی رہے گوں کو چند نادر و نایاب ہیروں کی تلاش تھی لیکن وہ انہیں نہیں مل سکے۔ اب غالباً وہی لوگ کوئکہ اسی اگھی کیڈی ایک چیز گاڑی سے گلرتے گلتے پچی تھی۔ بک بند ہونے میں صرف نہ ٹکوں میں پتہ لگاتے پھر رہے ہیں۔ ان کی دانت میں عرفانی نے ان ہیروں کو کسی بک ہی آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا اور اس وقت سیف کیڈی کا معاملہ گھٹائے ہی میں پڑ جاتا۔ اگر فریدی نے شیرا مار کھچوڑا تھا۔“

”اوہ یہ بات ہے۔ میں آپ کو ضرور اطلاع دوں گا۔ آپ کافون نمبر۔“

”رہیں فون کے نمبر لکھوادیے۔ واپسی پر جید کی بوکھلا ہٹیں قابل دید تھیں۔“ ”اوے تو کھوئے تاں لفافے کو۔“ ”اُس نے کہا۔“ ”مگر پہنچ کر...!“ فریدی بڑی بڑیا۔

”واپسی پر شیر بولا۔“ ”میرا خیال ہے کہ مشریع رفانی کے اکاؤنٹ کے متعلق تغییر کرنے کے لئے آپ ہی تشریف لائے تھے۔“ ”جید معنکہ اندراز میں بڑی بڑیا۔“ ”اگر عرفانی خود کو خطرے میں ہو رہا تھا تو اس نے پہلے ہی آپ کو یا پو لیں کو اطلاع کیوں نہیں دی اور وہ یہ لفافہ آپ تک اپنی دل میں بھی پہنچا سکتا تھا۔“

”آن کے خط کو دوبارہ پڑھو۔ آن کے اس طریقے کا رسے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے پاکیں والیں مجھے بدرجہ مجبوری شریک کیا ہے۔ اگر وہ اس ناگزیر خطرے میں نہ پڑتے تو مجھے تاکی کاں کاں خبر بھی نہ ہوتی صاف لکھا ہے کہ نیشنل بک سے وہ چیز اُسی وقت نکلوائی جا سکتی ہے جسما انہیں کوئی حادثہ پڑیں آجائے... ورنہ نہیں۔“

”گرے تو وہ کیا چیز ہے! کھولنے لفافہ ورنہ میرا دماث جائے گا۔“

”بے صبری نہیں... اس میں ہیرے نہیں ہیں۔“

”مگر بھی ہو لیکن اس سے دو خون دا بستہ ہیں۔“ ”جید کچھ سوچتا ہوا بولا۔“ ”ایک بات سمجھ

”رہیاں پر آپ کا نام ہے۔“ ”جید نے احمقوں کی طرح پوچھا۔

”ہاں... ہاں... ہاں۔“ ”فریدی چھپلا گیا۔“ ”اب یہ بھی پوچھو کہ نام کے بچے کیا ہیں۔“ اپرشنے دار تو نہیں۔“

”اب دیکھئے... تجوہی سے خونی ہیزا برآمد ہوتا ہے یا نظرًا جاؤ۔“ ”جید معنکہ اڑاں“ ”اوہ...!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”اچھا بیتھے اگر اب اس قسم کا کوئی آدمی آئے تو اسے والے انداز میں بولا۔“ ”فونا نچو کی بندرا یا نلکتی ہے یا پی کے چیزوں نکم۔“

”یا تمہارا جنازہ؟“

”اپ نے اخبارات میں تو عرفانی کے اکاؤنٹ کے متعلق پڑھا ہی ہو گا۔“ ”فریدی بولا۔“ دراصل ان کے

فریدی دانت پیس کر رہا گیا اور جید نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ اب خاموش ہی رہے گوں کو چند نادر و نایاب ہیروں کی تلاش تھی لیکن وہ انہیں نہیں مل سکے۔ اب غالباً وہی لوگ

کوئکہ اسی اگھی کیڈی ایک چیز گاڑی سے گلرتے گلتے پچی تھی۔ بک بند ہونے میں صرف نہ ٹکوں میں پتہ لگاتے پھر رہے ہیں۔ ان کی دانت میں عرفانی نے ان ہیروں کو کسی بک ہی

آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا اور اس وقت سیف کیڈی کا معاملہ گھٹائے ہی میں پڑ جاتا۔ اگر فریدی نے شیرا مار کھچوڑا تھا۔“

”اپنے کام کی سرکاری اہمیت نہ سمجھانی شروع کر دی ہوئی۔“

”رہیں فون کے نمبر والی تجوہی کھو لی گئی۔ ایک بڑا سالفافہ برآمد ہوا جس پر فریدی کا

نام تحریر تھا۔“ ”جید نے اسے ہاتھ پر رکھ کر اس کے وزن کا اندازہ لگایا اور مایوسانہ انداز میں ہونے سکوڑ کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

”اوہ یہ بات ہے۔ میں آپ کو ضرور اطلاع دوں گا۔ آپ کافون نمبر۔“

”رہیں فون کے نمبر والی تجوہی کھو لی گئی۔ ایک بڑا سالفافہ برآمد ہوا جس پر فریدی کا

نام تحریر تھا۔“ ”جید نے اسے ہاتھ پر رکھ کر اس کے وزن کا اندازہ لگایا اور مایوسانہ انداز میں ہونے سکوڑ کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

”اوہ یہ بات ہے۔ میں آپ کو ضرور اطلاع دوں گا۔ آپ کافون نمبر۔“

”تو براہ کرم یہ بتائیے کہ یہ چڑھ کب تک چلتا ہے گا۔“

”کیوں...!“

”میں عاجز آگیا ہوں۔ لیکن پوچھنے والے صرف یہی پوچھتے ہیں کہ عرفانی نے سیف کیڈی میں تو کوئی چیز نہیں رکھوائی تھی۔“

”کیا میرے علاوہ بھی کسی نے پوچھا تھا۔“ ”فریدی نے پوچھا۔

”پتہ نہیں کتنے آئے اور مخفی چاٹ کر چلے گئے۔“

”اوہ...!“ فریدی سرگار کیس نکالتا ہوا بولا۔ ”کیا پو لیں والے تھے۔“

میں نہیں آتی کہ وہ عجیب و غریب درندہ جوزف کے مکان میں کس طرح داخل ہوا۔ ظاہر ہے کہ لکھن لین کافی گنجان آباد ہے اور اس کی پشت پر بھی عمارتوں کا سلسلہ ہے۔ تعجب ہے کہ کہاں کی پشت پر صرف ایک نو خیز لاکے کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں تعلیمی تاشوں کا پیکٹ تھا۔

”اوہ کیا تمہیں وہ بن ماں یاد نہیں جولا طینی سایولتا ہے۔“

”تو آپ کا یہ مطلب ہے کہ کوئی آدمی کسی درندے کی کمال پہن کر جوزف کے سامنے ہے۔“ تھا جسے دیکھ کر وہ خوف کے مارے مر گیا۔“

”میں تو یہی سمجھتا ہوں۔“

”اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو پھر آپ کی نظروں میں حیرالذہ سو فیصدی مشتبہ ہو گا کیوں کہ از نے تو جوزف کو گھر بھیجا تھا۔“

”ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال صحیح ہو۔“

”اگر یہ ہو سکتا ہے تو تمہارا ایڈہ باقاعدہ طور پر غرق ہو گیا میں دوبارہ اس خوفناک آدمی کلینندوں گا۔“ قریب سے دیکھنے کی ہمت نہ کر سکوں گا۔“

”کیوں! کیا خاص بات ہے اس میں۔“ فریدی لاپرواں سے بولا۔

”اس کی آنکھیں.... خدا کی پناہ.... اس کا چہہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے۔ آنکھوں ہی اس بناوٹ پر دوسرے خدوخال کی نری یا تندی کا دار و مدار ہوتا ہے۔ گردوں دنوں میں بے رطی ہی آنکھیں خوفناک اور چہرے کے خدوخال مخصوصیت کے حال ہیں۔“

”ہاں ہے تو کچھ ایسا ہی۔“ فریدی بڑی بڑیا۔

”گھر پہنچ کر فریدی نے جیب سے لفافہ نکالا۔ میں تو ڈی اور لفافہ کھول کر اس کے اندر کا اشیاء میز پر الٹ دیں۔ یہ تعلیمی تاش کے دو پتے تھے اور ایک چری جلد کی پاکٹ ڈائری۔“

”ہات تیرے کی۔“ حید اپنا سر پیٹ کر چینا۔ ”یہ کس جاوسی ناول کا پلاٹ ہے۔ ان بکتوں نے اب چیزیا کی تکلیف کی بیکم اور چڑی کا غلام چھوڑ کر تعلیمی تاش استعمال کرنے شروع کر دیے۔“

فریدی نے دھیان تک نہ دیا۔ وہ بڑی تیری سے ڈائری کے اوراق الٹ رہا تھا لیکن ”اے سب سادہ تھے۔ کسی صفحے پر بھی کوئی تحریر نہیں تھی۔“

137
حمدی تعلیمی تاش کے چتوں کو اتنے پلتے لگا۔ ان کے ایک طرف حروف تھے اور دوسری طرف تصویریں۔ تصویروں میں سے ایک پر دو مختلف فوجوں کی لڑائی کا منظر تھا اور دوسرے پتے کی پشت پر صرف ایک نو خیز لاکے کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں تعلیمی تاشوں کا پیکٹ تھا۔

”حروف ایک ہی تھا اور یہ حرف تھا“!

فریدی نے ڈائری رکھ کر پتے حمدی کے ہاتھ سے لے لئے وہ بھی چند لمحوں تک انہیں الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر عجیب نظروں سے حمدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں سوچتا ہوں کیا عرفانی مجھ سے بھی زیادہ سخرہ تھا۔“ حمدی نے کہا۔

”عرفانی بہت ذہین آدمی تھے۔“

”تو پھر.... اس حرکت سے کیا نتیجہ اخذ کروں۔“ حمدی دوبارہ سر پیٹ کر بولا۔

”میں تمہیں اور کوئی کام نہیں۔“ فریدی خٹک لبھے میں بولا۔ ”میں تمہیں نتیجہ اخذ کرنے کی قریب سے دیکھنے کی ہمت نہ کر سکوں گا۔“

حمدی پر اس کے لبھے کی خلکی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ تعلیمی تاش کے چتوں کو دیکھتے ہی اس کی سمجھیگی رخصت ہو گئی تھی اور وہ اس بُری طرح محکمہ اڑانے کے موڑ میں آگیا تھا کہ اگر اس وقت اس کا باب پ بھی ہوتا تو وہ اُسے چکیوں میں اڑا دیتا۔

”دونوں چتوں پر لام ہیں۔“ وہ نہایت مقل堪ہ انداز میں بڑیا۔ ”ایک پر لڑکے کی تصویر ہے اور دوسرے پر لڑائی کی۔ فریدی صاحب معہ حل ہو گیا آپ نے اردو کی ابتدائی کتاب تو پڑھی ہی ہو گئی۔ میں اس کا پہلا تصویری سبق یاد کر رکھتے۔ اب دیکھنے ان چتوں کی طرف.... لام سے لڑکا اور لام سے لڑائی۔ یعنی یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جوال ہو کر۔ اُف فہر زندگی کا فلسفہ حل ہو گیا؟“

”عرفانی صاحب میں تمہاری عظیم روح کو سلام کرتا ہوں۔ کیا بات پیدا کر دی ہے تم نے یعنی لڑکے جوان ہو کر فوج میں بھرتی ہو جاتے ہیں۔“

”کے جاؤ فرزند...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تمہاری بکواس بھی کبھی کار آمد ثابت ہوتی ہے۔“

”لام سے تا مکینیٹر بھی ہو سکتا ہے لیکن میں فی الحال لام سے لگ گئی چوٹ کر بیجوں میں ہائے رہا کو تریج دوں گا۔“ جوارے سامنے دو لام ہیں۔ اس لئے ایک شعر سننے دونوں لاموں کی تشریع

فریدی اٹھتی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بیجی۔
”زرا ویکھنا تو...!“ فریدی نے حمید سے کہا۔
حید نے ہاتھ پہنچا کر رسیور اٹھایا۔
”آپ کافون ہے۔“ وہ ماڈ تھے پس پہاٹھ رکھ کر بولا۔ ”آئی جی۔“

فریدی نے اس کے ہاتھ سے رسیور لے لیا۔
”بیلو... جی ہاں... میں ہی بول رہا ہوں... تسلیمات... میں نہیں سمجھا... اوه...
لیکن... کیوں... ایسا کیوں ہوا؟... جی ہاں... میں اس سے ملا تھا... جوزف کے سلطے
میں... لیکن عجیب بات ہے... مجھے شہبہ ہے... تھیک ہے... میں نے وہاں دو آدمی مقرر کئے
ہیں... اوه... بہتر... بہتر... مجھے کوئی اعتراض نہیں... جی بڑی سہر ہائی... تسلیمات۔“

فریدی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا اس نے رسیور رکھ دیا۔
”کیا بات ہے؟“ حمید اسے غورتے دیکھنے لگا۔
”میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر دیا گیا۔“
”کیوں...؟“

”غالباجیر اللہ نے شکایت کی۔“

”اوہ... لیکن چاری ملاقاتات تو بڑے شریفانہ طور پر ہو گئی تھی۔“

فریدی کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر اس نے کہا۔
”اجازت نامہ منسوخ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم اس کیس میں دخل اندازی نہ
کریں... اور اگر جیزیر اللہ مجرم ہے تو میرے علاوہ اور کوئی اس پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا۔“

”میں تو کہتا ہوں ماریے گوئی۔ آپ بھتیں گے یار لوگ۔“

”اگر عرفانی صاحب قتل نہ ہوئے تو شاید میں خود ہی الگ رہتا۔ لیکن ایسی صورت میں
ناممکن ہے۔“

”فرض تھے بہ کیس کسی اور کو سونپ دیا جائے۔“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میری راہ کوں روک سکے گا۔ کیا پورے مجھے میں کوئی ایسا ہے
اگر ہو تو بتاؤ۔“

حمد نے ایک بار فریدی کو گھوڑتی ہوئی نظر دی سے دیکھا اور پاپ سے میں تمبا کو بھرنے لگا۔
”چلا ٹھو...!“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔
”کہاں...!“

”عرفانی صاحب کے گھر...!“
”وہاں کیا کریں گے۔“

”اوہ... ان کا صحیحجاہاں آگیا ہے۔“

”آئے نے دیکھے! اوه بھی کوئی نہ کوئی تھذہ ہمارے لئے کسی بیک میں محفوظ کر جائے گا۔ مثلاً
اندوں کے چلکے! اور پھر ہم سر جوڑ کر یہ ثابت کر دیں گے یہ کسی جرمن نسل کی عورت کے
اثرے ہیں۔“

”ٹھو...!“ فریدی اس کا کان پیکڑ کر اٹھا تھا ہو بولا۔ ”مجھے زیادہ غصہ نہ دلاؤ۔“

فریدی ایک بار پھر عرفانی کے گھر کی تلاشی لیتا چاہتا تھا اسے توقع تو یہ تھی کہ وہ اس طرح
کسی خاص راستے پر چل سکے گا لیکن پھر بھی اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس کے امکانات بھی نہ
چھوڑے جائیں۔ ممکن ہے کہ اس کے قتل پر کچھ روشنی پڑنے کے اسباب پیدا ہوں گی جائیں۔

فریدی سے عرفانی کے بھتیجے کی کچھ یونہی رسمی کی جان پیچان تھی وہ جلال آباد کی ایک
پرانی بست فرم کا اسٹینٹ فیbrig تھا اور عرفانی کی موت کی خبر سن کر کچھ دنوں کے لئے یہیں آگیا
تھا جو کہ صرف وہی اکیا اس کے وارثوں میں سے تھا اس لئے اس کے قیام کی مدت طویل بھی
ہو سکتی تھی۔ وجہ یہی تھی کہ عرفانی کا تھوڑا تھوڑا اکاؤنٹ شہر کے بہترے بنکوں میں تھا۔ عرفانی
کی ایک بہت بڑی کمزوری تھی اس نے محض اس لئے بہت سے بنکوں میں حساب کھول لیا تھا
تاکہ دوسروں پر اس کی المادت کا راء پڑے وہ کسی کو چیک دیتے وقت آٹھوں چیک بکیں اپنے
مانسے رکھ کر اس سے بڑے پڑے وقار انداز میں پوچھا کر تھا کہ اسے کس بیک کا چیک چاہئے۔
بہر حال عرفانی کی یہ کمزوری اب اس کے بھتیجے کے لئے سوہاں روح ہو گئی تھی۔ اگر کوئی وصیت
نامہ بھی چھوڑ جاتا تو اسے کوئی دشواری پیش نہ آتی لہذا فریدی نے جب اس سے ایک بھی کاروانی
کیلئے درخواست کی تو اس نے کوئی اعتراض نہ کیا غالباً وہ یہ سوچ کر خوش ہی ہوا ہو گا کہ شہر کا کم
اکیل مہرز آدمی تو اسے جانتا ہی ہے۔ جو عرفانی کا ترکہ حاصل کرنے میں اُسے مدد دے سکے گا۔

فریدی نے سب سے پہلے عرفانی کی لا بیری کا رخ کیا۔ لکھنے کی میز پر جتنے بھی کافشات موجود تھے انہیں دیکھا رہا۔ بہتری کتا یہ ائیں پڑیں... لیکن کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس سے عرفانی کے قتل پر روشنی پڑے... کمی کھنکنے گزر گئے عرفانی کا بھتیجا بھی آتا گیا اور آخر اسے معدورت کر کے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا پڑا۔ مگر فریدی کا دیکھا ہوا تھا اس لئے اُسے اُس کی رہنمائی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ دوسرے کروں کو دیکھتے بھالتے ہوئے وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچ ہے عرفانی نے فونو گرافی کا ڈارک روم بنار کھا تھا فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں سوچ ٹلاش اُنی بے ربط باتیں لکھنیں کہ فریدی بوکھلا جاتا۔ کر کے بھی جلا دی۔ نیلے رنگ کا بلب روشن ہو گیا ساتھ ہی فریدی کے منہ سے تھیر آمیز آواز نکلی.... حید اسے گھوڑنے لگا۔

”حید ڈیر۔“ فریدی منتظر بانہ انداز میں بولا۔ ”یہ فونو گرافی کا ڈارک روم ہے۔ آخر یہاں نیلے بلب کا کیا کام۔ یہاں تو سرخ بلب ہوتا چاہئے۔“

”خدا محفوظ رکھ سراغ رسانی سے۔“ حید بڑیاں۔ ”کل صبح آپ پوچھیں گے ہائیں یہ آنا سورج ٹیڑھا کیوں نکل رہا ہے۔“

فریدی نے اُس کی بکواس کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بڑے انہاں سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخر اسے میز پر ایک سرخ بلب بھی مل گیا۔

”یلا بلب...!“ وہ اس طرح بڑیاں جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ حید کو الجھن ہونے لگی۔ آخر اس ملے پرانے غور و خوض کی کیا ضرورت ہے ہو گی کوئی بات بھلا نیلے یا سرخ رنگ کے بلب سے عرفانی کے قتل کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اور پھر عرقاں کو نکل آئے۔

تو نیلے رنگ کا جون تھا اُس کے رہائش کے کمرے کی ہر چیز نملی تھی حتیٰ کہ شب خوابی کا لباس بھی نیلا ہوا کرتا تھا اگر اسکے ڈارک روم میں نیلے رنگ کا بلب نظر آجائے تو اس کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔

اس نے فریدی کی طرف دیکھا جو اپنے ہونٹ اس طرح سکوڑے ہوئے تھا جیسے سیٹی بجانے کا رادہ رکھتا ہو۔ دفعتائی خفیف مکراہٹ اس کے چہرے پر نمودار ہوئی اور وہ کہنے لگا۔

”حید اب ہمیں اس مکان میں ایک ایسی عینک ٹلاش کرنی چاہئے جس کے شیشے زرور یہ کے ہوں۔“

”اور اگر نہ ملے۔“ حید برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”تو بازار سے خرید کر یہاں رکھ دینی چاہئے۔“ نیلا کو جلدی تھی۔ اس نے باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ بھی اس دکان میں اور کبھی اُس

عرفانی کی روح کو سکون مل سکے۔ بیچارہ جو ساری زندگی عینک کو ترستا رہا۔“

فریدی ڈارک روم میں رکھی ہوئی چیزوں کو والٹنے پڑتے لگا۔ حید چپ چاپ کھڑا اسے عینب نظروں سے گھوڑ رہا تھا۔ فریدی کی باتیں اکثر بڑی بے ربط ہوا کرتی تھیں اور ان کی چولیں ملانے کے سلسلے میں حید کو باقاعدہ طور پر اختلاج ہونے لگتا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا ہے اس کا بھجا کھوپڑی سے نکل آیا ہو۔ اس وقت وہ بڑے ضبط و تحمل سے کام لے رہا تھا وہ خود اس کی زبان سے اتنی بے ربط باتیں لکھنیں کہ فریدی بوکھلا جاتا۔ فریدی نے میز کی دراز کھوئی۔

”اگر...!“ وہ آہستہ سے بڑیاں۔ ”عینک تو ہے... خوب... زرور رنگ...!“

وہ حید کی طرف مزا اور عینک اُس کے چہرے کے قریب لے جاتا ہوا بولا۔ ”یہ وہی زرد رنگ کی عینک... اب ہم کسی قابل ہو سکیں گے۔“

”بھیش جو تیاں پھلتاتے رہیں گے۔“ حید جل کر بولا۔ ”اگر آپ اتنا وقت برہاد کرنے کی سورج ٹیڑھا کیوں نکل رہا ہے۔“

بائیے مجھ سے کہتے تو میں آپ کو ایک درجن ایسی عینکیں خرید دیتا۔“

”نہم اشت اپ! آواب چلیں۔“ وہ عینک جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔

”اُرے اُرے یہ کیا؟ عینک جو اسیں گے آپ۔“

”اُدھ...!“ فریدی چوک کر بولا۔ ”ٹھیک ہے اس کی ضرورت نہیں۔“

اُس نے عینک جیب سے نکال کر پھر میز کی دراز میں ڈال دی اور وہ دونوں کرنے سے باہر بازار میں پہنچ کر فریدی نے کینڈیاں ایک عینک ساز کمپنی کے سامنے روک دی۔

”یادا...!“ حید شہنشی میں لے کر بولا۔

فریدی اُسے لئے ہوئے دکان کے اندر آیا اور یہاں اس نے زردوشیوں والی دو عینکیں طلب کیں۔ ”بل، آپ ہی شوق فرمائیے قبلہ۔“ حید بڑیاں۔ ”خدا وہ دن نہ لائے کہ آپ کو سلیمانی اسے کی ٹلاش ہو اُس سے پہلے ہی مر جانے کی تمنا کروں گا۔“

زردوشی کی عینک کا استعمال عام نہیں۔ اس نے وہ انہیں اس دکان میں تیار نہ مل سکی۔

”او، اگر نہ ملے۔“ حید برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”تو بازار سے خرید کر یہاں رکھ دینی چاہئے۔“ نیلا کو جلدی تھی۔ اس نے باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ بھی اس دکان میں اور کبھی اُس

”ہاں کیا بات تھی۔“ فریدی نے اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد قاسم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”جو توشی کے پیہاں.... عرفانی....!“

”تمہروں.... کیا جیرالد سے تمہاری جان پیچان ہے۔“

”نہیں تو....!“

”پھر تم وہاں کیسے گئے تھے۔“

”اوہ.... وہ....!“ قاسم شرم اکار کروا۔ ”یہی ذرا قسمت کا حال وال....!“

”غیر ہاں.... عرفانی کی کیا بات تھی۔“

”واپسی پر میں نے ایک کمرے میں عرفانی کی شکل کا ایک آدمی دیکھا تھا جو آرام کر سی پر لیتا اپنی رہا تھا۔“

”عرفانی کو تم کیسے جانتے ہو۔“

”اوہ.... میں نے اخبار میں تصویر دیکھی تھی۔“

”تب پھر تمہیں دھوکا تھی ہوا ہو گا.... صرف تصویر دیکھ کر۔“

”بھجھے یقین و اشت ہے۔“

”اشت نہیں.... واثق.... بعو دو....!“ حمید بھجھ میں بول پڑا۔

”واشق....!“ قاسم اُسے گھور کر غرایا۔ ”میرے والد صاحب سیکی بولتے ہیں۔“

”سیا اپنے والد صاحب بابائے اردو ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”تم خود ہو گے بابائے اردو.... ذرا زبان سننگاں کرہاں۔“ قاسم ڈپٹ کر بولا۔

”بیکا باتیں نہیں.... حمید خاموش بیٹھو۔“ فریدی نے کہا پھر قاسم سے بولا۔

”تمہیں دھوکا ہوا ہو گا۔“

”ہوا ہو گا سالا کچھ....!“ قاسم کا مسودہ بگز گیا تھا۔ ”اپنی ایسی کی تیسی میں گیا عرفانی اور اس کا

”جھوٹ اپاں حمید صاحب تم نے اس دن مجھے شراب کیوں پلائی تھی۔“

”کیا میں نے اپنے ہاتھ سے پلائی تھی۔“

”کہا تو تھامن نے.... تم نے بہ کا تھا مجھے۔“

دکان میں لیکن اسے مایوسی ہی کامنہ دیکھا پڑا۔

”ہم اب تک خواہ مخواہ وقت بر باد کرتے رہے۔“ فریدی بڑا بڑا۔ ”مکمل نوبیں کی دکان،“

ضرور مل جائے گی۔ بچوں کے لئے کمی انگوں کی عینکیں نہیں ہیں۔“

”آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔“ حمید بھنا کر بولا۔

”ایک ایسی عینک جس کے شیشے زرد ہوں۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”آخر کیوں؟“

”بعد کو بتاؤں گا۔“

”بہت بہتر....!“ حمید اپنا اوپر پری ہونٹ بھجھ کر بولا۔ ”اور اگر میں اس دوران میں مر جاؤ تو راز میرے باب پر بتا دیجھے گا۔“

”حمدیک بکو نہیں.... آؤ۔“

وہ سڑک پار کر کے فٹ پاٹھ پر چڑھی رہے تھے کہ کسی نے پیچھے سے حمید کو آواز دی۔

دونوں مڑے قاسم اپنی کار روک کر بوکھلائے ہوئے انداز میں اتر رہا تھا وہ دونوں رک گئے فرید

نگواری کے ساتھ کچھ بڑا بڑا تھا۔

قاسم آیا اور انھوں کی طرح منہ کھول کر ان کے قریب کھڑا ہو گیا۔ وہ کبھی حمید کو دیکھا

اور کبھی فریدی کو۔

”کیا بات ہے؟“ حمید بھجھلا کر بولا۔

”میں تم سے خوش نہیں ہوں حمید بھائی۔“ قاسم تھوک تھل کر بولا۔ ”لیکن میں اس د

پرانے جھگڑے نہیں چھیڑوں گا۔ کیونکہ میں نے ایک بھوت دیکھا ہے۔“

”بھوت....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”برف کا تو نہیں تھا۔“

”نہیں.... فریدی صاحب میں مذاق نہیں کر رہا ہوں میں نے انگریز جو توشی کے عرفانی کا بھوت دیکھا ہے۔“

”کیا....؟“ فریدی اسے گھور کر رہا گیا۔ پھر جلدی سے اس کا شانہ تھپٹھا کر بولا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“

وہ قریب کے ایک ریستوران میں چلے گئے۔

”کیسا کارنامہ....!“ قاسم نے پوچھا۔
”ایسا جس سے تمہاری شہرت ہو۔“ حمید نے پاس میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ”مثلاً نظری فری اسٹائل کا دنگل شروع ہونے والا ہے تم کسی ناپیلوان کو لکار دو۔“
”مجھے داؤں یقین نہیں آتے۔“
”فری اسٹائل میں زیادہ داؤں یقین نہیں ہوتے۔“
”مجھے کچھ بھی نہیں آتا۔“
”اگر سکھادیا جائے تو۔“
”میں لڑ سکتا ہوں۔“

”نمیک تو.... فریدی صاحب تمہیں سکھادیں گے۔“
”کیوں؟ آپ سکھادیں گے۔“ قاسم چک کر بولا۔
”ہاں کسی وقت اطمینان سے آتا۔“ فریدی نے کہا۔
”ویسے میں دھوپیاٹ بڑی اچھی مارتا ہوں۔“ قاسم بولا۔

”ہوں خیر.... دیکھا جائے گا۔ لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ اُس آدمی اور عرفانی میں کوئی مشاہدہ نہیں کیا۔“ میں نے تو مثال کے طور پر کہا ہے۔ لیکن آپ حمید بھائی کو سمجھادیے
”مشابہت کیا.... وہ ہو بہو عرفانی تھا۔ مجھے یقین ہے میں وہاں نے نکل کر سیدھا آپ کے یہاں گیا تھا۔ مگر آپ نہیں ملے تھے۔“

”تم نے کس وقت دیکھا تھا۔“
”تقریباً چار بجے۔“
”کسی اور سے تو اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔“
”نہیں.... کسی سے نہیں۔“

”اچھا تو اب کسی سے اس کا تذکرہ مت کرنا۔“
”حید کو الجھن ہونے لگی تھی وہ زر در گک کی عیک کے متعلق سوچ رہا تھا اور قاسم کی اس کہانی کا اس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں تھی۔“

”میرے کہنے سے تم زہری لو گے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔
”ذر اکھہ کر تو دیکھو.... کیسی گت بناتا ہوں۔“
”اوی.... ہونہے.... چھوڑو بھی یہ جھگڑے۔“ فریدی کافی کے لئے آبڑ دے کر بولا۔
”ہاں جیرالڈ نے کیا بتایا تھا تمہارا ہاتھ دیکھ کر۔“
قاسم نے جواب دینے کے بجائے شرم کر سر جھکا لیا۔ کچھ دیر تاخن سے دانت کرید تارہاں کنکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”اس نے بتایا ہے! بیوی بیکی رہے گی۔“
”تب تو تمہیں ضرور زہری لینا چاہئے۔“ حمید نے کہا۔
”تم چپ رہو حمید بھائی۔.... الا قسم تمہاری طرف سے دل میں میل آگیا ہے اگر پلان تھی تو.... وہاں چھوڑ کر چلے کیوں آئے تھے.... اگر میں بھی شرارت کروں تو۔“
”بھلا تم کیا شرارت کرو گے؟“ حمید نے پوچھا۔
”میں کسی اخباری روپرٹ سے بتا سکتا ہوں کہ تم نے اس دن جوزف کی کار میں گھٹالا کردا اور اُسی دن وہ مر گیا۔“
”لیکن تم ایسا ہرگز نہیں کرو گے۔“ فریدی اُسے گھور کر بولا۔
”نہیں کروں گا.... میں نے تو مثال کے طور پر کہا ہے۔ لیکن آپ حمید بھائی کو سمجھادیے
”میری بیٹھی کی کھال اور ہرگز ہی ہے۔“
”کیوں....؟“ فریدی نے جیرت سے کہا۔
”والد صاحب نے بندھوا کر بہتر سے بخربی تھی۔“
”چہ چے....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”حمدی تم بڑے سور ہو۔ خبردار اب جو کبھی قائم پریشان کیا۔“
”بیوی کے سامنے۔“ حمید نے پوچھا۔
”لُس زیادہ جان نہ جلاو۔ اگر بیوی کے سامنے پیٹا ہوتا تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔ وہ سالی میری کچھ حقیقت نہیں سمجھتی۔“
”واقعی نہ سمجھتی ہو گی اور نہ اس وقت تک سمجھے گی جب تک کہ تم کوئی برا کار نہ اخوا۔“
”دوس“ حمید بولا۔

رنگ جا گتے ہیں

منظرا تھا۔

”سوپر کو شاید آپ سے پھر عشق ہو گیا ہے۔“ حمید نہ کر بولا۔

سپرنٹنڈنٹ نے بڑی خوش اخلاقی سے فریدی کا استقبال کیا۔

”فریدی صاحب۔“ اُس نے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ عرفانی والا کیس آپ کو نہ سلا
حالانکہ میں نے بہت کوشش کی۔“

”میں آپ کا شکر گزار ہوں اور پھر اکیلے میں ہی تو نہیں ہوں اور بھی ہیں۔ میں دراصل اس
وجہ سے دچپی لے رہا تھا کہ عرفانی سے میرے خاص قسم کے تعلقات تھے۔“

”آپ جیراللہ سے خواہ جا بھڑے۔“ سپرنٹنڈنٹ نے متاسفانہ لمحہ میں کہا۔

”نہیں! سوپر میں تو صرف جوزف کے سلسلے میں اُس سے ملا تھا اور ہماری گفتگو وائزہ اخلاق
ہی میں رہی تھی۔“

”میں شاید کسی طرح علم ہو گیا تھا کہ آپ کے کچھ آدمی اسکے مکان کی نگرانی کر رہے ہیں۔“
”ہو گا....!“ فریدی لاپرواں سے بولا۔ ”میں اب اس میں دچپی نہیں لے رہا ہوں۔“

”کیس مشر آصف اور مشر سنگھ کے پروردگار گیا ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

”پتہ نہیں کیا چیز تھی جسے قاتل ملاش کر رہے تھے۔ معلوم نہیں وہ انہیں ملی یا نہیں۔“
”مل ہی گئی ہو گی۔“

سپرنٹنڈنٹ تیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا پھر ذرا سماں مسکرا کر بولا۔ ”کیا آپ؟“
سلسلے میں کچھ چھپا رہے ہیں۔“

”آپ کا خیال درست ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
”یعنی....!“

”میں یہ چھپا رہوں کہ قاتلوں کو وہ چیز نہیں ملی۔“

”آپ کو کیسے علم ہوا۔“

”اس طرح کہ کچھ لوگ ان بکوں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں جن میں عرفانی کا اکاؤنٹ
فائدہ خود کو عرفانی کا رشتہ دار ظاہر کر کے یہ بات معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ عرفانی نے کوئی چیز
سینپ کشندھی میں تو نہیں رکھوائی تھی۔“

”ممکن ہے وہ اس کے رشتہ دار ہی ہوں۔“

”میں نہیں ان کا صرف ایک بھتیجا ہے اور وہ بے چارہ بھی تک خاموش ہی بیٹھا ہوا ہے۔“

”ہوں....!“ سپرنٹنڈنٹ کی طویل ”ہوں“ خاموشی میں بدلتی گئی اور پھر اُس نے کچھ دیجے
لہد کہا ”آپ کسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔“

”جوزف کی موت کے بعد سے معاملہ سنگین ہو گیا ہے۔“ سپرنٹنڈنٹ کچھ سوچتا ہوا بولा۔

”وہ قاتلوں کا شریک کا رہا۔ آخر ایک انگریز کا عرفانی سے کیا تعلق۔“

”ٹھیک ہے۔“ فریدی خنک لبھ میں بولا۔ ”بہتری باعثیں قابل غور ہیں.... مثال کے طور
ہیکی کر رہا ہے۔“

”ایک بھی کہ برناڑ جیسے بنام آدمی کو جیراللہ کے یہاں کیا کام ہو سکتا ہے۔“

”کیا برناڑ.... وہ.... اینگلکو اٹریں۔“

”میں ہاں وہی.... جیراللہ کے بیان کے مطابق وہ بھی آج کل بدھ ازم سے بہت متاثر نظر
راہا ہے۔“

”مسٹر فریدی کچھ بات فویہ ہے کہ میں بھی....!“ سپرنٹنڈنٹ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

فریدی نے پہلے تو اُس سے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر یہک اس طرح بے تعلق رہا۔

لکھ جیسے اس کی او حوری بات سے کوئی دچپی نہ ہو۔

”بہر حال میں نے آپکو اس لئے تکلیف دی تھی کہ آپ آصف وغیرہ کی مدد کرتے رہیں۔“

”بھلاکیہ کیوں نکر ممکن ہے.... جب کہ میں یا ضابطہ طور پر بے تعلق کر دیا گیا ہوں۔“

”مگریں اب کیا کیا جائے.... اور کے تھیں احکام ہیں۔“

”تمہاں اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ جب اوپر والوں کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا تو میں کیوں خواہ
غلدار ہوں۔“

”میں خود بھی.... جیراللہ کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔“ سپرنٹنڈنٹ آہستہ سے بولा۔

فریدی کچھ نہ بولا۔۔۔ کچھ دیر سکوت رہا۔۔۔ پھر فریدی نے کہا۔ ”مجھے دو ماں کی رخصت چاہئے“

”اوہ۔۔۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ۔۔۔!“

”نہیں میں اس کیس میں دلچسپی لینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔“

”لیکن چھٹی لینے سے تو افران بالائی سمجھیں گے۔“

”سمجا کریں مجھے آرام کی سخت ضرورت ہے اگر چھٹی نہ ملی تو میں استغفار دے دوں گا۔“

”اوہ۔۔۔ استغفار۔۔۔!“ پس پنڈٹ پنڈٹ ہنسنے لگا۔ ”تب تو ضرور کوئی خاص بات ہے۔“

”نہیں۔۔۔ قطعی نہیں۔“ فریدی خنک لہجے میں بولا۔ ”میرے مخصوص اجازت نامے کی منسوخی میری سب سے بڑی توہین ہے۔ میرے جذبات شدت سے مجرد حجہ ہوئے ہیں۔“

”اوہ۔۔۔!“ پس پنڈٹ اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس کی بات کے وزن کا اندازہ لگا رہا ہو۔ فریدی کا چہرہ پتھر کی طرح بے جان تھا۔

”آپ۔۔۔!“ پس پنڈٹ تھوڑے تامل کے بعد بولا۔ ”درخواست لکھنے میں کوشش کروں گا۔“ رانا چاہتا ہوں یا میں خود ہی بیمار ہو کر مر جانا چاہتا ہوں۔“

فریدی کے استغفار کا معاملہ ہی ایسا تھا اس کے محکے کے لوگ تو وہ سے چاہئے تھے کہ وہ کی طرح محکے سے الگ ہو جائے اس کی موجودگی میں افسران بالائی احساس مکتری میں بیٹھا رہتے تھے اور اس کے بھرپور بیوگوں کا تو یہ عالم تھا کہ اسے اپنی ترقی کی رہا میں ایک بہت بڑی راکوٹ سمجھتے تھے

فریدی اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے رخصت نہ مل سکے گی اور اسی صورت میں خاص طور پر اس میں رکاوٹیں ڈالی جائیں گی جب کہ اس نے سبک دوش ہو جانے کی دھمکی دی ہو۔

فریدی اپنے کمرے میں واپس آگیا یہاں سر جنٹ حمید ایک نئی ناپسٹ لڑکی کو نافیض کھلا کر کھلے کر دیکھتے ہی اس نے کہنا شروع کر دیا۔ ”ہاں دیکھنے اس کی تین کاپیاں نکال لیجئے۔ نائز نمبر تین میں نیچے سے چوتھا زرافث۔۔۔ بس جائیے۔“

لڑکی خود ہی فریدی کو دیکھ کر سراہیمہ ہو گئی تھی۔ حمید کا اشارہ پاتے ہی اسک گئی۔ فریدی اسکی آفس کی سمجھی لڑکیاں حواس باختہ ہو جاتی تھیں اور اس کے سامنے زبان کھولنے کی مت دیکھتے ہی آفس کی سمجھی لڑکیاں حواس باختہ ہو جاتی تھیں اور اس کے سامنے زبان کھولنے کی مت نہیں کر سکتی تھیں۔ اس نے آج تک کسی ناپسٹ لڑکی کو براہ راست کوئی کام نہیں دیا تھا۔ اور اس نے کبھی غفتگو کرتا تھا اگر انہیں اس کا کوئی زرافث ناپ کرنے میں دشواری ہوتی تو وہ حمید اس ساتھ سے کام پایا کرتی تھیں۔

”حید ادوانہ کی چھٹی کی درخواست لکھو۔“ فریدی نے آفس میں داخل ہوتے ہی کہا۔

”اوہ۔۔۔ آف فوہ۔۔۔ آخر آپ چاہئے کیا ہیں۔ ابھی پرسوں ہی تو اس سے جان پیچان ہوئی ہے۔“

”بک نہیں!۔۔۔ میں نے سینکڑوں بار سمجھایا کہ آفس کی لڑکیوں سے فلرٹ نہ کیا کرو۔“

”تو پھر آپ ہی مجھے کوئی ایسی لڑکی علاش کر دیجئے جس سے میں فلرٹ کر سکوں۔“

”ارے تو اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔“ فریدی چھپھلا کر بولا۔

”خوب رہی! گویا یو نہیں بیکار بیٹھے کمھی مارا کریں۔“

”میں کہتا ہوں درخواست لکھو۔“

”لکھتا ہوں۔“ حید پیدا ہٹا کر سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ”بولے کیا لکھ دوں۔“

”دو ماں کی رخصت کی درخواست۔“

”ارے تو لکھوں کیا۔۔۔؟“ حید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”لکھ دوں کہ کسی عزیز کو بیمار ڈال

”ہائیں۔“ حید آنکھیں چھاڑ کر بولا۔ ”پھر کاغذ خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”میں کہ اس کے بعد پھر کاغذ خراب کریں گے استغفار کے لئے۔“

”اوہ تو یہ بات ہے۔“ حید ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر یو نہیں بیٹھا رہا

”ایک اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔“ میں آج رات کی گاڑی سے اللہ میاں کے یہاں جا رہا

”ہوں۔“

”تم بھی میرا وقت بر باد کر رہے ہو۔“

”نہیں میں رخصت کی درخواست دے کر ملک الموت کو دعوت دے رہا ہوں۔“ حید

”بیٹھا تھا اور اس کا قلم کاغذ پر چلتا رہا۔“

”میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ۔۔۔ آپ رخصت کی درخواست محض اس لئے دے رہے

”ہیں کہ کملوں کی دکان پر زور دیگ کی عینک علاش کر سکتیں۔ میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ آپ

”آن کے ساتھ جگن جھنے اور غبارے ضرور خریدیں گے۔“

”درخواست لکھ کر اس نے فریدی کی طرف بڑھا دی۔

”ہم دونوں کی طبیعت اس وقت تھیک نہیں ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اس لئے ہم واپس جائیں گے۔“

حید مگر اکرانی نیض ٹوٹ لے لگا۔

”اور ہم میں سے مرے کا کون پہلے۔“ اس نے بڑی معمومیت سے پوچھا۔

فریدی اپنی میز پر پیٹھ کر دخواست لکھنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ جب لکھ چکا تو اس نے وہی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”عینکیں بن کر آگئی ہوں گی۔“

”اس قسم کی تو نہیں ہیں جیسی ہنڑ والی لکاتی تھی۔“

فریدی اس کی بات کا جواب دیے بغیر پرمنندش کے کرے کی طرف چلا گیا۔

وہ کھنک بعد وہ دونوں گمراہیں تھے۔

حید اپنے کرسی میں اونچا پڑا۔... شبلی کی ایک نظم انگریزی لے میں گلگتار ہاتھا رہانے کی گول میز پر اس کی پالتو چوہ ہیا چھلی ٹانگوں پر پھدک رہی تھی۔

اچانک فریدی کرے میں داخل ہوا وہ اپنی اوپری منزل والی تجربہ گاہ سے آیا تھا۔ حید نے اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔... فریدی کا پچھہ سرخ تھا اور اس کی آنکھوں میں وہی پرانی وجہ چک تھی جو اس کی کسی کامیابی پر دلالت کرتی تھی۔

”اخو! فرزند....!“ وہ مخصوص فاتحانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ”ورش تمہیں افسوس ہوا۔“

”کوئی خاص بات۔“

”وہی زرد عینک....!“

”اوہ....!“

”آؤ....اخو۔“

فریدی اسے تجربہ گاہ میں لے آیا پھر وہ اس مخصوص حصے میں آئے جہاں فریدی نے دھونے کے لئے ڈارک روم بنا رکھا تھا۔ ڈارک روم میں نیلے رنگ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

”آپ کے ڈارک روم میں بھی نیلا بلب....!“ حید بڑا ہے۔

فریدی نے میز پر سے دوسرا زرد عینک اٹھا کر حید کی آنکھوں پر لگادی۔

”واہ....واہ....!“ حید بچوں کی طرح تالیں بجا کر بولا۔ ”اے سجن اللہ فریدی ماں۔“

اے یہ روشنی تو سبز ہو گئی....کمال ہے۔“

”بکومت....! فرزند! بھی تمہاری آنکھیں نکل پڑیں گی۔“ فریدی نے کہا ”اوہ دیکھو.... یہ کیا ہے۔“

”وہی نام اداؤ اڑی۔“

”اب دیکھو....!“

وہ غفتہ حید کے منہ سے حرمت کی جیخ نکل گئی۔ ڈائری کے پہلے ہی صفحہ پر تحریر نظر آ رہی تھی۔ سختی رنگ کی تحریر۔ حروف کے کناروں پر پیلا رنگ جملیاں مار رہا تھا۔ حید نے چشمہ انداز دیا۔ اب وہی صفحہ بالکل سپاٹ ڈا تھا۔ تحریر کیا کوئی ہلاکا ساقش بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ کاغذ کی سطح نیلی روشنی کی وجہ سے نیلی دکھائی دے رہی تھی۔ حید نے پھر چشمہ لگایا۔ کاغذ کی سطح کی نیلی رنگت بزری میں تبدیل ہو گئی اور سختی رنگ کی تحریر یہ.... حید کا دماغ چکرا کیا۔... فریدی صفحات اندازہ تحریر قریب قریب ڈائری کے آدمی صفحات میں پھیلی ہوئی تھی۔

”اب ہتاو....!“ فریدی ڈائری بند کر کے بولا۔ ”میاں پاگل تھا.... بولو۔“

”میکن جتاب! لیکن آپ ہر معاملے کی شروعات پاگل پن ہی سے کرتے ہیں۔ اگر پہلے ہی یہ تاریا ہوتا.... تو کیوں....؟“

”پہلے مجھے بھی یقین نہیں تھا۔ جنہیں کی ایک بھولی بسری یاد کے سہارے یہ سب کچھ کرتا چلا کیا۔“

”بھولی بسری یاد سے کیا مطلب۔“

”اے پڑھو! خود ہی معلوم ہو جائے گا۔“ فریدی نے ڈائری اس کی طرف بڑھا دی۔

حید پڑھنے لگا۔ ”کمال میاں! تمہیں تاش کے پتے اور سادی ڈائری دیکھ کر حرمت تو ضرور ہو گئی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اس کی تہہ تک ضرور پہنچ جاؤ گے۔ خفیہ تحریر کا یہ طریقہ میں نہ اور تمہارے والد مر جنم نے ایجاد کیا تھا۔ تم اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ لیکن مجھے تو ہنچ ہے کہ تمہارے والد نے تم سے اس کا تذکرہ ضرور کیا ہو گا۔“ تعلیمی تاش کے یہ پتے تباہ اسرا رہیں۔ میں ان کی وجہ سے بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں کچھ لوگ انہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں بانٹتے کہ میرے پاس کیا ہے ان تاشوں سے دراصل ان کا کوئی راز وابستہ ہے۔ اس دوران میں کئی بار مجھ پر ٹھیک بھی ہو چکے ہیں لیکن میں بچتا ہی رہا۔ اونچے جانے کیوں مجھے ایسا محظوظ ہو رہا ہے کہ

کوئی ضروری تفصیل رہ جائے.... میں نے تمہیں اس کا نام بتایا ہی نہیں۔ اس کا نام شیخمر
اور وہ دینست محل کی پٹلی منزل کے تیرے قلیٹ میں تھا اور اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہونٹ ملنے
کے لئے گیا۔ قلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا میں بے دھڑک اندر چلا گیا۔ اچانک وہ مجھے فرش پر اونڈھا
راہواد کھائی دیا۔ اس کی پیٹھ سے خون ابل رہا تھا اور اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہونٹ ملنے
کے تھے اس نے تھیف آواز میں مجھ سے کہا کہ اُسے اٹھا کر پٹک پر ڈال دوں۔ اس نے تھے تو مجھے
لیں کو مطلع کرنے دیا اور نہ طبی امداد ہی کے لئے تیار ہوا۔ پھر اس نے انک انک کر مجھے ایک
بریل داستان سنائی وہ ایک خطرناک گروہ سے تعلق رکھتا تھا اور اسی کے مطابق اس گروہ
کے عزائم بہت ہی بھیانک تھے لیکن اس نے ان عزم کا تذکرہ نہیں کیا۔ دل تو چاہتا تھا کہ میں اس
داستان اسی کے الفاظ میں لکھوں اور اسی ترتیب کے ساتھ۔ لیکن خود میری زندگی کی گھڑیاں
لئی نظر آرہی ہیں۔ بہر حال اس نے جو کچھ بتایا اس کا حصل یہ ہے کہ وہ گروہ بہت بڑا اور انتہائی
فتر ہے۔ گروہ کے لوگوں کی آپس میں دشمنیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو مار بھی
لے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی تنظیم سے غداری نہیں کرتا۔ کبھی کسی نے پولیس کو اس کی
لائی نہیں ذہی۔ اس نے بتایا کہ وہ بھی اسی قسم کے ایک حادثے سے دوچار ہوا ہے۔ لیکن وہ بڑا
ید خاطر تھا۔ اس نے کہا کہ وہ صاف صاف تو اس گروہ کا پیہ نشان نہیں دے سکتا کیونکہ اس نے
ازداری کی حجم کھائی تھی لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ گروہ دنیا پر بتاہی لائے۔ اس نے مجھ سے
لئی تاش کا پیکٹ اٹھانے کو کہا جو سامنے ہی میز پر پڑا ہوا تھا۔ پھر اس نے سارے پتوں میں سے
اپنے کھال کر مجھے دیئے اور کہا کہ انہیں پتوں کے ذریعے میری بر سائی اس گروہ تک ہو سکتی ہے۔
ان پتوں میں سب کچھ ہے اس کی ہدایت تھی کہ میں انہیں سمجھنے کی کوشش کروں۔ ابھی یہ گفتگو
ہو رہی تھی کہ ایک آدمی آگیا اور شیخمر اسے دیکھتے ہی جوش میں بھر گیا اس کے منہ سے عجیب
ٹریخ کی آوازیں نکلتے لگیں پھر اس نے جیچ کر مجھ سے چلے جانے کو کہا اور کہا کہ میں اس چیز کو
خانست سے روکوں ایک دن انصاف ہو جائے گا۔ میں چلا آیا۔... دوسرے دن کے اخبارات میں
ذینست محل سے برآمد ہونے والی ایک لاش کی خبر تھی..... اسی دن سے مجھ پر حملہ ہونے شروع
ہو گکے۔ انہیں اس چیز کی تلاش ہے جو اس مرتبے ہوئے آدمی نے مجھے دی تھی۔ خدا کرے یہ
دونوں چیزوں پر

یہ میری زندگی کا آخری دن ہے لہذا میں اس طریقے سے ان چیزوں کو تم تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میری داستان طویل ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کہاں سے شروع کروں..... بہر حال تمہیں یاد ہو گا۔ دو تین ماہ قبل کی بات ہے پولیس کو ایک عجیب و غریب کیس سے واسطہ پڑا تھا۔ بات یوں تھی کہ واکر اسٹریٹ میں ایک آدمی پیدل جا رہا تھا۔ اچاک ایک کار کے قریب سے گزری اور کار سے اس پر کسی نے گولی چلائی۔ پیدل چلنے والا سڑک کے بنارے گز لیا۔ راہ کیر سمجھے کہ اُسے گولی لگی ہے جب کار واکر اسٹریٹ سے دوسری سڑک پر مر گئی تو کرنے والا اٹھ بیٹھا۔ اُس کے گرد بھیڑ لگ گئی لوگوں نے پوچھ چکھ شروع کی۔ لیکن دوسرے ہی سے اس بات کا منکر تھا کہ اُس پر گولی چلائی گئی تھی۔ اُس نے گرنے کا بب ایک قسم کا دورہ بتایا جس کا وہ عرصے سے شکار تھا ہر کس وناکن نے گولی چلانے کی آذان سنی تھی اور کار کی کھڑکی کے آگے دھوان بھی لہرانا دیکھا تھا۔ ڈیوٹی کا شیل بھی گواہ تھا لیکن گرنے والا فائز کرنے والے خیال کا مختکہ اڑاتا رہا اُس نے یہ بات کسی طرح نہ تسلیم کی کہ اس پر گولی چلائی گئی تھی۔ اتفاق سے میں بھی جائے واردات پر موجود تھا مجھے بڑی حیرت ہوئی بہر حال میں نے اُس آدمی کی نظر پر چڑھا لیا میں نے نہ صرف اُس کی جائے قیام کا پتہ لگایا بلکہ اُس سے جان پہچان بھی پیدا کر لی۔ وہ ہر طریقے سے ایک بہر اسرا آدمی تھا اُس کے متعلق اُس کے متعلق اُس کے پڑوسن کو بھی بچکنے نہیں کر سکتے۔ وہ معلوم تھا۔ حتیٰ کہ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اُس کا ذریعہ معاش کیا تھا۔ رفتہ رفتہ مجھے اُس بعض حالات کا علم ہوتا گیا۔ وہ ایک ریٹائرڈ فوجی آفسر تھا اور اُس نے دوسری بجگ عظیم بہترے نمایاں کارناتے انجام دیتے تھے اور پھر میں نے اس کے ملے جلنے والوں میں کئی مش اُدی دیکھے ایسے آدمی جن کے متعلق جگ کے دوران میں شہبہ کیا جا رہا تھا کہ وہ دشمنوں ہاتھے اہم ترین فوجی راز بھیجا کرتے تھے۔ پولیس کا خیال بھی یہی تھا لیکن ان لوگوں کے خلاف ٹھووس قسم کے ثبوت نہیں حاصل کر پائی تھی۔ بہر حال یہ دیکھ کر میر اوزوق تھس پوری طبق پیدار ہو گیا۔ اس پر اسرار آدمی سے میری گہری دستی ہو گئی تھی اور میں نے اس سے اپنے با میں بھی سب کچھ صحیح صحیح بتایا لیکن اس کو اس بات کی ہوا بھی نہ لکنے دی کہ میں نے اس کوں راہ و رسم پیدا کی ہے۔

داستان طویل ہے میں اسے منظر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ اس کا

”پھر بھلا بتاؤ میں تمہاری مدد کس طرح کر سکتا ہوں۔ اگر تمہاری مدد کرتا ہوا کام آگیا تو
یرے قرض خواہ روز قیامت مجھے خون اور پیپ کی گاک میں پلاؤ پس گے۔“
”تو تم صاف انکار کرتے ہو۔“
”نہیں یہاڑے! میں تدول و جان سے تمہاری خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ مگر میرا قرض۔“
”رشیدہ تم سمجھا ذر۔“ آصف کھکھلیا۔
”بھلا میری کون نے گا۔“ رشیدہ بولی۔
”ندانے کا تمہاری تم کچھ نہایت بھی تو۔“ انور نے سمجھی سے کہا۔
”اچھا سنوا!“ آصف نے انور کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”اگر مدد نہیں کر سکتے تو یہی کرو کہ فریدی
کے لئے اس کیس میں کوئی کام نہ کرنا۔“

”مگر میں نے تو سنابے کیا یہ کیس انہیں نہیں دیا گیا۔“
”یہی نہیں بجا آصف مخصوص اجازت نامہ بھی کیسل کر دیا گیا ہے۔“
”تب پھر...!“

”نہیں دہاپنی ٹالگ شدرو اڑائے گا۔“

”تو پھر آصف صاحب بھج میں تو اتنا دم نہیں کہ میں ان کی ٹالگ ہٹا دوں۔“
”تم اس کے لئے کام فہیں گرو گے۔“
”لیکن انہوں نے اگر چیر افریقیں او اکر دیا تو میں مجبور ہو جاؤں گا۔“
”قرض...!“ آصف اسے گھور کر رہ گیا۔
”صرف تین سو ہیں زیادہ نہیں۔“

”تو تم باز نہیں آؤ گے اچھا دیکھ لوں گا.... بھی مجھ سے بھی کوئی کام پڑے گا۔“
”یاد آصف بور مت کرو۔ میں ویسے ہی پریشان ہوں۔“

پھر انور نے رشیدہ کو اشارہ کیا کہ وہ انہ کر چل جائے۔ رشیدہ چند لمحے اور گرد یکھڑتی رہی
آصف اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
”آج جو گرفتار ہوں گے تو یہی سے ملتے ہوں۔“ انور نے آصف سے پوچھا۔

جمید نے ڈائری بند کر دی۔ اور تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔
”ئی باتیں رہ گئیں۔“ بالآخر فریدی بولا۔ ”نہ تو ان مشتبہ آدمیوں کے نام ہیں جو شیکھر سے لے
رہے تھے اور نہ اس شخص کے متعلق وضاحت ہے جو آخر وقت میں شیکھر کے فلیٹ میں آیا تھا۔“
”شیکھر کی لاش پندرہ دن قبل ملی تھی شاید۔“ جمید نے کہا۔
”ہاں لیکن اس کے فلیٹ سے کوئی ایسی چیز نہیں برآمد ہوئی تھی جو نہ اسرار ہوتی۔“
”آخر یہ کس قسم کا گروہ ہے.... اور وہ خوفناک عراجم کیا ہیں۔“
فریدی کچھ نہیں بولا۔ اس کی آنکھیں خلاء میں گھور رہی تھیں۔

دوسری حصہ

کر کر کر اتی ہڈیاں

انور اور رشیدہ کیفیت کا سپنڈ میں شام کی چائے پی رہے تھے۔ اسکے آصف بھی تھا.... اور آ
دھ کچھ بجھا بجھا انظر آ رہا تھا۔ غالباً اس کی وجہ وہ باتیں تھیں جو دن بھر کی دوڑ دھوپ کے باوجود
اس کے حصے میں آئی تھیں۔
”مجھے یقین ہے۔“ آصف گلا صاف کر کے بولا۔ ”فریدی کوئی خاص بات جانتا ہے جو
تذکرہ اس نے سرکاری رپورٹ میں نہیں کیا۔“
”کرتے بھی کیا۔“ انور کیک کا ایک بڑا سکھڑا انھلٹا ہوا بولا۔ ”سرکاری رپورٹ میں تو دی
بھاوا بکار کرتی ہیں۔“

”انور تمہاری مدد کے بغیر میں ایک قدم بھی نہیں جل سکتا۔“
”میں ڈیزراولڈ آصف...!“ انور آہستہ سے بولا۔ ”وہ تو محیک ہے۔ لیکن میں انہا قرض
طرح ادا کروں۔“
”پھر اڑے تم...!“
”میں بچ کر رہا ہوں.... اس ماہ میں تین سو کا مقرض ہو گیا ہوں۔“
”میں بھی آج کل تک دست ہو رہا ہوں۔“ آصف بڑا بڑا۔

”ملاتھا.... لیکن اس عورت سے کچھ معلوم کر لینا انہائی دشوار ہے۔“

”اگر میں اس سے کچھ معلوم کر لوں تو تم مجھے کتنا معاوضہ دو سکے۔“

”مگر میں اس سے کچھ نہیں معلوم کرنا چاہتا۔“ آصف جلدی سے بول پڑا۔

”پھر تم مجھے سے کس قسم کی مدد چاہئے ہو۔“

”بات یہ ہے کہ۔“ آصف قدرے پہنچا ہٹ کے ساتھ بولا۔ ”فریدی سے تمہارے تعلق اچھے ہیں تم اس سے کسی طرح وہ بات معلوم کر لو جو اس نے سرکاری روپورٹ میں نہیں لکھی۔“

”مجھے معلوم ہے وہ بات۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیا....؟“ آصف ہمہ تن اشتیاق بن گیا۔

”سرکاری روپورٹ میں انہیوں نے یہ نہیں لکھا کہ وہ تمام عمر کنوارے رہنے کی قسم کھاچے ہیں۔“

”انور پچھا مت کرو.... میں آج بہت پریشان ہوں۔“

”اگر تم واپسی پریشان ہو تو میں تمہیں یہ مشورہ دوں گا.... مگر میں بغیر معاوضہ لئے کوئی مشورہ نہیں دیتا.... آصف صاحب مجھے افسوس ہے۔“ انور نے کہا۔

”اوہ.... یہ رشیدہ کہاں چلی گئی۔“ دفتارہ چونکہ کر بولا۔ ”مسٹر آصف ایک منٹ...“

ذرادیکہ لوں رشیدہ کہاں چلی گئی۔“

انور کے جانے کے بعد آصف اوگھتا رہا۔ اس دوران میں بیراہل رکھ کر چلا گیا اور آعندہ خبر سیکھنے ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چونکا۔ گھری پر نظر ڈالی۔ انور کو گئے ہوئے پندرہ میں۔

ہو چکے تھے۔ پہلے تو آصف نے اسے کوئی اہمیت نہ دی لیکن پھر بُری طرح چونکا اور ساتھ ہی کی نظر میں پر پر گئی پھر یہ حقیقت اس پر روشن ہو گئی کہ مل کے دام اسی کو ادا کرنے پذیں گے اور رشیدہ چکہ دے کر نکل گئے حالانکہ خود انور ہی نے آصف کو چائے کی دعوت دی تھی۔

آصف نے طوعاً و کہاں مل کے دام چکائے اور ایک مقلوب آدمی کی طرف بدن ڈھیلا چھک کری کے ایک طرف جھک گیا۔ اسے آج کے منحوس دن پر غصہ آرہا تھا۔ کیونکہ آج صبح ہی اسے برابر ہر جگہ چوت ہو رہی تھی.... اور انور نے تو تابوت میں آخری کیل بھی ٹھوک دیا

اب وہ تھا یہی کہ کھیاں تو بار نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ کینے کا سینوا ایک صاف سترہ یہ جگہ

لہذا آصف کو چھاپی پر صبر کی سل رکھنی ہی پڑی۔

انور کی موڑ سائیکل کی رفاقت کلکش لین میں داخل ہوتے ہی کم ہو گئی سولہ نمبر کی کوئی کے سامنے وہ رک گیا چند لمحوں کے بعد وہ برآمدے میں لگی ہوئی سختی بجا رہا تھا۔ دروازہ خود ہمیلیا نے کھولा۔ انور اسے پہچانتا نہیں تھا اسکی نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے سمزیٹر سے ملتا ہے۔“

”اوہ....!“ ہمیلیا کارڈ کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”گرامر پورٹر....!“

پھر وہ خالی خالی نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

”کیا چاہتے ہو۔“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

”تمہیں اس سے کیا سر دکار....!“ انور خنک بجھ میں بولا۔

ہمیلیا اس وقت خالی بس میں تھی اور انور یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مکان کی مالکہ خود ہی سختی کے جواب میں دروازے تک آئی ہو گئی بہر حال وہ اسے خداونہ نہیں تو ہمیلیا کی سیکریٹری ضرور سمجھا تھا۔

”میں ہی سمزیٹر ہوں۔“ ہمیلیا آہستہ سے بڑی بڑی۔

”اوہ معاف کیجئے گا۔“ انور معااف کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ”مشتر جوزف بڑے اچھے آدمی تھے میں ان کی سوائی خیات شائع کرنا چاہتا ہوں۔“

”مگر ان پر بھی تو ایک قتل کا الزام تھا۔“ ہمیلیا نے مردہ ہی آواز میں کہا۔

”مجھے اس کہانی پر یقین نہیں۔“ انور نے کہا۔ ”ہمیں کی پولیس ناکارہ اور کام چور ہے۔ سو میں ہمہر کیس ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ یا تو دھوکا کھاتی ہے یا اپنی آسانی کے لئے جان بوجھ کر فرضی کہایاں گھوڑتی ہے۔ مجھے پیٹر سے ہمدردی ہے کیونکہ وہ میر ادوس تھا۔“

”اوہ.... اندر آ جائیے۔“ ہمیلیا کی آواز بڑی رسیلی تھی۔

انور اندر چلا گیا وہ نشست کے کمرے میں آئے۔

”میں یہ بھی سمجھتا ہوں۔“ انور کہہ رہا تھا۔ ”پیٹر قتل کیا گیا ہے.... اور اس میں کسی آدمی کا اچھا ہے۔ درندے کی راستان بھی فرضی ہی معلوم ہوتی ہے۔“

”مگر مشتر اور وہ بال میں نے بھی دیکھے تھے۔“

بھی اسے کیرہ ٹرک نہیں کہہ سکتا تھا۔
”یہ کب کی تصویر ہے۔“ میملیا نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔
”اوہ یہ ہماری.... آخری ملاقات ہے۔“ انور مغموم لہجے میں بولا۔ ”پیٹر میرے دفتر میں آیا
تھا.... اور اشاف فنون گرافرنے ویں ہماری تصویری تھی افسوس.... وہ کام نہ ہو سکا۔ ہم دونوں
نے کراست اور مہاتما بدھ کی ملتی جلتی تعلیمات کا ذخیرہ الٹھا کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔
”اوہ....!“ میملیا کی آنکھوں میں ابھسن کے آثار تھے۔



اسی رات کو ایک پیٹر فریدی اور سرجنت حمید نے.... انور اور میملیا کو آر لکھو میں رہمانا پڑے
دیکھا۔ میملیا کے گزار جسم کی بوئی بوئی تھرک رہی تھی۔
”ہائیں....!“ حمید آنکھیں نکال کر سر کھجاتا ہوا بولا۔ ”اس کا کیا مطلب۔“
”اس کا یہ مطلب ہے کہ انور واقعی براز ہیں ہے وہ بھی اُسی تیجے پر پہنچا ہے جس پر میں پہنچا تھا۔“
”آپ دونوں غلط ہیں۔“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”لیکن ٹھہریے۔ میں ابھی اس کی
ساری ذہانت خاک میں ملا دیتا ہوں کیا آپ نے اُسے شریک کر لیا ہے۔“
”ابھی تک تو نہیں.... جب ضرورت سمجھوں گا دیکھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اب ہم مجھے
کے آدمیوں سے کوئی مدد نہ لے سکیں گے۔“
”شکریہ.... میں ابھی آیا۔“

حمد کو یاد آگیا کہ اُس نے رشیدہ کو کیفیتی سائپر لیں میں دیکھا تھا۔ جو آر لکھو سے زیادہ دور
نہیں تھا۔

وہ فریدی کو دیہن چھوڑ کر اُس کی تلاش میں نکل گیا۔

پھر اُسے رشیدہ کو آر لکھو تک لانے میں دشواری نہیں ہوئی اس نے دوبارہ نکٹ خریدتے
اور رشیدہ سمیت رنگ ہاکز میں داخل ہو گیا۔

رقص شباب پر تھا۔ حمید نے انور اور میملیا کی طرف اشارہ کیا۔ رشیدہ اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔
”اُف فوہ....!“ وہ بڑا بڑا۔ ”آخر یہ انور مجھ پر ہی یہ کیوں ظاہر کرتا ہے کہ اُسے عورتوں
سے فرست ہے۔“

”اُن کی کوئی اہمیت نہیں۔ پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے ایسے نشانات بڑی آسائی
سے مہیا کئے جاسکتے ہیں۔“
میملیا کچھ نہ بولی۔ وہ انور کے صحت مند جسم کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کی آنکھیں برابر
اس کے خوبصورت چہرے پر جنم جاتی تھیں.... انور کہہ رہا تھا۔ ”مسز پیٹر.... اگر آپ میری
تحووی مہرتوں میں کوئی تباہی نہیں تو... قاتل کا سراغ میں ہوتا ہے.... اور آپ کو کہنا چاہئے۔“
”لیکن ہم کبھی نہیں ملے۔“ میملیا حیرت نہ بولی۔

”یہ ایک افسوس ناک اتفاق ہے۔ میں نے اس کے لئے بہتری تعلیمات کا ترجمہ کیا تھا۔“
آپ سے بہت محبت کرنا تھا اسکو کہا کرتا تھا کہ بدهازم ترک کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن میں میملیا کے
علاوہ سب کچھ ترک کر سکتا ہوں۔“

”اوہ....!“ میملیا کی آنکھیں ڈب بیا آئیں۔
”آپ خود کو سنبھالنے ہمیں پیٹر کے قاتل سے انتقام لیتا ہے۔“ انور بولا۔ ”میں اسی لئے آؤں کہ آپ کو باہر لے جاؤں۔ اگر آپ سوگ میں پڑیں تو یہ پیٹر کی روح سے دشمنی ہو گی
ہمیں اس کے قاتل کو ڈھونڈنا ہے۔“

”مگر مسر.... آؤ....!“ وہ اس کے ملا تلقنی کارروں کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”مسٹر انور.... میں
کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی۔ میں اس دلیں میں آکر لٹ گئی۔... تباہ ہو گئی۔“
”ٹھیک ہے۔“ انور نے کہا۔ ”اتی جلدی کسی پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہئے لیکن میں آپ
اپنی اور پیٹر کی ایک یادگار تصویر دکھاؤ۔“

انور نے اپنے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور اس میں سے ایک تصویر نکال کر میملیا کی طڑا
بڑھا دی۔

اس میں جزوی پیٹر اور انور ایک ہی میز پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ پیٹر انور کی طڑا
پیٹریوں کی پلیٹ بڑھا رہا تھا اس کے ہونٹوں پر بے تکلفانہ انداز کی سکر اہبہ تھی انور نے ا
تصویر پر بڑی محبت کی تھی اسے اس نے ایک فنون گرافر کی دکان سے حاصل کیا تھا۔ حقیقتاً
میں پیٹر کے ساتھ انور کی بجائے کوئی اور تھا انور نے بڑے فکارانہ انداز میں اس کی تصویر کا
کر کے اپنی فٹ کی تھی۔ بہر حال یہ سب کچھ اتنے سلیقے سے کیا گیا تھا کہ کوئی بڑے سے بڑا

”اب تم ہی سمجھو۔“ حمید لاپرواں سے بولا۔ ”اس کے برخلاف میں تم سے اتنی....!“
”آپ اپنی بات تورہنے ہی دیجئے۔“ رشیدہ چڑکر بولی۔
”کاش تم میرے دل کے درد کو سمجھ سکتیں....!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔
”زیادہ رومانی بننے کی کوشش نہ کرو۔“ رشیدہ کی نظریں بدستور انور اور اس کی ہم رقص پر
جمی رہیں۔

”میاں تم سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔
”لیکن وہ ہے کون۔“ رشیدہ حمید کی طرف مڑی۔
”پتہ نہیں.... تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔“
”میں رقص کے موڈیں نہیں ہوں۔“
”رشودییر۔“

”اے.... دیکھو تم مجھے اس طرح مخاطب نہ کیا کرو۔“
”آج.... اچھا....!“ حمید نے دفعتاً اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور وہ دونوں رقص کرنے
والوں کی بھیڑ میں آگئے۔ رشیدہ چھبلا کر حمید کے شانے پر چکیاں لے رہی تھی۔
”رشو! تم چاندنی ہو۔“ حمید آہستہ سے اُس کے کان میں بولا۔
”میں تمہیں یہیں گرا کر ماروں گی۔“

وہ انور اور اس کی ہم رقص کے قریب سے گذر رہے تھے۔
”دوسروں پر ڈاکہ ڈالنے سے پہلے ہی آدمی لٹ جاتا ہے۔“ حمید اتنے زور سے بولا کہ
موسمیقی کے شور کے باوجود بھی انور نے سن لیا۔ وہ مڑ کر انہیں گھور رہا تھا۔
”یہ رقبات کا معاملہ تو نہیں۔“ رشیدہ بولی۔

”لاحوال.... میں تو اسے جانتا بھی نہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن ذرا انور کو دیکھو تمہیں دیکھ
لینے کے باوجود بھی اس طرح نظر انداز کر رہا ہے جیسے تمہیں جانتا ہی نہیں۔“
”تو اس سے کیا ہوا۔“

حید چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اب انور اور اس کی ہم رقص نظر نہیں آرہے تھے۔ غالباً
آگے بھیڑ میں تھے۔

”کاش....!“
”میں اب کچھ نہیں سنوں گی۔“ رشیدہ چھبلا کر بولی۔ ”مجھے اونہ بناو۔“
”اوہ! اتنی حسین عورت اکو کیسے بن سکتی ہے.... دیسے میں تم پر الو کامیک اپ خردار
کر سکتا ہوں۔“
”ہاں میں تم ایسی ہی باتیں کیا کرو۔“ رشیدہ مسکرا کر بولی۔ ”رومانی بننے کی کوشش کرتے ہو
تگدھے نظر آنے لگتے ہو۔“
”مگر مجھے اپنا گدھا پڑنے ہی اچھا لگتا ہے۔ گدھے بھی پسند ہیں.... کیونکہ نہ تو وہ شعر کہتے ہیں
اور نہ وقت بے وقت بور کرتے ہیں۔ گدھا تو بڑی عظیم تخلیق ہے۔ رشو! اگر تم کسی گدھے
سے شادی کر لو تو۔“
”بکو نہیں....!“ رشیدہ بگڑ گئی۔
”گدھے بڑے سعادت مند شوہر ثابت ہو سکتے ہیں۔ بلکہ میں تو بعض اوقات یہ سوچنے لگتا
ہوں گدھے کو شوہرتی کیوں نہیں کہا جاتا۔“
”حید.... مجھے جانے دو۔“ رشیدہ نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ مگر حید کی گرفت مضبوط ہو گئی۔
”کیوں.... اپنا مذاق ازاو گی۔ میں تو بہت ہتھی بے حیا قسم کا آدمی ہوں۔ اگر تم مجھے مار بھی
بنھوگی تو.... جانتی ہو کیا ہو گا۔“
”کیا ہو گا....؟“
”لوگ مجھے تمہارا شوہر سمجھیں گے۔ گدھے چوں بھی نہیں کرتے۔“
رشیدہ کچھ نہ بولی۔ وہ چپ چاپ حید کے ساتھ ریتگتی اور تھرکتی رہی۔ اُس کے پیر غلط پڑ
اے تھے لذا اسے ریتگتا اور تھر کنای کہا جا سکتا ہے۔
”رشودییر۔“ حمید نے پھر چھیڑا۔ ”یقیناً تمہیں دکھ ہوا ہو گا۔ مجھے افسوس ہے۔“
”لیکا بک رہے ہو تم۔ مجھے کیوں ہو گا افسوس....! اکیا میں انور کی بیوی ہوں۔“
”مگر.... وہ.... مم....!“
”بلکہ زبان بند! ہم صرف دوست ہیں۔“
”اُسکی Un Womanly Woman بننے کی کوشش نہ کرو۔ وہ سب بکواس ہے۔“

فریدی نے اسی کو فون کیا تھا اور یہ بھی بتادیا تھا کہ مرنے والی جوزف پیر کی بیوی عصیلیا تھی۔ انپرکش
بجد لیش آصف کو اطلاع دے کر یہاں آیا تھا اسے معلوم تھا کہ جوزف پیر اور عرفانی والا کیس اسی
کے پر دیکایا گیا ہے۔

فریدی نے خاص طور پر حمید کی توجہ ایک چیز کی طرف مبذول کرائی۔ بھورے رنگ کے
ہرے ہرے بال لاش کے گرد بکھرے ہوئے تھے پھر وہ دونوں لاش کے پاس سے ہٹ آئے۔
انہوں نے یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارانہ کی کہ کو تو ای انجارج کیا کر رہا ہے کو تو ای انجارج کو اب
در اصل انپرکش آصف کا انتظار تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شاید فریدی اپنے آفسروں سے لو گیا ہے یہی
 وجہ ہے کہ وہ کیس اسے نہیں سونپا گیا۔ ورنہ اس قسم کے پچیدہ کیوسوں کے لئے مجھے میں فریدی
کے علاوہ اور کون تھا۔

رشیدہ بھی ان دونوں کے پاس ہی آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

”انور کہاں ہے۔“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

”گھر گیا۔“ فریدی نے جواب دیا۔ ”کسی سے اس کا تذکرہ نہ آنے پائے کہ انور اس کے ساتھ
ماچ رہا تھا۔“

رشیدہ بکھر نہ بولی۔ مجھ بہر نکلنے کے لئے بے چین تھا لیکن... اُسے رکنا ہی پڑا۔ انجارج
آصف کے آنے سے پہلے دروازہ نہیں کھلوانا چاہتا تھا۔

”اور وہ بال۔“ حمید آہستہ سے بڑا بڑا۔

”لیکا تم نے کوئی درندہ دیکھا تھا۔“ فریدی کے ہونٹوں پر سکر اہٹ تھی۔

”نہیں تو.... غالباً کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔“

”پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس بار وہ درندہ کھال میں نہیں تھا بلکہ صرف تھوڑے سے
بال اپنے سہرا لایا تھا... کیا سمجھے؟“

”غالباً آصف اور سنگھ کا انتظار ہے۔“ حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”پتہ نہیں۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

”انپرکش آصف آگیا تھا.... وہ سیدھا لاش کی طرف گیا۔“ وہی تین منٹ بعد اس کا رخ فریدی
اور حمید کی طرف تھا۔

”اوہو! تواب تم مجھ پر اپنے مطالعہ کا رعب ڈال رہے ہو۔“ رشیدہ نہ کہ بولی۔
”لیکن تم آؤ ہو...!“

”افسوس اے حور روشن اور پری تمثال وائے عشوہ گرو آگیا بیتال... میں، تم سے مم...!“

”شٹ اپ... میرا معنگلہ نہ اڑا۔“

”دفعتی کچھ دوز پھر بھیڑ میں ایک تیز قسم کی نسوانی چیخ سنائی دی۔ رقا مولی نے ایک دوسرے
کے ہاتھ چھوڑ دیے وہ سب ایک طرف جھپٹ رہے تھے۔
حمدید بھی رشیدہ کو دوپہر چھوڑ کر اس طرف پکا۔ کمی طرح کی ملی جلی آہوازیں ہاں میں گونج
رہی تھیں۔

”اُس نے دیکھا... میمیلی فرش پر پڑی چھلکی کی طرح ترپ رہی تھی اور انور آنکھیں چھاڑے اے
گھور رہا تھا۔ سب کی توجہ کامر کمز میمیلی اپنی ہوئی تھی۔ انور کی طرف کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

”کسی نے انور کے شانے پر پیچھے سے ہاتھ رکھ دیا۔ انور مژا اور حمید تے اُسے بھیڑ سے لکھ
دیکھا۔ حمید اُس ہاتھ کو پہچانتا تھا۔ وہ فریدی کے علاوہ اور کسی کا نہیں تھا۔

”کچھ عورتوں نے میمیلی کو فرش سے اٹھانا چاہا لیکن انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کئی میں ورز
لوہاٹھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اچانک میمیلی نے اپنے ہاتھ میز تان دیئے اور اس کی ہڈیوں کی
کڑ کڑاہٹ سینکڑوں آدمیوں نے سنیں۔ بس ایسا معلوم ہوا جیسے اس کا جو ٹڑ جوڑا گہ ہو گیا تو...“

”دوسرے لمحے میں فرش پر ایک لاش نظر آرہی تھی حمید نے کچھ دیر پہلے بھی وہ چہرہ دیکھا تھا لیکن
اب وہ اُسے بیچان نہیں سکتا تھا انکا بڑی ہمی ہو گئی تھی اور کاہونٹ مڑ کر تاک سے جالملا تھا...“

”دانست... بڑے خوفناک معلوم ہو رہے تھے وہ کسی انسان کی لاش نہیں معلوم ہوتی تھی۔“

”کوئی... کمرے سے باہر نہیں جائے گا۔“ ”دفعتی ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ ”پولیس۔“

”ادھر اور ہر ہاں کے دروازے بند ہو گئے۔ ہر ایک اپنی جگہ پر جم گیا تھا۔ حمید نے فریدی
دیکھا... وہ آر کشر اکے قریب کھڑا مجھے کو گھور رہا تھا۔

خوفناک درندہ

پولیس کی آمد میں دیر نہیں گئی۔ اتفاق سے کو تو ای انجارج انپرکش بجد لیش ہی ڈپٹی پر ٹھا

"تم یہاں کیسے ہو۔" آصف نے پوچھا۔

"اوہ! تواب کیا میری بھی گرفتار ہونے لگی ہے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" آصف گز براکر بولا۔ "میا تم پہلے سے یہاں موجود تھے۔"

"ظاہر ہے۔ اگر موجود نہ ہوتا تو جلدیش کو فون کیسے کرتا اور تمہیں کیوں کر اطلاع ہوتی۔

لیکن خدارا.... مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ میں یہاں کیوں آیا تھا۔"

"فرض کرو اگر میں پوچھوں تو۔"

"تب مجبوری ہے۔" فریدی اپنے شانوں کو جبکش دے کر بولا۔ "مجھے صاف بتاریا

پڑے گا کہ میں یہاں اپنے مجھے کے بعض آفیسروں کی عقولوں کے کفن کیلئے چندہ اکٹھا کرنے آیا تھا۔"

"تم آئی جی صاحب پر چوٹ کر رہے ہو۔"

"تمہارا اظرف نظر ہے.... مجھے چاہو سمجھ لو۔"

"آصف کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے لاش کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔" اس کا ہر قص کون تھا؟"

"میں پھر تمہیں اپنا مشکلہ یاد دلاؤں گا۔" فریدی خفیف سماں مسکرا دیا۔

"تم جانتے ہو کہ اس قسم کی معلومات چھپانا جرم ہے۔"

"اوہ.... ایسا ہے۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا ب میں ضرور قانون

کا مطالعہ کروں گا۔"

"اوہ! حمید چلیں.... ہمیں اسی وقت سے یہ نیک کام شروع کر دینا چاہئے۔"

"دروازے بند ہیں۔" آصف بھنا کر بولا۔ "اور میری اجازت کے بغیر نہیں کھل سکتے۔"

"میں دروازوں سے استدعا کروں گا کہ وہ تم سے اجازت طلب کریں۔"

"لوٹنے ہو۔" آصف اسے تھر آکر دروازوں سے گھورتا ہوا بولا۔ "خیر دیکھ لوں گا۔"

"مجھے تمہارے بڑھاپے پر حرم آتا ہے۔" فریدی کی بھی بڑی زہریلی تھی۔"

آصف نہ جانے کیا کیا بکتا ہوا بہاں سے چلا گیا۔ پھر وہ دونوں اسے لاش پر جھکا ہوا دیکھ رہے تھے۔

"لوگ نہ رے پھنسنے۔ مجھے دروازے نہ بند کرانا چاہئے تھا۔" فریدی بولا۔ "اب پڑے نہیں کب

تک یہ حضرت جمک مارتے رہیں۔"

دفتار آصف پھر تیر کی طرح ان کی طرف آیا۔ اس بارہ وہ رشیدہ کو گھور رہا تھا۔

"تم یہاں کیسے ہو۔" اُس نے سوال کیا۔

"ٹکریہ.... میں بالکل ٹھیک ہوں۔" رشیدہ نے سنجیدگی سے کھا اور حمید کو بھی آگئی۔

"یہ کیا بد تیزی۔" آصف حمید کی طرف گھوم پڑا۔

"آصف صاحب! اڑا ہوش میں۔ میں مارتا پہلے ہوں۔ اس کے بعد چاہے زندگی بھر سہلاتا ہوں۔ آپ اپنی انسپکٹری کا رعب مجھ پر نہ جھاؤ یئے گا۔ اگر ہم خود تھی اپنی ترقیوں کو نہ ٹھکراتے رہے تو اس وقت تم مجھے سلیوٹ کرتے۔ اب زبان سے کچھ نہ نکلے ورنہ خدا کی قسم یہیں ٹھکر اردوں گا.... اور ملازمت پر تواب ہم خود ہی لخت بھیج دے والے ہیں۔"

"اڑے.... اڑے.... خاموش.... خاموش۔" فریدی اسے دوسرا طرف گھیٹ لے گیا۔

آصف ان دونوں کو گھورتا رہا۔ پھر وہ جھینپ مٹانے کے لئے رشیدہ سے باتیں کرنے لگا۔

"میں باروں گا۔" حمید چل رہا تھا۔

"میا لگھاپن سے چین سے رہو۔ تمہیں اس کی توبہ نہ کرنی چاہئے تھی۔ بوڑھا آدمی ہے۔"

"آپ بھی شے مجھے ہی دباتے رہے ہیں کیا الغویت ہے کیا میں اس کے باپ کا نوکر ہوں۔"

"اُہ جانے دو بھی.... کسی طرح دروازے کھلنے چاہیں.... ورنہ یہ لوزندگی تلخ گردے گا۔"

شاند آصف کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے چھیلیا کے ہمرا رقص کے متعلق لوگوں سے پوچھ چک کی۔ لیکن کسی نے کوئی تشغی بخشن جواب نہ دیا۔ آخر تھک ہار کر اسے دروازے کھلوانے تھی پڑے۔



"درے دن کے اخبار میں پھر سنسنی خیز سرخیاں نظر آئیں۔ چھیلیا کی پر اسرار موتو پر کئی ناڈیوں سے روشنی ڈالی گئی تھی اُن پر اسرار بالوں کا تذکرہ بھی تھا جو اُس کے شوہر کی لاش کے انبساطے گئے تھے یہ خیال تو بھی نے ظاہر کیا تھا کہ اُس کی موٹ بھی حرکت قلب ہی کے بند ہو جانے پر واقع ہوئی تھی.... لیکن دوپھر کو پوست مارٹم کی روپورٹ نے ایک دوسرا ہی کہانی سنائی۔ اس کے مطابق چھیلیا کی خطرناک قسم کے زبر کا شکار ہوئی تھی۔ پوست مارٹم کے دوران میں اس کی بائیں ران پر ایک ایسا نشان پایا گیا تھا جو کائناتیا سوئی چیز کا نتیجہ ہو سکتا تھا۔ ان جگشن کے خیال کی تردید کی تھی۔ ذاکڑوں کی رائے تھی کہ وہ کائناتیا سوئی بجائے خود زہریلی تھی.... مددے

میں زہر کے اثرات نہیں پائے گئے یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل تھی کہ زہر کی خارجی طریقے میں اس کے نظام عصبی پر اثر انداز ہوا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ
میں جال اس کے گرد مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تو انہوں نے اُسے بھی ٹھکانے لگادیا۔
”ہم رقص کون تھا۔“

”کرامم روپور انور۔“
”اوہ...!“

”لیکن یہ اطلاع صرف آپ کے لئے ہے۔ میں نے آپ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔“
”تم مطمئن رہو۔“ ڈی۔ آئی۔ جی سگار کا ذہب اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”لو پیو۔ تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم بے تحاشہ سگار پیتے ہو۔“

فریدی نے سگار لے لیا۔
”تم...!“ ڈی۔ آئی۔ جی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔
”میں نہیں پیتا۔“ حمید نے شرما کر کہا۔

”میں نے سنا ہے تم بہت شیطان ہو۔“ ڈی۔ آئی۔ جی ہنسنے لگا۔ اور حمید کی کنواری لاکی کی طرح سچھ جو اور زیادہ شرم گیا۔

”میں آپ سے کیا عرض کروں کہ یہ کتنا عظیم آدمی ہے۔“ فریدی بولا۔

”میں جانتا ہوں... لیکن تم دونوں کو فتح کروں گا کہ جو کام کرو احتیاط سے کرو۔ اس وقت حالات تمہارے نام موافق ہیں۔“

”ہم پورا پورا خیال رکھیں گے۔“

”اور حالات سے مجھے باخبر رکھنا۔“

”میں نے ہر موقع پر یہی کیا ہے۔“

”اور ہاں کسی دن... پچھے تمہارے عانیات کا ذخیرہ دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”ضرور... بڑے شوق سے۔ جب دل چاہے۔ مجھے صرف ایک گھنٹہ قبل اطلاع کر دیجئے گا۔“

”تم کہو گے آج میں نے فرماٹوں کے ذہر لگادیجئے۔ میرے بڑے بڑے کو تو جانے ہی ہو گے۔“

”جی ہاں... وہ جو تاریخ میں استثنی کشتر ہیں۔“

”ہاں... اُسے ملدا ہوئکا ایک جوڑا چاہئے۔ مجھ سے کہا تھا کہ تم سے سفارش کروں۔“

میں زہر کے اثرات نہیں پائے گئے یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل تھی کہ زہر کی خارجی طریقے میں اس کے نظام عصبی پر اثر انداز ہوا۔
انپکٹر آصف اور انپکٹر سنگھ کو پچک آنے لگے تھے۔

اُسی شام کو ملکہ سراج رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی اور حمید کو اپنی کوئی پر آئنی دعوت دی پورے ملکہ میں بیوی ایک آفسر تھا جسے ان دونوں سے ضد نہیں تھی اور صرف میں ایک ایسا آفسر تھا جس کا فریدی صحیح معنوں میں احترام کرتا تھا۔

”آصف نے تم دونوں کی شکایت کی ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی مسکرا کر بولا۔

فریدی اس پر سارے واقعات دھراتا ہوا بولا۔ ”اب آپ خود ہی سوچ سکتے ہیں کہ نیادا کس کی ہے.... وہ حضرت خواہ نواہ حمید کے منہ لگا کرتے ہیں۔ حمید میرا استثنہ ہے اس لئے کسی دوسرے کو اس سے سروکار نہ رکھنا چاہئے۔ میرا اس پر کیا برداشت ہے یہ میرا نبھی معاملہ ہے۔ میں اسے اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔“

”میرے خیال سے بات کچھ اور ہے آصف کا خیال ہے کہ تم ان وارداتوں کے متعلق کوئی خاص بات جانتے ہو جسے چھپا رہے ہو۔“

”اس کا خیال بالکل درست ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ایک نہیں درجنوں باتیں جانتا ہوں اور یہ بات صرف آپ کی اطلاع کے لئے عرض کرنا ہوں کہ میں تھی طور پر اس کیس سے دستبردار نہیں ہوا کیونکہ عرفانی سے میرے قریبی تعلقات تھے اور میں اس سازش کے سراغنہ کی کھوپڑی توڑے بغیر نہ رہوں گا۔“

”لیکن سنو...!“ ڈی۔ آئی۔ جی مشقانہ انداز میں بولا۔ ”فی الحال نہ جانے کیوں آئی۔ جی صاحب تم سے خوش نہیں ہیں۔“

”میں جانتا ہوں اُنہیں انگریزوں سے عشق ہے۔“ فریدی نے تنفس سے ہونٹ سکوڑ کر کہا ”میرا مخصوص اجابت نامہ منشوخ کر دیا گیا ہے.... یہ میری کھلی ہوئی توہین ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی کوئی مجھے مجبور نہ سمجھے۔ مجھے خدا کے بعد اپنے بازوؤں پر بھروسہ ہے۔“

”کیا تم... اس عورت کے ہر قص سے واقف ہو۔“

”جی ہاں... لیکن وہ میرا آدمی تھا۔ میں شروع ہی سے یہ سمجھتا تھا کہ میں ملیا بہت کچھ جانتی ہے۔“

”اوہو.... اس میں سفارش کی کیا بات۔ میرے پاس اس وقت چار جوڑے ہیں۔ جو پسند ہو
لے لیں۔“

”کل کتنے کتے ہیں تمہارے پاس۔“

”چھایس.....!“

”اوہ.... اور سانپ.... آخر سانپوں سے تمہیں کیوں اتنی دلچسپی ہے۔“

”میں خود بھی نہیں جانتا۔ لیکن سانپ مجھے بہت پیارے لگتے ہیں۔“

”تمہارے شوق.... انہائی عجیب و غریب ہیں۔ لیکن خطرناک بھی ہیں۔ تم شادی کیوں
راپاہتا ہے۔“

”نہیں کرتے۔“

”ابھی دل نہیں چاہتا۔“ فریدی نے بات تائی کی کوشش کی۔

”کوئی ترجیح دی....!“ ذی۔ آئی۔ جی۔ مسکرایا۔

”نہیں صاحب! مجھے کبھی ادنی قسم کا جانور بننے سے دلچسپی نہیں رہی۔ میں جنیت کو ایک
سیدھا سادا مسئلہ سمجھتا ہوں جسے آدمی جیسے سمجھدار جانور کے لئے اتنا ترجیح دہ ہوتا چاہئے کہ“
”برنارڈ کے چھ ملاقاً تیوں کے نام اور پتے میں نے نوٹ کئے ہیں۔“ انور نے جیب سے
”آخر اس کام کا کیا ہے۔“ فریدی سگار سلکاتا ہوا بولا۔

”میڈنے جیب سے اپنی ڈائری نکال کر پتے نوٹ کئے۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔
کامیش ایک نام قابل غور ہے۔ لیکرٹ آر تھر.... اسے تم نے کہاں دیکھا تھا۔“

”کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔“ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میملیا کی موت کا ذمہ دار
کون ہے۔ مگر میں ابھی اس کے پیچھے لگانا نہیں چاہتا۔ ورنہ وہ اس کا بھی خاتمه کرو دیں گے۔“

”ہوں! اور آصف تم سے کتنے فاصلے پر تھا۔“

”آصف اس وقت مجھے کھوپکا تھا۔“ انور نہیں کر بولا۔ ”میں اسے ڈاچ دینے میں کامیاب
”کون ہے؟“

”برنارڈ.... یہاں کے مشہور لوگوں میں سے ہے۔ لیکن ہمارے پاس ابھی تک اس کے دیا گا۔“

”خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔“



”لیکن....“ انور سگریٹ سلکا کر بولا۔ ”آصف اس وقت موجود تھا جب میں نے ایک عجیب
رات تاریک اور خنک تھی۔ فریدی اور حیدر دن بھر کی تھکن کے بعد آرام کرنے جانا
رہے تھے کہ انور آگیا۔ شاید وہ بھی دون بھر کا تھکا ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے پھرے پر سلسندی کے
”ہاں ہاں یاد...!“ حمید جماہی لے کر بولا۔ ”نیند آرہی ہے اس لئے یقین کر لیں گے۔“

”نیند دیکھا...؟“ فریدی کے لمحے میں جرت تھی۔

”میں نے ان دونوں کو ایک کار میں سوار ہوتے دیکھا تھا.... اور کار کی روانگی کے بعد میں
”آپ نے ٹھیک کہا تھا۔“ وہ فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ ”آصف تھوڑی میرے پیچے گا۔“

نے آصف کی بد حواسی بھی دیکھی تھی۔ وہ کافی دور تک اس کے پیچے دوڑتا چلا گیا تھا۔ میں نبھی پیدل ہی تھا اور وہ جگہ ایسی تھی کہ دور دور تک ٹرینک کا پتہ نہیں تھا۔

”یہاں دیکھا تھا۔“

”پولو گراؤنڈ کے قریب۔“

”اوہ...!“ فریدی کی پیشانی پر سلوٹ میں ابھر آئیں اور پھر وہ آہستہ سے بولا۔

”قاسم نے بھی عرفانی کا بھوت دیکھا تھا۔“

”اور... یہ غپ تو نہیں ہے۔“ حمید نے اُسے گھور کر پوچھا۔

”آصف سے تصدیق ہو جائے گی۔“ انور برا سامنہ بنا کر بولا۔

” مجرم جاگ رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کم از کم وہ میری اور میرے ساتھیوں کی نقل کے پہلے فائز پر بن مانس نے قلابازی کھائی۔ پھر اٹھائیں دوسرا فائز نے دو فارے

”ہ تیوں گم سم برآمدے میں کھڑے رہے پھر آگے بڑھے۔ ایشیین بڑے جوش و خروش

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”قاسم حمید کا دوست ہے اس لئے اس نے عرفانی کا بھوت دیکھا۔ تم میرے لئے کام کرو۔“ بن مانس کا قدر کسی انتہائی لبے آدمی کے قد سے کم نہیں تھا۔ اس لئے حمید کو توقع تھی کہ

”ہواں لئے تمہیں بھی دو مردے نظر آئے... وہی کھیل جو پرانا بھی ہے اور گندہ بھی معلمًا ہو۔ رنگ کے بالوں والی کھال کے پیچے کوئی آدمی ہی برآمد ہو گا۔

”لیکن اُسے نہ صرف مایوسی ہوئی بلکہ حرمت بھی ہوئی جب کہ وہ سو فیصدی بن مانس ہی ثابت

”ہے کہ اگر وہ درندہ رنگ ہاؤز کے کیمپ نجع میں داخل ہوا ہوتا تو سینکڑوں کی نظریں اُس پر پہنچا۔ لیکن ایک عجیب و غریب بن مانس جس کے بال بھورتے تھے اور قد ایسا کہ شامد اس سے قبل

”لیکن بالوں کی موجودگی اُسی درندے کی کہانی سناتی ہے۔ وہی پرانا اور گندہ کھیل... بھو۔ انمولیں القامت بن مانس دنیا کے کسی حصے میں نہ دیکھا گیا ہو۔

”درندہ...!“ فریدی بڑھا دیا۔ ”اس کے بال دیسے ہی ہیں جیسے ان دونوں لاشوں کے قریب

”پریت۔ مجرم چالیں ضرور چل رہے ہیں مگر ان چالوں میں کچاپن ہے۔ ان باتوں کی اہمیت وقت ختم ہو جاتی ہے جب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ زہر کا افسانہ سناتی ہے۔“

”لیکن یہ تو دیکھئے کہ قاسم نے عرفانی کا بھوت جیر الہی کے یہاں دیکھا تھا۔“ حمید نے

”اگر آپ کی بات مان بھی لی جائے تو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کیا جیر الہ احمق ہے۔ اگر اس نے با

”دانستہ اپنے یہاں قاسم کو عرفانی کا بھوت رکھا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود ہی پولیس کو

”پیچھے لگانا چاہتا ہے۔“

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دفتار کیا وہ میں کہتے ہو سکتے گے۔ یہ میں کیا مجھیں تھیں۔ اس درندے کو دیکھنے سے قبل اس کا خیال تھا کہ مجرم معاملات کو پر اسرار

”چھالیس کتوں کا شور تھا۔“

حمید اور وہ لڑکی

چھپل رات کے واقعے پر پھر فریدی نے کوئی تبرہ نہیں کیا۔ لیکن سرجنت حمید کے ذہن فریدی کی جواب میں کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دفتار کیا وہ میں کہتے ہو سکتے گے۔ یہ میں کیا مجھیں تھیں۔ اس درندے کو دیکھنے سے قبل اس کا خیال تھا کہ مجرم معاملات کو پر اسرار چھالیس کتوں کا شور تھا۔

”یہاں کم بختوں کو فریجک ہو گئی ہے۔“ فریدی بڑھا دیا۔

پھر انہوں نے نوکرون کی بھی چیزیں سنیں۔ وہ جھپٹ کر برآمدے میں آئے۔ ایک نوکر

کری میں ایک کر فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا اور نیچہ اندر کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ابھی باہر کی

روشنی گل نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے کپاٹ میں اندر ہا نہیں تھا۔ انہوں نے چھاک کے قریب

ایک طویل القامت اور خوفناک بن مانس دیکھا جس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی لکڑی تھی.... اور

”اُسی لکڑی سے رکھوںی کرنے والے ایشیں کتوں پر جھپٹ جھپٹ کر جملے کر رہا تھا۔

”حید... راکفل۔“ فریدی چیخا۔ حمید بھاگتا ہوا اندر چلا گیا۔ چاروں ایشیں بن مانس

پڑھے پڑھے رہے تھے۔ اتنے میں راکفل آگئی۔ حمید تارچ بھی لیتا آیا تھا۔ فریدی نے دو فارے

” مجرم جاگ رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کم از کم وہ میری اور میرے ساتھیوں کی نقل کے پہلے فائز پر بن مانس نے قلابازی کھائی۔ پھر اٹھائیں دوسرا فائز نے دو شنڈا کر دیا۔

”ہ تیوں گم سم برآمدے میں کھڑے رہے پھر آگے بڑھے۔ ایشیں بڑے جوش و خروش

”کے ساتھ مردہ بن مانس کو چھبھوڑ رہے تھے۔ فریدی نے انہیں الگ کیا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

کی موت کے بعد ہی سے شروع کر دیا تھا اس کی لاش کے قریب بالوں کی موجودگی کی دردناکی کی طرف اشارہ کرتی تھی لیکن اس درندے کو کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ اس پر فریدی نے خدا نے اس کا قاتل کسی درندے کی کھال میں آیا ہو۔ بات قابل قبول تھی... ظاہر کیا تھا کہ شاید اس کا قاتل کسی درندے کی کھال میں آیا ہو۔ بات قابل قبول تھی... میں کیا بھرے مجھے میں ختم ہو گئی۔ اس کی لاش کے قریب بھی دیسے ہی بال پائے گئے لیکن "میں کوئی آدمی ہی کام کر رہا تھا.... مگر پچھلی رات.... جب انہوں نے اس درندے کو دیکھا تھا۔ اس سے فریدی کے قائم کردہ نظریے کو تقویت پہنچتی تھی۔ یعنی اس درندے کو دیکھا تھا۔ اس سے فریدی کے قائم کردہ نظریے کو تقویت پہنچتی تھی۔ میں کوئی آدمی ہی کام کر رہا تھا.... مگر پچھلی رات.... جب انہوں نے اس درندے کو دیکھا تھا۔ اس نظریے کا قریب قریب خاتمه ہی ہو گیا اور اس بات میں بھی کوئی وزن شدہ گیا کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی تھا اگر یہ بات ہوتی تو وہ معمولی جانداروں کی طرح رانفل کی گولی سے ہو جاتی۔ اب تو یہ بھی سوچنا پڑتا تھا کہ اس معاملے میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے بھی یا نہیں... اول تو اس سائز کا بن مانس ہی آج تک دریافت نہیں ہوا تھا۔ دوسرا بات یہ کہ اس بھرے پرے شہر میں آیا کہاں سے۔ اگر وہ کسی کا پاتوت تھا جب بھی اس کی شہرت کم از کم الگانوں تک ضرور پہنچ ہوئی کیونکہ یہ بن مانس ایک عجوبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے پالنے والے صندوق میں بند کر کے تور کھانے ہو گا۔ ... تاش کے وہ پتے بھی یاد آگئے لڑکے کی تصویر اور لڑائی کا نقشہ.... لڑائی کو جنگ کرو۔ لڑکا کے ساتھ وہ لام ملا لو کارڈ کا حزوف ہے۔ اس طرح لڑکاں بتاتے ہیں اور جنگ کے باقاعدام ملانے سے جنگل۔ عرفانی کے ساتھ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تو وہ بھی اس معاملے کی بہنک پہنچ جاتے۔ ظاہر ہے کہ بن مانس جنگلوں ہی میں رہتے ہیں۔ گھنے جنگلوں میں.... توالی خطوں کے جنگل کہہ لو لیکن ہم خط استوپر نہیں رہتے۔ لہذا قدرتی بات ہے کہ ہمارا ذہن نا جنگل خود روڑھوٹنے گا اور اس علاقے میں صرف ایک ہی گھنے جنگل ہے جو دس میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے اور یہ ہے لڑکاں جنگل.... لیکن.... اس بیچارے جنگل میں معمولی بندر بھی ایسی ہوں۔

"تو یہ اگر اس گروہ کا تعلق لڑکاں جنگل سے ہے تو اس خبر پر اس کے افراد بھری طرح چومنکیں گے۔" "یقیناً....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن اب ہمیں ہر وقت ہوشیار رہنا پڑے گا۔ اور انہیں اخبار بھی نہیں دیکھا.... ذرا سر خیال پڑھ جاؤ۔" جسدنے میز پر سے اخبار اٹھایا اور بلند آواز سے سر خیال پڑھنے لگا۔ ایک جگہ وہ رکا اور اس کی

دیکھا لیکن فریدی نے اسے باتوں میں الجھاوایا۔ "ہاں دیکھو.... رپورٹ میں اس درندے کے بالوں کا تذکرہ ضرور آئے اور ان بالوں سے متعلق بھی کوئی کائنات کی بات ہو جوان دونوں لا شوں کے قریب پائے گئے تھے۔"

انور ناٹھہ چھوڑ کر لکھنے کی میز پر جا بیٹھا۔ ... فریدی نے حمید سے کہا۔

"حیدم تم ذرا کم برہ وغیرہ ٹھیک کرو۔ اخبار میں تصویریں بھی ہوں گی مختلف زاویوں سے۔" سارے مراحل طے ہو جانے کے بعد انور چلا گیا۔

"اب بتائیے۔" حیدم فریدی کو چھوڑتا ہوا بولا۔ "آپ نے مجھے اتنے دنوں تک تاریکی میں کیوں رکھا۔"

"تو تم سمجھ گئے۔"

"اب اتنا گاؤں بھی نہیں ہوں لیکن یہ بتائیے! لڑکاں جنگل کا نام اچانک آپ کے منہ سے لٹکتا ہی آپ پہلے سے سوچ چکے تھے۔"

"تاش کے وہ پتے بھی یاد آگئے لڑکے کی تصویر اور لڑائی کا نقشہ.... لڑائی کو جنگ کرو۔ لڑکا کے ساتھ وہ لام ملا لو کارڈ کا حزوف ہے۔ اس طرح لڑکاں بتاتے ہیں اور جنگ کے باقاعدام ملانے سے جنگل۔ عرفانی کے ساتھ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تو وہ بھی اس معاملے کی بہنک پہنچ جاتے۔ ظاہر ہے کہ بن مانس جنگلوں ہی میں رہتے ہیں۔ گھنے جنگلوں میں.... توالی خطوں کے جنگل کہہ لو لیکن ہم خط استوپر نہیں رہتے۔ لہذا قدرتی بات ہے کہ ہمارا ذہن نا جنگل خود روڑھوٹنے گا اور اس علاقے میں صرف ایک ہی گھنے جنگل ہے جو دس میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے اور یہ ہے لڑکاں جنگل.... لیکن.... اس بیچارے جنگل میں معمولی بندر بھی ایسی ہوں۔"

"تو یہ اگر اس گروہ کا تعلق لڑکاں جنگل سے ہے تو اس خبر پر اس کے افراد بھری طرح چومنکیں گے۔" "یقیناً....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن اب ہمیں ہر وقت ہوشیار رہنا پڑے گا۔ اور انہیں اخبار بھی نہیں دیکھا.... ذرا سر خیال پڑھ جاؤ۔" جسدنے میز پر سے اخبار اٹھایا اور بلند آواز سے سر خیال پڑھنے لگا۔ ایک جگہ وہ رکا اور اس کی

دفعہ حیدم چوک کر فریدی کو گھوڑے نے لگا اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"کیا کہا آپ نے۔" حیدم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"صبر.... فرزند.... صبر....!" فریدی مسکرا کر ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

حیدم بیٹھ گیا۔ لیکن وہ شدت جذبات سے پھٹا پڑتا تھا۔ انور نے حیرت سے اس کا

نظریں تیزی سے پوری خبر پر دوڑتی چلی گئیں۔
”کیا بات ہے... رک کیوں گئے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ آنکھیں بند کئے آرام کرے
پر شیم دراز تھا۔

”سنے....!“ حید جلدی جلدی پڑھنے لگا۔ ”مسٹر اور مسز جوزف پیر کے بھوت انگریز
سفر تھانے میں... ۱۳ ستمبر گیارہ بجے شب کو انگلش سفارت تھانے میں بھگدڑچ گئی۔ انگلستان
کے سفر کل گیارہ بجے شب کو ایک انہم دستاویز تسبیب دے رہے تھے کہ اچاک ان کے کمر
میں ان کے دوایس شناسادا خل ہوئے جن کی موت حال ہی میں واقع ہوئی تھی یہ اسرار طریق
پر مرنے والے مسٹر اور مسز جوزف پیر تھے وہ دونوں حسب دستور اپنے قدیم مخصوص۔
تکلفانہ انداز میں ہزا میلینسی کی طرف بڑھے... اور ہزا میلینسی اپنے ہوش و حواس پر قابو
رکھ کے۔ جب انہیں ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ وہ دستاویز اور کمی دوسرے اہم کاغذات جو حکوم
برطانیہ کے بعض اہم راہداروں سے تعلق رکھتے تھے غائب ہو گئے۔ اس حیرت انگیز واقعہ کی بنا
سفر تھانے میں سننی پھیل گئی ہے۔ پولیس کو اطلاع دے دی گئی ہے لیکن سفارت تھانے نجی طور
بھی کچھ کر رہا ہے۔“

حید خر پڑھ چکا تھا... اور کمرے میں قبرستان کی سی خاموشی تھی۔

”تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ.... وہ بھوت خاص طور پر ہمیں دکھانے کے لئے
جائے گے تھے۔“ حید تھوڑی دیر بعد بولا۔

فریدی خاموشی سے چھٹ کی طرف دیکھتا رہا۔



شام ہوتے ہوتے فریدی کی کپاؤنڈ میں خاصی بھیڑ ہو گئی۔ اسٹار کا ضمیمہ شائع ہو کر اُن
ہاتھ فروخت ہو چکا ہے۔

محکمہ پولیس اور ساری رسانی کے قریب قریب سارے ہی حکام وہاں جمع تھے۔ فریدی اُن
ایک دلچسپ فرضی داستان سن رہا تھا کہ کس طرح اس نے پچھلی شام کو لڑکاں جنگل میں گئے
غیریب درندہ شکار کیا تھا۔... سرجنت حید اپنے آفس کی نائپسٹ لڑکیوں میں گھر کر رکھا کیا
وہ ان کے نزدیک سے کبھی کا نکل گیا ہوتا۔ مگر حقیقت تو یہ تھی کہ وہ خود ہی ان میں کھرا رہا۔

خال۔ آفس کی لڑکیوں میں اُس کے لئے کوئی خاص دلکشی نہ تھی۔ مگر وہ ان میں
سے کسی کی دوست تھی۔ وہ نسلائی گو اٹھیں لیکن اُس کے انداز خالص مشرقی تھے۔ کمی بار وہ
سرجنٹ حید کی گھوڑتی ہوئی نگاہوں کے مقابلے میں جائی بھی تھی۔

آخر ایک لڑکی نے دونوں کا تعارف کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حید وقت کی نزاکت کا لحاظ کئے
 بغیر انہیں آر لکھوں میں چاٹے چاٹے پر راضی ہو گیا۔ فریدی کی نظر وہ سچ کر نکل جانا اس وقت
ناممکن نہیں تھا۔ آر لکھوں میں وہ کافی دیر مک بیٹھے۔ نی لڑکی روزا حید کو بڑی شاندار نظر آئی۔ وہ
بیوقوف ہونے کی حد تک سیدھی تھی۔ دوسری لڑکیاں بور ہو رہی تھیں۔ کیونکہ سرجنت حید کی
خشیت ان کے لئے نی نہ تھی وہ اُسے اچھی طرح جانتی تھیں یادوسرے الفاظ میں اُس کی رگ
رگ سے واقع تھیں۔ حید کی نہ ختم ہونے والی دلچسپ باتوں نے روزا کو الحجاجیا تھا۔ دوسری
لڑکیاں اب اٹھنا چاہتی تھیں ہوا یہ کہ تھوڑی دیر بعد روزا تھارہ گئی۔

”مجھے ایگلو اٹھیں بڑے اچھے لگتے ہیں۔“ حید بولا۔

”کاش میں صرف اٹھیں ہوتی۔ مجھے دو غلب پن اچھا نہیں لگتا۔ نہ ہمیں انگریز پسند کرتے ہیں
اور نہ دیکھی۔“

”نہیں پسند کرتے تو جہنم میں جائیں۔ میں تو اپنی بات کر رہا تھا۔“

”آپ بھی دل سے نہیں پسند کرتے۔“ روزا اٹھلائی اور حید کو اپنا خیال بدلتا پڑا۔ کیونکہ
وہاں لڑکیوں کی موجودگی میں جتنی بیوقوف نظر آئی تھی اب اس کے بر عکس ہوتی باری تھی۔

”صرف دل ہی نہیں بلکہ جگر، گردے اور پچھر دے سے بھی پسند کرتا ہوں۔“ حید
بلالا... وہ ہنسنے لگی۔

”آپ بڑے اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔“ وہ بڑے پیار سے بولی۔

”اوہ! آپ کا لبجہ۔“ حید خواب تاک آواز میں بولا۔ ”آپ کا لبجہ میری روح کو ان
امداد حلاقوں میں گھیٹ لے جاتا ہے جہاں پر اسرار رنگوں کے لہریے تمللایا کرتے ہیں۔“

”میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”اگر... میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ خدا کرے آپ آنکھوں کی زبان سمجھنے لگیں۔“

”آپ اطمینان محبت تو نہ کریں گے۔“ روزا اکھڑ گئی۔

”نہیں....!“ حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ ”میں اپنے باپ سے پوچھے بغیر اطہار محبت نہ کروں گا۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا۔“
روز اپھر نہیں دی۔ وہ یونہی بارہا۔ اپنے خوبصورت دانتوں کی نمائش کر رہی تھی۔ ”میرا دل چاہتا ہے۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”کہ میں اس رات کا کچھ حصہ کسی دیرانے میں بسر کروں۔“
”اوہو.... تو آؤ چلیں.... اس وقت منٹوپارک بالکل دیران ہو گا۔“ روزانے پس کر کہا اور
حمید کے جسم پر چیزوں نیاں سی رینگنے لگیں۔

دونوں اٹھ گئے۔ کلوک روم میں پہنچ کر روزانے حمید سے کہا۔ ”ڈرائیور ہی یے میں گھر پر فون کرنا تو بھول ہی گئی۔ وہ پھر واپس چل گئی۔“ حمید کلوک روم میں اس کا انتظار کرتا رہا۔ وہ خود کو دنیا کا بہت بڑا آدمی تصور کرنے لگا۔ اتنی بلندی لڑکیاں اس پر اعتماد کر لیتی ہیں۔ اُس کے علاوہ اور شاید ہی کوئی ایسا ہو.... روزا واپس آگئی۔ باہر نکل کر انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور منٹوپارک کی طرف روانہ ہو گئے۔

”بات یہ ہے۔“ روزابوی۔ ”میں زیادہ رات گے تک بغیر اطلاع گھر سے باہر نہیں رہ سکتی۔“
”یہی شریفوں کی بیچان ہے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔
”میرے ڈیڈی بہت سخت آدمی ہیں۔ ان کی تاکید ہے کہ میں کسی انگریز سے دوستی نہ کروں۔ دیسیوں کے ساتھ مجھے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔“
”تمہارے ڈیڈی کیا کرتے ہیں۔“
”بیمار اینڈ مورگن کے فوجر ہیں۔“

”نام کیا ہے؟“
”مکار نس برناڑ.... عموماً لوگ انہیں کسی برناڑ کہتے ہیں۔“
حمدی نے ایک طویل سانس لی۔ لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا۔ ٹیکسی منٹوپارک کی طرف ہل پڑی تھی اور نئے نئے شبہات اس کے ذہن میں سرا جھانے لگے تھے۔ روزانے اسی برناڑ کا خواں دیا تھا جو پولیس کی نظرلوں میں عرصہ سے کھنک رہا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ کیا وہ خطرے میں ہے کہا روزانے منٹوپارک کی تجویز کسی خاص مقصد کے تحت پیش کی تھی.... اور پھر وہ اُسے کلوک روم میں چھوڑ کر فون بھی کرنے گئی تھی۔ لیکن حمید کے ذہن نے پھر سنپالا لیا۔ اگر وہ کسی قسم کا

سازش کر رہی تھی تو اُس نے اپنے باپ کا نام کیوں بتا دیا۔ ظاہر ہے کہ برناڑ بھی اس حقیقت سے اتف ہے کہ پولیس اُس کی طرف سے اچھے خیالات نہیں رکھتی۔ نہیں فی الحال کسی سازش کا امکان نہیں.... دفعتا پھر ایک دوسرا سوال اُس کے ذہن میں اُمہرا.... وہ تھا ہے۔ اگر چند ہ معلوم آدمیوں نے اُسے ٹھکانے لگا دیا تو پولیس کو کیا پڑتے چل سکے گا۔ مجرموں کے نام پر دہ راز ہی میں رہیں گے۔

”کیا سوچنے لگے۔“ روزانے اُسے ٹھوکا دیا۔

”میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم نے اپنے ڈیڈی سے کیا بہانہ کیا ہو گا۔“

”کچھ بھی نہیں.... میں نے صاف صاف بتا دیا کہ میں اس وقت ایک آفیسر سارجنٹ حمید کے ساتھ ہوں اور کچھ دیر بعد واپس آؤں گی۔“
”انہوں نے کچھ کہا نہیں۔“
”کچھ بھی نہیں۔“

”اگر ہم منٹوپارک کے نجایتے کہیں اور چلیں تو۔“ حمید نے پوچھا۔

”شہر کے اندر ہی مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تمہیں دیرانہ چاہئے۔ وہ تو تمہیں میرے مکان پر بھی مل جائے گا.... آؤ میرے گھر چلو.... ڈرائیور.... گاڑی موزلو۔“
اس نئی تجویز پر حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر سازش نہیں ہے تو بھی اس کا برناڑ کے گھر پر جانا ٹھیک نہیں کیونکہ فریدی اُسے جان بوچھ کر نظر انداز کر رہا تھا۔

”کتنی عجیب و غریب باتیں ہونے لگی ہیں۔“ روزا ٹیکسی موڑتے ہی بڑھ بڑھانے لگی۔ ”سفرت خانے کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہو گا۔“

”ہاں مجھے معلوم ہے لیکن میں تمہارے گھر بھی نہیں جانا چاہتا۔“

”کیوں....؟ آخر کیوں؟“

”بات یہ ہے کہ تمہارے ڈیڈی کے تعلقات پولیس سے اچھے نہیں ہیں۔ کہیں وہ یہ نہ کھھیں کہ میں ان کی نوٹہ میں آیا ہوں۔“

”لیکن میں تو سمجھتی ہوں.... میں خود آپ کو لے جاؤ ہوں۔ ڈیڈی کی بعض باتیں مجھے بھاپنہ نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ انہیں ترک کر دیں۔“

جسے پر کوئی ٹھوس چیز کافی قوت سے پڑی اور وہ ایک بے جان شہیر کی طرح ڈھیر ہو گیا۔

دو حملے

کرامنگ رپورٹ انور نے گھری دیکھی۔ پندرہ منٹ گذر پکھے تھے لیکن نہ تو بردارڈ کے بنگلے میں کہیں روشنی دکھائی دی اور نہ حمید ہی واپس آیا۔

وہ حمید اور روزا کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ انہیں آر لکچو سے نکل کر ٹیکسی پر بیٹھے دیکھ کر اس کی موڑ سائیکل ان کے پیچھے لگ گئی تھی۔ وہ کافی فاصلے سے ان کا تعاقب کرتا رہا تھا اس تعاقب کی وجہ یہ تھی کہ انور بردارڈ کی لڑکی کو بخوبی پیچا تھا اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ فریدی دیدہ و دانستہ بردارڈ کو نظر انداز کر رہا ہے تو اُسے حمید کی اس حرکت پر حیرت نہ ہوتی۔ ایسی حالت میں اُسے یہی سوچا پا کہ شاکد حمید اس لڑکی سے واقف نہیں ہے۔

بہر حال اُس نے موڑ سائیکل ان کے پیچھے لگادی تھی۔ جس ٹیکسی پر وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے اتفاق سے اُس کا انحنی بہت خراب تھا اس لئے حمید اُس کے شور کی بنا پر موڑ سائیکل کی آواز نہ سن سکا وہ اس کا یہ شہمہ یقین کی حد تک پہنچ جاتا کہ وہ کسی سازش کا شکار ہونے والا ہے۔ تھوڑی دور جا کر ٹیکسی جب پھر پیچھے کی طرف ٹرنے لگی تھی تو انور کا شہمہ اور زیادہ پہنچتا ہو گیا تھا اور اُس نے تعاقب جاری رکھا تھا۔

پانچ منٹ اور گزر گئے لیکن عمارت بدستور تاریک رہی۔ انور کو یقین ہو گیا کہ حمید ضرور کی مصیبت میں یا تو پھنس گیا ہے یا چھنسنے والا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ عورت حمید کی سب سے بڑی کمزوری ہے وہ مکار ترین مردوں سے پٹتے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن ایک اچھی ترین گورت بھی اُسے اچھی طرح اکوپنکتی ہے۔

اُس نے موڑ سائیکل وہیں اندھیرے میں بڑک کے کنارے چھوڑ دی اور خود قریب اُنہیں دوڑتا ہوا دوسرا سرڑک پر نکل آیا۔ یہاں پاس ہی ایک دوا فروش کی دوکان تھی۔ انور نے ہمال پیچ کر فریدی کو فون کیا۔ خوش تھتی سے فریدی گھر ہی پر موجود تھا۔ انور نے محترم اپوری لوڈ اسٹارڈی۔

”کون کی باتیں۔“

”وہ بلیک مار کینگ کرتے ہیں۔“

”ہے تو بڑی بات... شاید اسی بناء پر پولیس آن سے بر گشتہ ہو۔ مگر میں نے تو سنائے کہ وہ

آج کل بده ازم سے بہت زیادہ متاثر ہو رہے ہیں۔“

”پتہ نہیں..... تمہیں کیسے معلوم ہوا۔“

”ایک دن گفتگو ہوئی تھی۔“

”کیا وہ تمہیں جانتے ہیں۔“

”اچھی طرح...!“

ٹیکسی بردارڈ کے بنگلے کے سامنے رک گئی۔ حمید باقتوں میں الجھا رہا تھا۔ اس لئے اُسے کوئی دوسری تجویز پیش کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

”اوہ! تم چلو تو...!“ وہ حمید کو پھانک میں دھکیلتی ہوئی بولی۔ ”میں ڈیندی سے کہوں گی کہ سار جنت یہاں آتے ہوئے کیوں پچھا رہے تھے۔“

طوعاً و کرہاً حمید آگے بڑھا۔ لیکن کم از کم اسے اتنی تقویت تو ضرور تھی کہ آج صحیتی سے اُس کے جیب میں ریوالور پڑا ہوا تھا۔

باغ میں اندر ہر احتہا۔

”اوہ کم بختوں نے برآمدے کی لائٹ بھی نہیں جلائی۔“ روزا بڑی بڑی۔

وہ حمید کا ہاتھ پکڑے اُسے عمارت کی طرف لے جا رہی تھی۔

”کیا معاملہ ہے۔“ حمید نے رکتے ہوئے کہا۔ ”مجھے کہیں بھی روشنی نہیں دکھائی دیتی۔“

”مجھے خود حیرت ہے... پتہ نہیں کیا بات ہے... آؤ... میر ونی روشنی کا سوچ کر برآمدہ ہی میں ہے۔“

”میں دیا سالانی جلاوں۔“ حمید نے کہا۔

”اوہ نہیں کی ضرورت نہیں.... راستے صاف ہے۔“ وہ اُسے گھٹیتی ہوئی بولی۔

اس بار اس کی رفتار تیز تھی۔ پور میکو میں پیچ کر لیا کیا۔ حمید کی چھٹی حس جاگ پڑی۔ اُن بڑی شدت سے کسی خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کا ہاتھ جیب کو ٹوٹ لی۔ حس جاگ پڑی۔ اُن

فون کر کے وہ بھر برناڑ کے بنگلے کے سامنے آگیا۔ اب بھی عمارت تاریک پڑی تھی۔ ایرا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بالکل خالی ہو۔ پائیں باغ میں بھی کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ پندرہ منٹ بعد فریدی بھی پہنچ گیا شاید وہ اپنی کار بڑی تیز رفتاری سے لایا تھا۔

”حالات بدستور ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جتنی دیر میں فون کرتا رہا... اس دوران میں اگر کوئی تبدیلی ہوئی ہو تو اس سے واقع نہیں۔“

”ریو اور ہے تمہارے پاس۔“

”میرے پاس کہاں سے آیا ریو اور۔“

”تیر لو...!“ فریدی نے جیب سے ایک ریو اور نکال کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہل ”آؤ...!“ اس نے آگے بڑھ کر چھانک کھولا چند لمحے کھڑا ہو کر آہٹ لیتا رہا۔ پھر آگے بڑھا...! پور نیکو میں آئے لیکن یہاں بھی کوئی آواز سنائی نہ دی۔

فریدی نے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ اندر سے بند تھا۔ اس نے یہے بعد دیگرے تیور دروازے آزمائے لیکن ان میں سے کسی نے بھی جنبش بھی نہ کی۔

آخر اس نے جیب سے نارچ نکال کر جھٹپٹی ملاش کی اور اس کے ٹین پر انگوٹھا کھکھ دیا۔ اندر کسی دور افراط مقام پر گھٹپٹی بجھنگ لگی۔

کچھ دیر بعد اندر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کسی نے کمرے میں روشنی کر دی۔ دروازہ کھلا۔ ایک آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ جو ظاہری حالت سے نوکر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ اس نے ان دونوں کو گھوڑ کر پوچھا۔

”برناڑ سے ملتا ہے۔“ فریدی بولا۔

”برناڑ... کون برناڑ...! یہاں کوئی برناڑ نہیں رہتا۔ کیا آپ نے چھانک پر شیم پلٹی نہیں دیکھی۔“

”نہیں! لیکن جانتا ہوں کہ کمی برناڑ تیکیں رہتا ہے۔“

”رہتا ہو گا... اب نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر جیسے ہی اس نے پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کرنا چاہا۔ فریدی نے اس کی گردی پکڑ لی اور انور نے منہ دبادیا۔

دوسرے لمحے میں وہ بے حس و حرکت اس کے قدموں میں ڈھیر تھا۔ وہ آگے بڑھے اُ

نے پلٹ کر خشکار کی طرف دیکھا۔

”فکر نہ کرو... آدھ گھنٹے سے پیشتر ہوش میں نہیں آئے گا۔“ فریدی نے آہٹ سے کہا اور کرنے کی روشنی گل کر دی۔ پھر وہ ایک تاریک راہداری سے گزر رہے تھے۔

آگے چل کر داہنی طرف کے ایک کمرے میں انہیں روشنی دکھائی دی۔ کھڑکی کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ شیشوں کے ذریعے وہ اندر دیکھ سکتے تھے۔

سر جنت حید۔ ایک آرام کرسی پر پڑا اپنے سامنے کھڑے ہوئے چار آدمیوں کو گھوڑ رہا تھا۔ اس کے قریب ہی برناڑ کی لڑکی روزا ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ان چاروں آدمیوں میں برناڑ بھی تھا۔

”تم نہیں بتاؤ گے۔“ برناڑ حید سے کہہ رہا تھا۔

”اپنی لڑکی سے میری شادی کر دینے کا وعدہ کرو تو بتا دوں۔“ حید نہایت سمجھدی گی سے بولا۔

”بکواس بند کرو۔“ برناڑ گرجا۔ پھر اپنی لڑکی سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”روزا جاؤ تم آرام کرو۔“ قبل اس کے کہ وہ کرسی سے اٹھتی۔ فریدی اور انور دروازے میں تھے۔ دونوں نے ریو اور نکال لئے تھے۔

”مجھ سے پوچھو! پیارے برناڑ...!“ فریدی طنز آمیز لمحے میں بولا۔ ”شاید تم نکال جگل والا لطیفہ سننا چاہتے ہو۔“

چاروں بوکھلائے ہوئے انداز میں انہیں گھوڑ رہے تھے۔

”لیکن اس سے پہلے میں اس بن ماں کی کہانی سننا پسند کروں گا۔“ فریدی نے پھر کہا۔

”اوہ! کیا آپ واقعی بن ماں کو نہیں جانتے۔“ حید نہیں کر بولا۔ ”وہ کمی برناڑ کا دادا ہے۔ اور یونور شی میں اقتصادیات کا درس دیتا ہے۔“

”آپ تو بولے ہی مت۔“ فریدی چڑکر بولا۔ ”آپ کی عشق بازی کسی دن آپ کو جنم میں پہنچادے گی۔“

”فریدی بکواس بند کرو۔“ برناڑ بگڑ گیا۔ ”تمہارے اسٹنٹ نے زبردستی میرے مکان میں گھس کر میری لڑکی پر حملہ کیا تھا۔“

”ضرور کیا ہو گا... لیکن تم اس سے پوچھنا کیا چاہتے ہو۔“

”چٹ....!“ ایک ہلکی سی آواز کمرے میں گوئی اور اندر ہمراہ ہو گیا فریدی اور انور نے روزاڑ پے در پے ہارن دینے لگا تھا۔ لیکن ٹرک میں جنسش مکن نہ ہوئی۔ البتہ اُس کا انجھ بستور آنے والی کار ایک بڑی سیاہ رنگ کی لیماد میں تھی۔ اس کی رفتار بتر تج کم ہوتی گئی اور پھر دفعتائی کے ہاتھوں سے ریو اور نکل گئے۔ شاید وہ چاروں بیک وقت اُن پر نوٹ پڑے تھے۔ شاید وہ چاروں بیک وقت اُن پر نوٹ پڑے تھے۔

ٹرک کی ڈرائیور کی سیٹ سے ایک عجیب الخلق چیز اتری سات فٹ اوپر اتنے بیک۔

ٹرک کی ڈرائیور کی سیٹ سے ایک عجیب الخلق چیز اتری سات فٹ اوپر اتنے بیک۔ اپنے منہ سے ایک عجیب طرح کی آواز نکالی اور ٹرک کے پچھلے حصے سے دھادھم کی بن ٹرک پر کوڈ آئے۔ کار کا ڈرائیور تو پہلے ہی چاروں خانے چت گر کچا تھا لیکن کار کے اندر دیکھ کر اس کی یہ حالت ہوئی تھی۔

”ریو اور... ریو اور...!“ اندر کسی نے چھ کر کہا۔ آواز خوفزدہ تھی۔ پھر دوسرے ہی ن کار کے اندر سے فائز ہونے شروع ہو گئے۔

ڈرائیور کی سیٹ سے اڑا ہوا بن مانس گولیوں کی پرداہنہ کر کے برابر کار کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی سیٹ سے ایک اچھل کر ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لیکن ابھی بھی وہ بار میں تین آدمی تھے اُن میں سے ایک اچھل کر ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کی سیٹ پر آرہا۔ اشارت بھی کرپا یا تھا کہ دو گنجان بالوں بالوں والے سخت ہاتھ اس کی گردن پر پڑے اور پھر ڈرائیور کی سیٹ سے کار سے باہر کھینچ کر ایک طرف ڈال دیا گیا۔ اندر سے فائز اب بھی ہے تھے اور بقیہ بن مانسوں نے کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اُن میں سے کسی ریو اور کی لیکن انہوں نے کار پر نہیں پڑھ رہے تھے۔ اُن کی چینوں سے دوسرے بن مانسوں کا لیکن انہوں نے کار پر نہیں پڑھ رہے تھے۔ کار پر نوٹے پڑ رہے تھے۔ کار میں بیٹھے ہوئے دو خروش بڑھ گیا تھا اور وہ چاروں طرف سے کار پر نوٹے پڑ رہے تھے۔ دو اُن آدمی خوفزدہ ضرور تھے لیکن انہوں نے اپنے اوسان خطہ نہیں ہونے دیئے تھے۔ دو رنگ ہاتھ کار کی بچھلی سیٹ پر بڑھ پھر فائز ہوا۔ گویا اس بن مانس کے سینے پر پڑی جو کار کے رہا تھا ڈال رہا تھا وہ اپنی جگہ سے ایک گز پچھے اچھل کر لٹکھ ریا لیکن زمین پر نہیں گرا۔ کار سے افرا ہوا۔ اس بار گولی اس کے دائبے شانے سے نکل گئی۔

اُس نے ایک بھیاںک جیج مردی اور پھر کار کی طرف جھپٹا۔ دوسرے لمجھ میں اُس نے ایک آدمی لکھ سے باہر کھینچ کر ٹرک کے کنارے اچھاں دیا۔ دوسرآ آدمی اب بھی اندر سے فائز کر رہا تھا۔ ہوائی اڈہ قریب ہی تھا۔ سور کے ساتھ فائزوں کی آوازیں بھی وہاں تک پہنچپیں اور بہت

دیوار کی طرف ہکتے نہیں دیکھا تھا۔



پر نہیں کے چورا ہے پر کھڑے ہوئے ٹریک کا نیشنل کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور اس کے دونوں اٹھے ہوئے ہاتھ چیخ کی طرف جھوول کر رہا گئے اور وہ تیز رفتار ٹرک چورا ہے سے گزر گیا ہے دیکھ کر اس کی یہ حالت ہوئی تھی۔

آگے چل کر ایک راہ گیر بھی اپنی بے ساختہ چینہ روک سکا ٹرک کی رفتار بہت تیز تھی اور وہ زیادہ تر ایسی ہی سڑکوں پر مزرا ہاتھا جان پر زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں رہتی تھی۔

زور و لین میں ایک پھل فروش کی نظر ڈرائیور کی سیٹ پر پڑی اور وہ چیخ کر اپنے ٹھیلے پر آرہا۔ ٹھیلا اٹھ گیا۔ وہ خود اسی ٹرک کی زمیں آگیا ہوتا۔ لیکن ٹرک بڑی صفائی سے کٹا کر آگے نکل گیا۔ چھتھم روڑ پر ایک آدمی میل فون کے تار کے کھبے پر چڑھالائیں کی خرابی دور کر رہا تھا جیسے ہی ٹرک اس کے قریب سے گزرا۔ اور وہ اونڈھے منہ یخے چلا آیا۔

آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر سارے شہر میں اس ٹرک کے متعلق سننی پھیل گئی اور پولیس کی کمی کار میں اس کی تلاش میں مختلف سڑکوں پر چکر لگانے لگیں۔

اور وہ ٹرک پولو گراؤنڈ والی سمنان سڑک پر ہو یا تھا اور اب وہ ایک ایسے کچے راستے پر مزرا ہاتھ جو ہوائی اڈے کی طرف جاتا تھا کچے راستے کے اختتام پر پھر ایک اپنے سڑک لی جو ہوائی اڈے کے پھانک پر ختم ہو گئی تھی۔ دفتار ٹرک نیک اسی جگہ پر ٹرک گیا چھاں وہ کچار استر سڑک سے آملا تھا۔

ٹرک اس طرح رکھا تھا کہ پختہ سڑک بالکل بند ہو گئی تھی ٹرک کا انجھ نہیں بند کیا گیا تھا۔ اندر ہمراہ اچھلے لگا تھا۔ گرد و پیش کے مناظر تاریکی میں ڈوبتے جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہوائی اڈے کی خلاف سمت میں کسی کار کی بیٹھ لا یعنی نظر آئیں۔ ان کی روشنی پھسلتی ہوئی دو چار بار ٹرک پر بھی پڑی۔ کار کا ڈرائیور دوڑ ہی سے اس ٹرک کو راہ میں حائل

سے لوگ اسی طرف چل پڑے۔ انہیں دور سے بڑے بڑے تاریک سائے دکھائی دے رہے تھے جو بالائی میں ایک دوسرا سے پرداخت پیش کر الگ ہو گئے۔ اور کبھی کبھی ریوالوں کی چمک بھی نظر آجائی تھی شور کچھ عجیب تم کا تھا۔ ایسا شور نہ تھا۔ پھر انہوں نے سارا مکان چھان انہوں نے کبھی نہیں سناتھا۔ اسی شور میں انہیں کبھی کبھی کسی آدمی کی چینیں بھی سنائی دے جاتی تھیں۔ لیکن انہیں بھی کسی آدمی کا سراغ نہ مل سکا۔ حتیٰ کہ وہ بھی نہ ملا جسے وہ بیویش کر کے بیر ونی تھیں۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھتے رہے اُن کے ساتھ مسلح مخالفوں کی ایک ٹولی بھی تھی۔ لے میں ڈال آئے تھے۔

اوہر اُس بن مانس نے آخری آدمی کو بھی کھینچ کر سڑک پر ٹھنڈیا۔ اس کے بعد اس نے ”سنو....!“ فریدی نے حمید اور انور کو مخاطب کیا۔ ”اب ہمیں چپ چاپ یہاں سے چل کار سے کوئی دزني چیز اٹھائی اور جھپٹتا ہوا سڑک کے پاس آیا۔ دوسرا سے لمحے میں ٹرک بڑی تیزی پہاڑ پہنچا۔ برناڑ پہلے ہی الزام لگا چکا ہے کہ حمید زبردستی اس کے گھر میں گھس آیا تھا۔ ”اس کے الزام لگانے سے کیا ہوتا ہے۔“ ”حمدی بولا۔“ سے کچھ راستے پر ٹھر رہا تھا۔

”شاید تم یہ بھول چکے ہو کہ ہمارا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہو چکا ہے۔“ فریدی نظر آمیز ہوا۔ اُنہی کے علمہ نے تاریچیں روشن کر لی تھیں اور وہ تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے انہوں نے دوسرے دیکھا کہ عجیب الحلق تھا جاؤز ایک سیاہ رنگ کی کار پر چاروں طرف سے ٹوٹے پڑنے بھی بولا۔

وہ باہر نکل آئے۔ فریدی نے اپنی کار برناڑ کے بیٹکے سے کافی فاصلے پر کھڑی کی تھی انور نے ہیں۔ فاکر بند ہو گئے تھے۔ پہلے تو وہ کچھ خوفزدہ ہو گئے پھر مسلح مخالفوں نے رانفل کی باڑھ ماری تھیں درندے پیچنے ہوئے ڈھیر ہو گئے۔ ایک جو باقی تھا رہا تھا چیختا ہوا روشنیوں کی طرف چھا۔ انہی مuthor سائکل استارٹ کرنی چاہی لیکن وہ استارٹ نہ ہوئی۔ ”ورا تاریچ تو دیکھے گا۔“ انور نے فریدی سے کہا۔ دوسری باڑھ ماری گئی۔ اور وہ بھی لا کھڑا اتا ہوا گرا۔

گیراہ ایسے بن مانسوں کی لاشیں ان کے سامنے تھیں جن میں سے ایک کی تصویر وہ آج ہے۔ دوپہر کو استار کے مخصوصی خیسے میں۔ بکھر کچکے تھے۔ پھر انہوں نے چارڑی تھی آدمیں اس کو زمین سے اٹھایا جو بیویش تھے۔

”ورے.... یہ تو.... سفارت خانے کے لوگ ہیں۔“ کسی نے چیخ کر کہا۔ ”کون.... یو گو ملادوی سفیر کے اٹا شی۔“ کوئی دوسرا بولا۔

✿

فریدی دروازے پر جم گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان میں سے کوئی نکل کر جائے لیکن جوں کے بعد اسے حیرت ہونے لگی کیونکہ دروازے کی طرف کوئی بھی نہیں بڑھ رہا تھا۔ دھینگا مشتی کی آوازیں برابر جاری تھیں۔ اس نے سوچا کہ شاید حمید بھی شریک ہو گیا اور دوڑنا نہ مل کر انہیں الجھالیا ہے۔

فریدی آہستہ آہستہ کھلتا ہوا سونچ بورڈ کی طرف بڑھا اور روشنی کرو دی۔ انور اور حمید آپس میں گھٹے ہوئے تھے اور برناڑ ساتھیوں سمیت غائب تھا۔ وہ دوڑا

”لیکن کہ تم لوگوں نے بن مانس کے سلسلے میں لڑکاں جگلن کا نام کیوں لیا۔“ ”ہمول! اب تو تم بڑے خوش قسم تھے کہ انور کی نظر تم پر پڑ گئی ورنہ تم اس وقت دوسری

دنیا میں ہوتے۔ برناڑاں والے کے بعد تمہیں زندگی نہ چھوڑتا۔ ”
”مجھے خوشی ہوتی۔“ حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ ”کھوپڑی کا پچھلا حصہ پلپا ہو گیا ہے۔“ اس

کے بعد اُس نے بغیر پوچھے پوری داستان درہرا دی۔ ”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے آفس کی کوئی لڑکی بھی ان سے ملی ہوئی ہے۔“ فریدی بولا

”میرا یہ خیال نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”نرنے نے اُسے تعارف کرتے ہوئے اس کا پوا نام مس روز برناڑا بتایا تھا۔ لیکن میں نے اس وقت لفظ برناڑا پر غور نہیں کیا۔“

”غور کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔“ انور چھتے ہوئے لجھے میں بولا۔ ”ملازم اور نکتہ بہرمانہ حملہ کیا۔ اچاک وہ آگیا اور اس نے حمید کے سر پر گلدان کھینچا۔“

گوشت کا کوئی نام نہ ہوتا بھی وہ لذیذ ہی رہتا ہے۔“

”میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔“ حمید بگریا۔

”مجھ سے بات کرنے کی تم میں الجیت ہی نہیں۔“

”فضول باشیں کسی دوسرے وقت کے لئے اخہار کھو۔“ فریدی نے دخل اندازی کی۔ ”بھی میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم اس وقت چپ چاپ کسی ہوٹ میں جا ٹھہرو۔ اگر تمہارے سر چوٹ نہ ہوتی تو پھر تشویش کی بات نہیں تھی۔“

”کیسی تشویش میں کسی ہوٹ میں کیوں ٹھہروں۔“

”فرزندا برناڑ تھہاری رپورٹ ضرور کرے گا اور شاید یہ بھی لکھوائے کہ اس نے غصے: تمہیں زخمی کر دیا ہے تمہارے سر کا زخم شہادت دے گا اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ڈی۔ ایس ٹی سے ہمارے تعلقات اچھے نہیں۔“

”مگر میرے پاس کوئی سامان نہیں۔ کیا ہوٹ والوں کو شہمہ نہ ہو گا اور ایسی صورت میں: کہ میرے کوٹ پر خون کے دھبے بھی ہیں۔“

”کوٹ انور سے بدلو۔ فی الحال میں تمہیں ریلوے اسٹیشن پر چھوڑے دیتا ہوں تم وہاں ہسپتال میں جا کر اپنے زخم کی ڈرینک کراؤ۔ اس کے بعد وینگ روم میں اور کا انتقال کرنا تھہار اسماں لے کر آئے گا اگر میرا مخصوص اجازت نامہ منسون نہ ہوا ہوتا تو اس کی طریقہ نہ پیش آتی۔ خیر تم کمپیل میں قیام کرنا۔ بقیہ سب کچھ میں دیکھ لوں گا۔“

زیں وہ جن حالات سے گزر رہا تھا ان کا تقاضا یہی تھا کہ احتیاط کا کوئی پہلو نظر انداز نہ ہونے ائے۔ گھر پہنچ کر وہ حمید کے لئے ضروری سامان تھیک کرنے لگا۔ اتنے میں میلی فون کی گھنٹی بھی۔ زیدی انور کو برآمدے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تین چار منٹ تک فون پر کسی نہ لٹکتے رہنے کے بعد پھر انور کے پاس واپس آگیا۔

”دیکھا تھا۔“ اس نے انور کو مخاطب کیا۔ ”برناڑ نے رپورٹ کر دی ہے۔ جلدی شکافون نام مس روز برناڑ بتایا تھا۔ لیکن میں نے اس وقت لفظ برناڑ پر غور نہیں کیا۔“

”غور کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔“ انور چھتے ہوئے لجھے میں بولا۔ ”ملازم اور نکتہ بہرمانہ حملہ کیا۔ اچاک وہ آگیا اور اس نے حمید کے سر پر گلدان کھینچا۔“

”دیدہ دلیری پر حیرت ہے۔“ انور بولا۔

”برناڑ جانتا ہے کہ میرا مخصوص اجازت نامہ منسون ہو چکا ہے لیکن اس نے رپورٹ میں ہم دونوں کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ بھی اس کی ایک چال ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔“

انور فریدی کے چہرے پر فکر مندی کے آثار دیکھ رہا تھا۔

مہم

شہر میں سراسری گئی چیل گئی۔ اخبارات نے پچھلی رات والے بن مانسوں کے حملے کا حال اپنے شائع کیا تھا۔ یو گو سلااوی سفیر کا اتنا شی چند اہم کائنات لے کر اپنے ملک تک پہنچنے کے لئے اور ان لوگوں کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں اسے چند بن مانسوں نے گھیر لیا۔ اتنا شی اور اس کے دو ساتھی ڈرائیور سمیت اپنی مدافعت کرتے رہے۔ انہوں نے ان میں سے کئی بن مانس مار بھی کر کے ان کے ہوش میں تو کاغذات کا چرچی تھیلا محفوظ رہا تھا۔ لیکن اس جدوجہد کے دوران میں ”کوٹ انور سے بدلو۔ فی الحال میں تمہیں ریلوے اسٹیشن پر چھوڑے دیتا ہوں تم وہاں ہسپتال میں جا کر اپنے زخم کی ڈرینک کراؤ۔ اس کے بعد وینگ روم میں اور کا انتقال کرنا تھہار اسماں لے کر آئے گا اگر میرا مخصوص اجازت نامہ منسون نہ ہوا ہوتا تو اس کی طریقہ نہ پیش آتی۔ خیر تم کمپیل میں قیام کرنا۔ بقیہ سب کچھ میں دیکھ لوں گا۔“

”کیا ہوٹ والوں کو شہمہ نہ ہو گا اور ایسی صورت میں: حمید کو اسٹیشن چھوڑنے کے بعد فریدی گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے جلدی تھی

میں سے چار پر کسی قسم کے زخم نہیں پائے گئے۔ باقیہ سات کے جسموں پر کہیں گولی ضروری تھی۔ چار بن مانسوں کی موت کے اسباب تک نہیں معلوم ہو سکے۔ اخبارات نے یہ بھی لکھا رکھا کہ یہ بن مانس دیے ہی تھے جیسا کہ گذشتہ دن انپکٹر فریدی نے لڑکاں جنگل میں شکار کیا تھا۔

فریدی کو اس حیرت انگیز واقع کی اطلاع پہنچی رات ہی کو مل گئی تھی جب وہ حمید اور روز برناڑ والی خبر کی اشاعت رکونے کے لئے اخبارات کے دفتروں کے چکر لگاتا پھر رہا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ کسی اخبار میں بھی حمید کے خلاف لگائے گئے برناڑ کے الزاماً کے متعلق کچھ نہیں آیا تھا اور یہ سب کچھ فریدی کے ذاتی اثر و سونخ کی بناء پر ہوا تھا۔

صحیح صحیحہ سراغ رسانی کا ذمی۔ آئی۔ جی۔ فریدی کی کوئی بھی پہنچ گیا۔ رات بھی اس۔

بہ نفس نفس کئی چکر لگائے تھے لیکن فریدی سے ملاقات نہ ہو سکی۔

”آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ ذمی۔ آئی۔ جی۔ کہہ رہا تھا۔ ”اوپر والے ہمارے معاملات؛ بن کی تلاش عرفانی کے تالوں کو تھی۔“

ٹانگ اڑاتے ہیں اور پھر جب کوئی اس قسم کی واردات ہو جاتی ہے تو بھی ہم ہی سے جواب طلب کیا جاتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ ہمارا حکمہ سوتارہ تھا۔“

”پھر بھلا بتائیے ان آسمانی بلاوں کو ہمارا حکمہ کس طرح روک سکتا ہے۔“ فریدی بولا۔

”سہلا۔۔۔ بن مانس۔۔۔!“

”لاحوال والا قوہ۔۔۔ تم بھی دیسی ہی باتیں کرتے گے۔“ ذمی۔ آئی۔ جی۔ جھنجھلا گیا۔ ”تم چھپا رہے ہو۔ کیا کل تم نے دیا ہی ایک بن مانس نہیں شکار کیا تھا۔“

”کیا تو تھا۔۔۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس قسم کے بن مانس یوگو سلاوی سفارتخانہ میں ہو جاتا۔ خیر ہاں تم نے حمید کو کیوں چھپا دیا۔“

”اگر وہ ایک گھنٹے کے لئے بھی حالات میں گیا تو میرے لئے مر جانے کا مقام ہو گا۔ مصیبت سے بھی کچھ تعلق رکھ سکتے ہیں۔“

”مجھے بتاؤ۔“ ذمی۔ آئی۔ جی۔ نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”بوزف اور ازر۔۔۔ یہ ہے کہ اس کے سر پر زخم بھی موجود ہے اور دوسرا مصیبت یہ کہ ذمی۔ ایس۔ پی۔ می۔ غرصہ یہوئی کی لاشوں کے قریب انبیاء بن مانسوں کے بال پائے گئے تھے۔ پھر ان دونوں کے بوجا۔۔۔ اس تک میں ہے کہ اسے ہمارے خلاف مواد مل جائے اور یہاں کی میزادری مصیبت یہ ہے کہ میرا نے انگریزی سفارت خانے سے کچھ انہم کا غذات اڑائے۔۔۔ اور اب خود ان بن مانسوں کے خوشی اجازت نامہ منسوخ ہو چکا ہے۔“

”اس کی قلندرہ کرو۔ آئی جی صاحب خود بھی پیشیاں ہیں۔ میں کو تو اس کو ایک حکم نامہ بھیجیں۔“

”لماں ہوں کہ سرجنت حمید کا کیس مچکے کو ریفر کر دیا جائے۔ برادر راست کوئی کارروائی نہ ہو۔۔۔ اور کیلانہ برناڑ کو پہنچ ہی لیا جائے۔“

”سلاوی سفارت خانے کی ذاکر پر ڈاکر ڈاکر۔“

”آپ نے حمید کی بابت کچھ سنایا۔۔۔؟“ فریدی نے سوال کیا۔

”سنایا ہے لیکن اس بناء پر اسے کوئی اہمیت نہیں دی کہ رپورٹ برناڑ نے لکھوائی ہے۔“

فریدی اس کی لا علی میں کئی گھنٹے سے گیراج میں کچھ ٹھوک پیٹ رہا تھا۔ حمید نے اسے پہلے لئے میں خلاش کیا۔ پھر سوچا ممکن ہے باہر گیا ہو۔ وہ اسے دیکھتا ہوا گیراج تک گیا جس کادر واڑہ اندر بند تھا۔ حمید نے دستک دی۔ فریدی نے دروازہ ٹھوکا۔ وہ پسینے میں نہیا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میلے تھے۔ کپڑوں پر بھی ایک آدھ جگہ تیل کے تاریک دھبے نظر آ رہے تھے۔

”تمہاری ضرورت بھی تھی۔“ فریدی نے اسے اندر کھینچتے ہوئے کہا۔
”ارے ارے.... میرے کپڑے۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔

”صرف کفن نہ میلا ہوتا چاہئے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بقیہ سب چلتا ہے۔“

فریدی کی جیپ کار پر نظر پڑتے ہی حمید کامنہ جرت سے کھل گیا۔ جیپ کار کی بچھلی نشت کے دونوں اطراف میں مشین گئیں فٹ تھیں اور اب فریدی ان کے دھانوں کو چھوڑ کر بقیہ سے بڑے بڑے گدوں کے نیچے چھپا رہا تھا۔

”یہ کیا مصیبت ہے؟“

”تمہارے دردسر کا علاج لاڑکال جنگل میں خوبصورت لڑکیاں نہیں ملتیں۔“

”لاڑکال جنگل۔“ حمید برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”کیوں وقت بر باد کر رہے ہیں۔ یہ تاش کے پتے....“

”ایسا سر کی چوٹ بھول گئے۔ بھلا یہ کس سلسلے میں آئی ہے۔“
حمدید کچھ نہ بولا۔ فریدی تھوڑی دیر تک مختلف پہلوؤں سے جیپ کار کا جائزہ لیتا رہا پھر وہ دونوں گیراج سے باہر نکل آئے۔

”آج تو موسم بھی برا دلکش ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”خاصی تفریخ رہے گی۔“

”تو کیا اسی جیپ پر چلے کارا وہ ہے.... آخر مشین گن کیوں؟“

”بیٹھوں کا شکار کریں گے۔“ فریدی خشک لبجے میں بولا۔

”اللہ ہماری مغفرت فرم۔“ حمید نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ ”ہم بہت جلد تیری ہی طرف آنے والے ہیں۔“

ایک گھنٹے بعد ان کی جیپ شہر کی سنسان را ہوں سے گزرتی ہوئی مضافات کی طرف جا رہی تھی۔ فریدی نے دن بھر کی محنت سے اسے ایک اچھی خاصی اسلحہ بند گاڑی بنالیا تھا۔ اور اس کی بُری

”میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ مگر موس میں وہی ایک ایسا ہے جو اس وقت ہمارے سارے ہے اور شاید ہم اسی کے ذریعے وہاں تک پہنچ سکیں جہاں سے وہ بن ماں برآمد ہوتے ہیں۔“
”بن ماںوں کا مقابلہ بھی عجیب ہے۔“ ذی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ ”بچھلی رات سات تو گلے سے مرے ہیں اور چار کی موت نہ اسرا رہے۔ کیونکہ انہیں گولیاں لگی ہی نہیں اور ایک کے مقام پر کیا بیان ہے کہ اس پر گولیوں کا شہری نہیں ہوا اور غالباً وہی مزک بھی ذرا بیور کر رہا تھا۔“
”اور وہی ایک بن ماں نہیں معلوم ہوتا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”کیوں.... کیا مطلب....؟“

”اس لئے کہ وہ گولیوں سے نہیں مرے اور وہی ڈاک کا تھیلا لے گی۔“

”اور ان کے متعلق کیا کہو گے جو گولیوں کے بغیر ہی مر گئے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔

سڑ جنٹ حمید کچھیل ہوٹل سے گھروپیں آگیا تھا لیکن اسے اپنی زندگی تبلیغ محسوس ہوا تھی۔ کیونکہ بر بارڈ اب بھی بے خوف و خطر آزادانہ پھر رہا تھا۔ وہ بڑی شدت سے اندر ہی ادا جلس رہا تھا۔ اس کا بس چلا تو وہ اسے مار ہی ڈالتا۔ لیکن اس نے کم از کم روزا بر بارڈ سے تو اتنا لینے کی ٹھانہ ہی لی تھی۔ اس سلسلے میں اس کی نظر انتخاب قاسم پر پڑی لیکن وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکیونکہ قاسم پر لے سرے کا یو قوف تھا اور اسے وقتی طور پر بھی عقلمند بنا دیا۔ کم از کم اس کے بیان روگ نہیں تھا۔

وہ دوں بھرنی نئی اسکیمیں سوچتا رہا اور شام ہوتے ہی قاسم کی طرف چل پڑا۔ لیکن قاسم پر موجود نہیں تھا۔ اس کی بیوی نے بتایا کہ وہ دو دن سے غائب ہے شاید یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ ادا لوں کو اطلاع دیے بغیر اس طرح غائب ہو گیا تھا۔

حمدید ناکام واپس لوٹا۔ گھر پہنچ کر وہ نئے منصوبے بنانے لگا۔ آخر اس نے سوچا کیا کہ کسی میک اپ میں قسم آزمائی کی جائے لیکن معاملات چونکہ بہت زیادہ الجھے گئے تھے اس نے بھی مناسب سمجھا کہ فریدی کی رائے بھی معلوم کر لی جائے۔ ورنہ ممکن ہے بعد کو وہ اپنی کو تکاہی کا الزام اسی کے سر منڈھو دے۔

میں چاروں طرف چھوٹی چھوٹی سرچ لا شیں فٹ کر دی تھیں۔ جو فی الحال روشن نہیں تھیں
برضوع بدل دیا۔

”بِسْرَ اللّٰهُ...!“ فریدی خندی سانس لے کر بولا۔ ”میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس ڈرامے میں

آپ جنگل میں تو گھس نہ سکیں گے۔“ حمید بولا۔

اس کا کیا دل ہے۔“

”وہ کسی پر اسرار قوت کا مالک ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”مجھے آج تک اس کے علاقے اور کسی

آدمی سے خوف نہیں محوس ہوا۔“

”مجھے وہ ملاقات اچھی طرح یاد ہے۔“ فریدی بولا۔ ”لیکن مجھ پر اس کی شخصیت کا کوئی اثر
نہیں ہوا تھا۔“

”آپ خود ہی اپنا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔“ حمید نے جل کر کہا۔

”غلط نہیں کرتا۔“

”آدمی کو کبھی کبھی کسر نفسی سے بھی کام لینا چاہئے۔“

”نفسہ بھی پینا چاہئے۔“ فریدی برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”میری کسر نفسی سے مجھے یاد و سروں کو
کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ سو اس کے کہ میری کسر نفسی کے متین لوگوں کے غرور کی تھوڑی سی
تکین ہو جائے۔“

”آپ مغرور ہو گئے ہیں۔“

”وہی دو سکے والی بات۔“ فریدی نے خنک لبجے میں کہا۔ ”جب میرے غرور سے تمہارے

غرور کو مھیں لگتی ہے تو تم مجھے مغرور کہہ دیتے ہو۔“

”میں تو فی الحال آپ کو لا چار اور مجبور سمجھتا ہوں۔“ حمید نے چڑھانے والے انداز میں

قہقہہ لگایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ جیپ کار شہر سے بالی کیپ جانے والی سنان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

آسمان ابر آکو ہونے کی وجہ سے تاریکی بڑھ گئی تھی۔ حمید بہت کچھ بکنا چاہتا تھا لیکن اس نے

اندازہ لگایا تاکہ فریدی زیادہ گفتگو کے موذ میں نہیں ہے۔

لوكال جنگل کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور مختلف قسم کی آوازیں جیپ کے شور کے باوجود بھی

ان کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔

”فریدی صاحب۔“ حمید بولا۔ ”اگر وہ ہوں گے بھی تو جنگل کے کسی دشوار گزار حصے میں۔“

”اوہ.... ٹھیک ہے جس پر وہ کول تار والی فیکٹری ہے۔“

”ٹھیک ہی.... بس آج ہم اس سڑک کی پیمائش کریں گے اگر کہیں تمہیں بٹھیں دکھائیں دیں تو مشین گنوں کے سوچ آن کر دینا۔“

”اوہ ہو.... کیا آپ کو توقع ہے کہ وہ بن ماں وہیں رہتے ہوں گے۔“

”پتہ نہیں.... یہ تو میں نے اختیاط۔“

”ذرایہ تو سوچئے۔“ حمید نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”اگر اس جنگل میں ایک بھی ویسا
خفاک بن ماں ہو تو اس کم کو لدار فیکٹری والے ضرور ہٹا جاتے۔“

”تو فرزندیہ بھی ناممکن ہے کہ اتنی تعداد میں وہ درندے شہر ہی کے کسی حصے میں مقیم ہوں۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ بن ماں بہت زیادہ غل غماڑہ چاٹتے ہیں۔ اگر
وہ اس جنگل ہی کے کسی حصے میں ہوتے تو اس کم بالی کیپ والی سڑک سے گزرنے والے یا کولار
فیکٹری کے لوگ بھی تو ان کی آواز سنتے۔“

”بھی حق پوچھو تو یہ معاملہ ابھی تک میری سمجھ میں آیا ہی نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”یو گو سلاوی سفیر کے اتنا شی کو جو واقعہ پیش آیا ہے اپنی نویعت کے اعتبار سے بحیب ہی نہیں
بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے ایک بن ماں کا شہر کی سڑکوں پر سڑک ڈرائیور کرنا وہ بھی اس

چاہکدستی سے کہ کہیں کوئی حداثہ نہیں پیش آیا۔ پھر حملہ کر کے واک کا تھیلا لے بھاگنا۔ آخر
دوسرے بن ماں اتنے احتق کیوں تھے کہ وہ نہیں بھاگے۔“

”اور کچھ اُن سے بھی زیادہ احتق تھے جو خود بخود مر گئے۔“

”سڑک ڈرائیور کرنے والا تو سو فیصدی آدمی تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور اس نے بن ماں کی
کھال کے بیچ بلٹ پروف گار کئے تھے۔ بھی وجہ ہے کہ اس پر گولیوں نے اڑ نہیں کیا۔“

”آج کل آپ جرالڈ شاستری کو بیری طرح نظر انداز کر رہے ہیں۔“ حمید نے اتنا کہا۔

”آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔“ حمید اتنا کر بولا۔

”یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آج ان کے ارادے کیا ہیں۔“

”اگر نکلن گئے تو۔“

”مجھے یقین ہے کہ یہ کسی صورت سے نہیں فتح کسکتے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”مجھے ان کا شکر

زار ہونا پاہنچے کہ انہوں نے مجھ سے جنگل کی خاک نہیں چھوٹائی۔“

”اگر آپ نے انہیں مار لیا تو ان کے ٹھکانے کا پتہ کس طرح چلے گا۔“

”لبیں ایک کو زندہ چھوڑتا ہے اُسے جوڑک ڈرائیور کر رہا ہے۔“

”آپ کا خیال ہے کہ وہ بن مانس کی کھال میں کوئی آدمی ہے اور اُس نے کھال کے نیچے بلٹ پروف لگا کر ہے۔ اگر صورت حال یہی ہے تو وہ لا محلا نجیج جائے گا۔“

”غیر یہ تو کوئی بات نہیں۔“ مشین گن کی گولیاں ایک مخصوص فاصلے سے بلٹ پروف کے باپ کے بھی پر خیچے ازادی تی ہیں۔“

”مشین گنیں تو میرے خیال سے بالکل ہی بیکار ثابت ہوں گی۔“ حمید نے کہا۔ ”کیونکہ

آپ نے انہیں ادھر اور ہرف کر رکھا ہے۔ اگر انہوں نے سامنے سے ہم پر حملہ کر دیا تو۔“

”ہمارے پاس دو عدد برین گن بھی ہیں فرزند۔“ فریدی پر سکون لبجے میں بولا اور حمید خاموش ہو گیا۔

اس کا ذہن پر آنندگی کا شکار ہو گیا تھا۔ خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس نے اسے کہ کہیں وہ

ٹرک انہیں دھوکے میں رکھ کر کسی اور طرف نہ نکل جائے۔

اگلہ ٹرک شہر کی طرف مڑ گیا۔

”چھپلے حصے میں بھی بن مانس ہی ہوں گے۔“ حمید بولا۔

”کثیر تعداد میں....!“ فریدی نے کہا۔ ”کیا تم نے دیکھا نہیں تھا۔“

”نہیں... میں نہیں دیکھ سکا۔“

پھر خاموشی ہو گئی۔ تعاقب برابر جاری رہا۔ فریدی نے شہر جانے والی ٹرک پر بھی جیپ کا رکنی ہیڈ لائنس نہ روشن کیں۔ ٹرک یوں بھی سنسان تھی اس لئے اس میں بھی کوئی خاص دشواری نہیں ہو رہی تھی.... اچاک فریدی نے محسر کیا کہ وہ ٹرک خود بھی ایسی ٹرکوں کو

”مجھے کب اس سے انکار ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہم تو صرف سڑک ناپنے جا رہے ہیں۔“ بن مانس جو ہماری کپکاؤٹھی میں گھسا تھا کیا ہمارا پتہ پوچھتا ہوا آیا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ اُسے کوئی آدمی وہاں تک لایا ہو گا۔ اگر وہ بن مانس ٹرک استعمال کرتے ہیں تب تو انہیں یقیناً اسی ٹرک سے گزرا پڑتا ہو گا۔“

”اوہ نہہ باریے گولی امیں تو شدت سے بور ہو چکا ہوں۔ ذرار فتار کم کیجیے۔ پاپ سلگاؤں گا۔“

فریدی نے رفتار کم کر دی اور حمید پاپ سلگاؤں لگا۔

اُن کے سامنے بہت دور سے کسی موڑ کی ہیڈ لائنس نظر آرہی تھیں۔

فریدی نے جیپ کی رفتار پھر تیز کر دی۔ سامنے سے آنے والی موڑ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ ایک جگہ جیپ کا رکنی ہیڈ لائنس پر آئی تھی کہ اُس کی ہیڈ لائنس کی روشنی سامنے سے آنے والی موڑ کے دنڈا سکرین پر پڑی اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ ڈرائیور کی سیٹ پر وہی عجیب الائقت درمنہ بیٹھا ہوا تھا۔

”خاموش....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔

ٹرک تیزی سے جیپ کے قریب سے نکل گیا۔ فریدی نے اپنی گاڑی روک دی اور مژک دیکھنے لگا۔ ٹرک کی پچھلی سرخ روشنی دور ہوتی جا رہی تھی۔ جب فاصلہ کافی زیادہ ہو گیا تو فریدی نے بھی جیپ اسی طرف موڑ لی۔ اس کی ہیڈ لائنس بجھادی تھیں اور اب انہیں میں آگے جانے والے ٹرک کا تعاقب شروع ہو گیا تھا۔

”کیا بٹنوں کے شکار کا وقت قریب آگیا ہے۔“ حمید آہستہ سے بڑا بڑا۔

”ذرا صبر کرو۔“

حقیقتاً وہ لمحات حمید کے لئے بڑے صبر آزماتھے۔ اگر اس وقت اسٹریک گ اس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اتنے فاصلے سے تعاقب کرنے کی بجائے ٹرک کے پہلو میں ہوتا اور جیپ کے ایک طرف کی مشین گن گولیاں اگل رہی ہوتی۔

اُدھر فریدی سوچ رہا تھا کہ کاش اس وقت جیپ کی بجائے کیڈی لاک ہوتی۔ اسے خدا شکا کے جیپ کے اجنہ کی آواز ٹرک والوں کو ہوشیار نہ کر دے۔ اس بات کا تو اسے یقین تھا کہ ٹرک ڈرائیور نے والا درندے کے بھیں میں کوئی آدمی ہی ہے۔ جیپ کا اندر ہیرے میں فرائٹ بھرتی رہی۔

نظر انداز کر رہا ہے جن پر اتنی رات گئے بھی ٹریک کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا۔

پکھ دیر بعد جب وہ ٹرک ایک عمارت کے سامنے رک گیا تو حمید کو اپنادل کھوپڑی میں دھمکتا ہوا محسوس ہونے لگا..... یہ جیر اللہ شاستری کی کوئی تھی تھی۔

فریدی نے کافی فاصلے پر اپنی جیپ کار روک دی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں برین گنیں لے رکے بلکہ بہتوں کی چینیں بھی نکل گئیں..... ایک طویل القامت بن ماں جس نے اپنے ہاتھ میں کوئی دفعی چیز لٹکار کی تھی پھاٹک سے نکل کر نہایت اطمینان سے ٹرک کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ٹرک سے طویل القامت اور مہیب سائے اترنے شروع ہو گئے تھے پھر وہ سب سلاخوں دار لوگ ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

پھاٹک پر چڑھ چڑھ کر جیر اللہ کی کوئی کمپاؤڈ میں داخل ہونے لگے۔

ٹرک چل پڑا اور کسی میں بھی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ کسی قسم کی مراحت کرتا۔ حمید نے ٹرک کو دیکھا لیکن کوئی اقدام نہ کر سکا۔ بعض اوقات فریدی کے اس طرح کے اکاٹاں اُسے شدت سے کھل جاتے تھے۔ اس نے ٹرک کا تعاقب نہ کیا۔ لیکن کم از کم وہاں سے چلانا اُس کی مجسم طبیعت کے بر عکس تھا۔ وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بڑی طرح بے چین تھا کہ جیر اللہ پر کیا گزری۔ فریدی نے اُسے صرف ٹرک کا تعاقب کرنے سے منع کیا تھا یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ وہاں سے چلا آئی جائے۔ بہر حال حمید نے وہاں ٹھہر جانے کا جواز پیدا کر کے جیپ اشارت کر دی اور ٹھیک اسی مجمع کے قریب آکر رکالوگوں کی دانست میں شاید وہ بن ماں ایک ہی تھا جو ٹرک پر جا پکھا تھا۔ حمید اپنے ہاتھ میں برین گن لئے ہوئے جیپ سے اتر آیا۔

دفتاً پھاٹک پر پھر دو مہیب سائے دکھائی دیے جو بند پھاٹک پر چڑھ کر باہر آنے کی کوشش کر رہے تھے لوگ چینیں مار کر بھاگنے لگے۔

فریدی آگے کیوں نہیں بڑھتا۔ فریدی اب اسی حالت میں اگلا نظریہ کیوں نکر قائم رہ سکتا تھا۔

جیر اللہ سے ضرور ہے لیکن اب اسی حالت میں اگلا نظریہ کیوں نکر قائم رہ سکتا تھا۔

شور بڑھتا گیا۔ فارزوں کی آوازیں بھی بدستور آرہی تھیں۔ قرب وجوار کی عمارتوں کی کھڑکیوں میں رفتہ رفتہ روشنی نظر آنے لگی تھی۔

”تم جیپ پر واپس جاؤ۔“ فریدی نے حمید سے کہا اور حمید شاید انکار ہی کرنے والا تھا کہ فریدی پھر بولا۔

”جو میں کہوں وہ کرو.... اگر وہ ٹرک پل پڑے تو ہرگز تعاقب نہ کرنا۔ جاؤ۔“

حمدید نے بے چول وچرا تعمیل کی۔ حالانکہ اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔

فریدی آہستہ آہستہ ٹرک کی طرف رینگنے لگا۔

قرب وجوار کے لوگ بھی بیدار ہو کر گھروں سے نکلنے لگے تھے۔ فریدی ٹرک کے قریب

نہیں کر سیدھا ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ اس کے پچھلے حصے میں تھا۔

ٹرک پر کھڑے ہوئے لوگ پہلے تو سمجھ ہی نہ سکے کہ شور کہاں ہو رہا ہے۔ ان میں سے بہرے جیر اللہ کے لٹکے لیٹی آر تھر کی آواز بخوبی پہچانتے تھے۔ انہوں نے اس کی چینیں سین اور

صاف پہچانیں۔ پھر وہ پھاٹک کی طرف بڑھ رہے تھے کہ انہیں اچانک رک جانا پڑا۔ وہ نہ صرف رکے بلکہ بہتوں کی چینیں بھی نکل گئیں..... ایک طویل القامت بن ماں جس نے اپنے ہاتھ میں کوئی دفعی چیز لٹکار کی تھی پھاٹک سے نکل کر نہایت اطمینان سے ٹرک کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ٹرک سے طویل القامت اور مہیب سائے اترنے شروع ہو گئے تھے پھر وہ سب سلاخوں دار

لوگ ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

ٹرک چل پڑا اور کسی میں بھی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ کسی قسم کی مراحت کرتا۔

حمید نے ٹرک کو دیکھا لیکن کوئی اقدام نہ کر سکا۔ بعض اوقات فریدی کے اس طرح کے

اکاٹاں اُسے شدت سے کھل جاتے تھے۔ اس نے ٹرک کا تعاقب نہ کیا۔ لیکن کم از کم وہاں سے

چلانا اُس کی مجسم طبیعت کے بر عکس تھا۔ وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بڑی طرح بے چین تھا کہ جیر اللہ پر کیا گزری۔

فریدی نے اُسے صرف ٹرک کا تعاقب کرنے سے منع کیا تھا یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ وہاں سے چلا آئی جائے۔ بہر حال حمید نے وہاں ٹھہر جانے کا جواز پیدا کر کے جیپ اشارت

کر دی اور ٹھیک اسی مجمع کے قریب آکر رکالوگوں کی دانست میں شاید وہ بن ماں ایک ہی تھا جو ٹرک پر جا پکھا تھا۔ حمید اپنے ہاتھ میں برین گن لٹکاں اگل رہی تھی۔

دو گلی اور حمید اُسے دوبارہ لوڈ کرنے لگا۔

بھاگتے ہوئے لوگ ٹھہر گئے لیکن وہ دور کھڑے ہوئے تھے۔ حمید ان کی طرف ٹڑا۔

”مجھے ایک دلیر آدمی چاہے۔“ حمید نے کہا۔

”آپ کون ہیں۔“ مجمع میں سے کسی نے پوچھا۔

”پولیس...!“

ستانا چھا گیا۔.... تھوڑی دیر بعد ایک آدمی مجمع سے نکل کر حمید کی طرف بڑھا۔

”پولیس....!“

”اب آئی ہے پولیس.... کسی کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں۔ کیا ہورہا ہے اس شہر میں؟ پولیس سورہ ہی ہے۔ میں بر باد ہو گیا۔“

”کیا لے گئے کچھ بتائیے بھی تو۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔

”میری بدھ کی مورتی.... ٹھوس سونے کی تھی۔ دس سیر وزن....!“
”اوہ....!“

”اس پر میں نے سیاہ بینٹ کر ادیا تھا تاکہ وہ محفوظ رہ سکے۔“

”کوئی جانتا تھا! اُس کے متعلق۔“

”کوئی بھی نہیں.... حتیٰ کہ میرے لڑکے کو بھی اس کا علم نہیں۔“

”آپ کا لڑکا اس وقت کہاں ہے۔“

”آہ! یعنی.... میرا بھی۔“ جیر اللہ بے تحاشا چیخنا۔ یعنی بیٹے تم کہاں ہو۔“

وہ پاگلوں کی طرح اندر بھاگ گیا۔

حمدید نے فوجی کو اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

اندر انہیں بن مانس کی آٹھ لاشیں ملیں۔ یعنی ایک کمرے میں بیہوش پایا گیا۔ اس کے باقی میں بھی رکھنے والی ہوئی تھی اور منہ سے خون بہر رہا تھا۔

جیر اللہ نے اٹھا کر ایک صوفے پر ڈال دیا۔

حمدید درندوں کی لاشوں کو ٹھوٹل پھر رہا تھا۔ فوجی بھی اس کے ساتھ تھا۔ اچانک حمید کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور فوجی چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

حمدید ایک درندے کے تلاویں کو ٹھوٹل پھر رہا تھا۔ جن میں چڑے کے تسمے کے ہوئے تھے۔ حمید نے تسمے کو ٹھوٹل ڈال کھال ڈھیلی پڑ گئی اس نے اسے اوپر کی طرف کھینچا۔ کسی آدمی کا پنجہ باہر نکل آیا۔ ”ارے....!“ فوجی اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”ذرو نہیں دوست! اس کی کھال اتارنے میں میری مدد کرو۔“ حمید بولا۔

قوڑی سی جدو جہد کے بعد وہ اس آدمی پر سے بن مانس کی کھال اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ایک ایسے شخص کی لاش تھی جسے ہر آدمی اچھی طرح پہچانتا تھا۔ برناڑا ان کے سامنے

”آپ کیا چاہتے ہیں۔“ اُس نے حمید سے پوچھا۔
”ہم اندر چلیں گے۔“ حمید بولا۔

”خطرناک ہے۔“ اُس آدمی نے کہا۔ ”میں نہتا ہوں۔“

”فکر نہ کیجئے۔“ حمید نے جیب کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اُس نے اس میں سے اپناریوالہ نکالا اور برین گن اُس آدمی کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔ ”خطرے کے وقت اس ٹریکر کو دباتے ہے جائیے گا۔“

”میں جانتا ہوں.... فوج میں رہ چکا ہوں۔“ اُس آدمی نے کہا۔

”تب تو اور بھی اچھا ہے.... آئیے۔“

حمدید آگے بڑھ کر چانک پر چڑھ گیا۔ اس کے پیچھے وہ فوجی تھا۔ برآمدے میں پیچنے انہوں نے پھر ایک فائز کی آواز سنی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اندر سے بھاگتا ہوا برآمدے طرف آ رہا ہو۔

دروازہ کھلا اور کوئی دھڑام سے فرش پر آ رہا۔ برآمدے میں اندر ہرا تھا۔ حمید نے لا روشنی کی جیز اللہ شاستری تھا۔ حمید اُسے اٹھانے کے لئے بڑھ ہی رہا تھا کہ فوجی کے ہاتھ میں ہوئی برین گن کا رخ دروازے کی طرف مڑ گیا۔ ساتھ ہی دو شعلے نکلے اور ایک درندہ چیختا ہوا جیر شاستری پر ڈھیر ہو گیا۔ اگر حمید آگے بڑھ کر جیز اللہ کو اُس کے پیچے سے کھینچ دیتا تو شاید اُس توڑتے ہوئے وحشی نے اُس کے پر چنے اڑا دیے ہوتے۔

ایک لامٹاہی سناتا۔

سردک پر کھڑے ہوئے آدمیوں کی آوازیں آنی بند ہو گئیں تھیں۔

قوڑی دیر بعد جیز اللہ کو ہوش آگیا۔ اُس وقت حمید نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر خوفزدہ بیچ کے چہرے کی کیفیتیں طاری تھیں اس کی آنکھوں اور چہرے کے خدا خال میا ربط اور کافی ہم آنگک تھی۔

”لے گئے۔“ وہ بچوں کی طرح چیخا۔ ”میری زندگی لے گئے.... میں لٹ گیا۔“

”کیا لے گئے؟“ حمید نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”تم کون ہو....؟“

”تو یہ سب بھی....!“ فوجی ہکلا کر رہ گیا۔

”دیکھتے ہیں.... ہو سکتا ہے۔“ حید نے کہا اور پھر اُس نے جیر اللہ کو آواز دی۔ وہ دوسرے میں تھا۔ آواز سننے ہی باہر نکل آیا۔

”اے پہچانے ہیں آپ۔“ حید نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔

”کیوں.... ارے۔“ جیر اللہ بوکھلا کر بولا۔ ”یہ تو بردار ڈھنگ ہے.... اسے کیا ہوا؟“

”یہ بھی انہیں درندوں میں تھا.... یہ رہی اس کی کھال اور شاید آپ ہی کی گولی کا نشانہ بنا ہے۔“

”مگر.... میں نے دھوکے میں مارا.... یہ جرم نہیں ہے.... میں نہیں جانتا تھا۔“ جیر اللہ کے لمحے میں بدحواسی تھی۔

وہ پھر بولا۔ ”کیا یہ سب آدمی ہی ہیں۔ اُف! بردار ڈھنگ کا بھیدی۔ شاید وہ مورتی کا راز جانتا تھا۔“ کی کہانی ان کی ہی اُنچ تھی۔

حید کوئی جواب دینے کے بجائے پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اس نے اندر کی ساری لاشیں دیکھیں۔ باہر کی تینوں لاشوں کا بھی جائزہ لیا۔ وہ سب بن مانس ہی تھے۔ ان میں سے ایسے بھی تھے جن کے گولی نہیں لگی تھی۔ لیکن وہ بے جان تھے۔



دوسرے دن شہر کے گلی کوچوں میں فوج کے مسلح دستے گشت کر رہے تھے اخبارات۔ بہت شور پھیلا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ جیر اللہ اپنے علمی تجربے کی بناء پر ہر طبقے میں احترام کی نظردا سے دیکھا جاتا تھا۔ اُس کا اس بے دردی سے لٹ جانا لوگوں کی نظرؤں میں کافی اہمیت رکھتا تھا۔ اخبارات نے حکام سے پرواز اپیل کی تھی کہ اس پر اسرار دہشت انگریزی کا سد باب کرنے کے لئے کوئی مناسب قدم اٹھایا جائے۔

ملکہ سراج رسانی کے دفتر میں آفسروں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ حید ابھی ابھی چھپلی ران کے واقعہ دہرا کر بیٹھا تھا کہ آئی۔ جی نے اس سے سوال کیا۔

”اور فریدی کہاں ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ وہ مرک کے تعاقب میں تھے۔“

”اس وقت کہاں ہے۔“

”میں بھی تک واپسی نہیں ہوئی۔“

”کیا یہ تھے کہ بردار نے تم پر ناجائز باؤڈال کر کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”جی ہاں.... درست ہے.... وہ مجھ سے لڑکاں جنگل کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا۔“

”لڑکاں جنگل کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتا تھا۔“ آئی۔ جی نے جھنجلا کر کہا۔ ”جو کچھ

تمہیں معلوم ہے بیان کر جاؤ۔“

”فریدی صاحب نے وہ بن مانس گھر پر ہی شکار کیا تھا۔“

”میں....؟“ آئی جی کے لمحے میں حیرت تھی۔

”جی ہاں! گھر پر ہی! لیکن وہ ایک ہی تھا اور اسے ہمارے کتوں نے گھیر لیا تھا۔ پھر فریدی

صاحب نے اسے گولی مار دی۔ اسٹار کا ضمیر ان کی خواہش کے مطابق شائع ہوا تھا اور لڑکاں جنگل

وہ پھر بولا۔ ”کیا یہ سب آدمی ہی ہیں۔ اُف! بردار ڈھنگ کا بھیدی۔ شاید وہ مورتی کا راز جانتا تھا۔“

کی کہانی ان کی ہی اُنچ تھی۔

”آخر کیوں! لڑکاں جنگل کا نام کیوں لیا گیا تھا۔“ آئی جی نے بھنوں سکون کر پوچھا۔

”بردار ڈھنگی مجھ سے یہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے اس کا علم ہی نہیں تھا۔ میں اسے کیا بتاتا۔“

”تمہیں اس کا علم نہیں۔“ آئی۔ جی نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی نہیں.... وہ بہتری بتاتی مجھے بھی نہیں بتاتے۔“

تم نے اس سے پہلے بھی کبھی بردار ڈھنگ کو جیر اللہ کے مکان پر دیکھا تھا۔

”جی ہاں.... ایک بار جب ہم جوزف پیٹر کے معاملے میں پوچھ گئے کرنے گئے تھے۔“

”تو ہوڑی دیر تک خاموش رہی پھر آئی جی نے سوال کیا۔“

”تمہیں فریدی کی طرف سے کچھ بدایات تو ملی ہی ہوں گی۔“

”جی نہیں! وہ مجھے اپنی اسکیوں سے بن تھوڑی ہی دیر پہلے آکا ہے۔“ کچھی رات

بہم الگ ہو رہے تھے تو انہوں نے مجھ سے اتنا ہی کہا تھا کہ میں نہ ٹھہروں۔“

آئی۔ جی جھلاہٹ میں ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑ کر بولا۔ ”بس اسی بناء پر میں نہیں چاہتا تھا

میرے کیس اسے سونپا جائے۔“

”ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہو۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے آہستہ سے کہا۔

”اگر آیا بھی ہو تو کیا ہو سکتا ہے جب کہ میں علم ہی نہیں کہ وہ کہر جا رہا ہے اور کیا کرنا

"تمہیں اس کے علاوہ اور آتا ہی کیا ہے۔" رشیدہ سر دلچسپ میں بولی۔
"کیوں نہیں! مجھے یہ قوف بننا بھی آتا ہے۔"
"برنارڈ کی موت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔
"اچھا خیال ہے۔ خدا تمہیں بھی ایسی ہی موت نصیب کرے۔"
"مت بکو۔"

"میرا مطلب یہ تھا کہ اس نے کھال کے نیچے کپڑے نہیں پہن رکھتے۔"
"حید بد تمیزی نہیں۔ ورنہ تمہارے کان اکھاڑوں گی۔"

"کانوں کے بغیر بھی اچھا لگوں گا شاید اس کے بعد تم مجھ سے شادی کر سکو۔"
"تم بہت بیودے ہو گئے ہو میں فریدی صاحب سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

"فریدی صاحب کو بن مانسوں نے مار ڈالا۔ وہ انہیں اپنی قوم کی ایک لڑکی پیش کر کے فرزندی میں لینا چاہتے تھے لیکن فریدی صاحب نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں کالی نوں: اُس نے ہاتھ پر مارنے شروع کر دیے۔ دفعتاً آبی جانور اُس پر بھکا۔ حید نے پھر جنی ماری مبنج استعمال کرتا ہوں۔"

"بکے جاؤ پاگلوں کی طرح...!" رشیدہ چڑھ کر بولی۔
حید تھوڑی دیر تک اُسے چھیڑتا رہا پھر وہاں سے بھی اٹھ کر چلا آیا۔ اُس کی آلتاہت ہو؟ ہاتھ جاری تھی۔ فریدی نے اُسے بڑی شدت سے بور کیا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب وہ کی دن۔ لئے غائب ہو گیا۔

پھر سوچا ممکن ہے اب واپس ہی آگیا ہو۔ وہ گھر کی طرف چل پڑا۔ رات ہو گئی تھی۔ خازن معمول کپاٹنڈ کا چھائیک کھلا ہوا تھا اُس نے موڑ سائکل کی رفتار کم کر دی۔ چھائیک سے گذر سیدھا گیران کی طرف آیا۔ اُسے جیرت تھی کہ آج رکھوائی کرنے والے ایشمن بھی نہ بھوکے۔ پھر اُسے ایک عجیب قسم کی بوکا احساس ہوا اور اس کے نھتوں میں جلن ہونے لگی۔ اُنے چوک کر برآمدے کی طرف دیکھا اور اُسے نوکروں پر تاؤ آنے لگا کہ کم بخنوں نے برآمدہ میں اندر ہرا کیوں کر رکھا ہے۔ اُس نے موڑ سائکل وہیں چھوڑی اور نوکروں کے نام لے لے ٹھانگیں کر رکھا ہے۔ اس کا احساس قطعی نہیں تھا۔ ہوا کے دھڑاتا ہوا برآمدے کی طرف بڑھا۔

"کیا ہو گیا ہے ان کم بخنوں کو کوئی بولتا ہی نہیں۔" وہ بڑا تا ہوا برآمدے میں داخل ہے۔

پھر دروازے کے قریب سوچ ٹھوٹ رہا تھا کہ کسی نے چچھے سے اُس کی گردان پکڑ لی۔ حید نے پلٹنا چاہیں گرفت مضبوط ہو گئی اُس نے کوشش کی کہ حملہ آور کو پیٹھ پر لاد کر ٹھوڑے۔ لیکن دوسرا ہی لمحے میں اُس کے منہ سے جیخ نکل گئی۔ حملہ آور کے ہاتھ بڑے اور گھنے باوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ برآمدے میں پھیلی ہوئی تاریکی اور زیادہ گہری ہو گئی۔

خوفناک تجربے

حید کو ہوش آیا تو اُس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ ڈوب رہا ہو۔ اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔ چاروں طرف پیلا ہٹ نظر آرہی تھی۔ کسی آبی جانور کا تاریک سایہ اُس کا تعاقب کر رہا تھا اُس کے حلق سے پھر ایک گھنٹی گھنٹی سی جیخ نکل۔ اُس نے ہاتھ پر مارنے شروع کر دیے۔ دفعتاً آبی جانور اُس پر بھکا۔ حید نے پھر جنی ماری مبنج استعمال کرتا ہوں۔" دراچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ تاریک سائے نے اُسے کپڑا کر پھر تھہ میں گردایا۔

حید کو پوری طرح ہوش آگیا۔ کوئی آدمی اُسے دیوچھے ہوئے تڑپے پھر کئے سے روک جیسے چھیڑتا رہا پھر وہاں سے بھی اٹھ کر چلا آیا۔ اُس کی آلتاہت ہو؟ ہاتھ جاری تھی۔ فریدی نے اُسے بڑی شدت سے بور کیا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب وہ کی دن۔ لئے غائب ہو گیا۔

"کون ہوتا ہے؟" حید حلق کے بل چینا۔

"میں ہوں پیارے.... تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے۔" اُس نے جواب دیا اور حید ہڑپا کر اٹھ بیٹھا۔ "آپ....!" وہ آنکھیں مل کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ "کتنی بار پوچھو گے۔" فریدی کے ہونٹوں پر مسکرا ہٹ تھی۔ "آخر اس مذاق کا کیا مطلب۔"

"میں نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کس قسم کا مذاق کیا گیا ہے۔"

حید بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ اپنے گھر کے کسی کمرے میں نہیں تھے اور یہ کہ اُنہیں کوئی تھا جس میں نہ کوئی دروازہ تھا اور نہ کھڑکی اور گھنٹن کا احساس قطعی نہیں تھا۔ ہوا کے ساتھ ہی ایک عجیب قسم کی خلکی بھی موجود تھی۔

"ہم کہاں ہیں.....؟" حید فریدی کو گھوڑ کر بولا۔

نری بولا۔

”ایک چیز مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے۔ آخر برناڑ کی کھال کے نیچے بلٹ پروف کیوں نہیں ملتے۔“

”یہ بات ضرور قابل غور ہے۔“ آفس کی میئنگ میں بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا تھا۔

”پچھو دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ غالباً ہم کسی زمین دوز عمارت میں ہیں۔“
”اس جگہ کی ساخت تو یہی بتائی ہے۔“

”تعجب ہے کہ کسی طرف کوئی راستہ نہیں ہے۔“ حمید بولا۔

”راستہ تو ہے لیکن افسوس ہے کہ اندر سے راستہ بنانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔“
”میں نہیں سمجھتا۔“

”وہ جب چاہتے ہیں سامنے والی دیوار ہٹ جاتی ہے۔“

حمد اس طرف دیکھنے لگا۔ جدھر فریدی نے اشارہ کیا تھا۔
دفعتاً ایک عجیب آواز کے ساتھ دیوار ایک طرف کھک گئی۔ سامنے اسی قسم کا ایک دوسرا

”کمال ہے۔“ حمید بڑا لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک دیوار کو دوسری دیوار نگل گئی ہو وہ دیوار بھی کہنا چاہتا تھا کہ دفعتاً اس کی زبان بند ہو گئی۔

سامنے جیر الدشاستری کھڑا اپنے پر سکون انداز میں مسکرا رہا تھا۔ حمید نے فریدی کی طرف کھماں کے ہونوں پر بھی ایک شرارت آمیز مسکرا رہا تھا۔

”میرا ساتھی ابھی تمہاری صفائی پیش کر رہا تھا۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

”لیکن تمہیں یقین نہیں آیا تھا۔“ جیر الدش نے کہا۔

”قطعی نہیں۔“

”میں عرصہ سے تمہاری ذہانت کا مترف ہوں۔“

فریدی نے بڑی لاپرواں سے بجا ہوا سگار دوبارہ سلکایا اور حمید کی سمجھتی میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ پچھو دیر تک خاموشی رہی پھر جیر الدش نے کہا۔

”تمہیں لڑکاں جگل کا علم کیوں نکر رہا تھا... کیا عرفانی نے بتایا تھا۔“

”قبر میں...!“ فریدی سگار سلاکر بولا۔

حمدید اپنا سر پیٹنے لگا۔ جب اچھی طرح پیٹ پکا تو گلوگیر آواز میں کہنے لگا۔ ”مجھے خدا سے ہے کہ اس نے ہمیں قبر میں بھی اکٹھا کر دیا۔“

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔“ فریدی گھری کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ اب تم سو جاؤ۔ بھی رات ہے ”آخر ہم ہیں کہاں۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔

”مجھے خود بھی نہیں معلوم اور نہ میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جن سے سابقہ ہے۔“

”آپ یہاں پہنچ کر طرح۔“

”یہ ایک دکھ بھری داستان ہے۔“ فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔ ”شاید میں زندگی میں؟“
باد اس طرح یوں قوف بنا ہوں۔ میں تمہیں روانہ کر کے اُس ٹرک کے پچھلے حصے میں چھپ،
تھلا۔ مجھے تو قع تھی کہ یہ ٹرک پھر لڑکاں جگل کی طرف واپس جائے گا۔ میں اپنی دانست میں اُبڑا کار نامہ انجام دینے جا رہا تھا لیکن وقت مجھ پر تھبیتے لگا رہا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ ڈرائیور کی بھی پہ بیٹھا ہوا درندہ میری موجودگی سے واقع تھیا نہیں۔ لیکن اچانک میں نے اٹک آور گیس کا
محosoں کی۔ ٹرک بڑی تیز رفتاری سے جا رہا تھا اس لئے کوڈ پڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکا۔
تحوڑی دیر بعد میں بڑی طرح کھانے لگا۔ اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں۔.... آٹکھی تو یہاں
ابھی تک مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔ سب لوگ نہایت بالاخلاق اور شریف ہیں۔“

”شاید ہم کسی بہت بڑے ریفری مجوہ ٹری میں بند ہیں۔“ حمید بولا۔

اُس کے بعد اُس نے بھی وہ سب کچھ دہرا دیا جو اُس پر گذری تھی۔ جیر الدش کے لئے جا،
واقعہ بھی بتایا۔ برناڑ کی موت کے متعلق معلوم کر کے فریدی کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئیں۔
”تو اس کا یہ مطلب کہ جیر الدش تجھی اُن معاملات سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔“ فریدی نے
”میرا تو یہی خیال ہے برناڑ شاید اُسے لوٹنے ہی کی قدر میں تھا۔ بعض اوقات ہم ظا
اتفاقات کی بناء پر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اب پروفیسر جھوں سے ہی وائل معاملے کو لے لیجئے۔
اُسے سو فیصدی سازش سمجھا تھا۔“

”ہاں.... آں....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن....!“

اُس نے آگے کچھ نہیں کہا۔ حمید اسے جواب طلب نظر وہن سے گھور رہا تھا۔ تحوڑی د
حالات کے لئے دیکھنے جا سوئی دنیا کا ناول ”چینے در تیع“ جلد نمبر 11 ملاحظہ فرمائیے۔

”نہیں.... لیکن تم لوگ عرفانی کے بیہاں کیا چیز ملاش کر رہے تھے۔“

”ایک ایسی چیز جو ایک غدار کے ذریعے عرفانی تک پہنچی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ کہا چیز ہو سکتی ہے جو ہم سے متعلق ہو۔“

”لیکن تم اس چیز کی نوعیت سے واقف نہیں تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں....!“

”لیکن میں واقف تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”تمہیں عرفانی نے بتایا ہو گا۔“

”نہیں.... عرفانی خود بھی اُس معے کو حل نہیں کر سکتے تھے اور انہوں نے جس دل لئے بہت زیادہ خطرہ محسوس کیا میرے لئے اُسے محفوظ کرایا۔“

”کیا چیز تھی۔“

”کیا تم یقین کرو گے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”باتوں میں غور سے سن رہا ہوں۔“

”تعلیمی تاش کے دوپتے جن پر حروف ”ل“ تھے۔ ایک کی پشت پر ایک لڑکے کی تصویر بڑھاتے ہوئے کہا۔“

اور دوسرے کی پشت پر دو فوجوں کی لڑائی کا منظر تھا۔“

”بس....!“ جیر اللہ حیرت سے بولا۔

”اور ان دونوں تاشوں سے بنا لڑکال جنگل۔“

”بنا ہو گا۔“ جیر اللہ لاپرواہی سے بولا۔ ”میں کچھ اور سمجھا تھا۔“ ماضی لڑکال جنگل کا نام مٹا ہوا۔ تم ان لوگوں کے لئے جان دیتے ہو جو تم پر اعتماد نہیں کرتے۔ میری ایک ذرا سی شکایت پر تمہارا مخصوص اجازت نامہ منسون ہو گیا بلکہ ایک طرح سے تم بیکار بھی کر دیئے گئے۔“

کر لینے کی بنا پر تم بیہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔“

”شاید میں یہیں موجود ہوں۔“ فریدی نظر آمیز لمحے میں بولا۔

”لیکن تم بیہاں لائے گئے ہو۔“

”اگر تمہارا وہ بن مانس ہو شیارنا ہے ہو تو میں خود ہی پہنچ گیا تھا۔“

”ہم نے شروع ہی سے تم پر گہری نظر رکھی تھی۔“ شاستری مسکرا یا۔

”میں بھی یہی کچھ محسوس کرنے لگا تھا اگر اچانک اس طرح نہ پختا تو میرے ذہن دوسری ہی تدبیریں تھیں۔“

”ہوں.... اور اب تم نے کیا سوچا ہے۔“ جیر اللہ نے تھیک آمیز لمحے میں پوچھا۔

”بھی کہ اس گروہ کا خاتمہ کرنا پڑے گا۔“ فریدی لاپرواہی سے بولا۔

”میں تمہاری دلیری کی بھی قدر کرتا ہوں۔“ جیر اللہ نے نرم لمحے میں کہا۔ ”میں نے چیز اور ذہانت کو ایک ساتھ بہت کم دیکھا ہے۔“

”مگر یہ! میں اس تعریف کے صلے میں تمہاری قبر پر پھول ضرور چڑھاؤں گا۔“

جیر اللہ ہنسنے لگا۔

جید کو اب پھر اس کا چہرہ پہلے ہی کی طرح خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔

”اوہ....!“ جیر اللہ نے جید کو مخاطب کر کے کہا۔ ”تمہارے کندھے پر چوہیا چل رہی ہے۔“

”ظاہر ہے کہ اگر وہ ہاتھی ہوتا تو میں کچل گیا ہوتا۔“ جید نے نہیں کہا۔ ”لیکن آپ نے آخر میری عزت افرادی کیوں فرمائی۔ میں تو دنیا کا ذیوٹ ترین آدمی ہوں۔“

”میں ایسا یہیں سمجھتا۔ میں تمہاری بھی قدر کرتا ہوں۔“

”اچھا زرایہ تو بتائیے کہ میری موت کب آئے گی۔“ جید نے اُس کی طرف اپنا ہاتھ ”تعلیمی تاش کے دوپتے جن پر حروف ”ل“ تھے۔ ایک کی پشت پر ایک لڑکے کی تصویر بڑھاتے ہوئے کہا۔“

”تم دونوں کی زندگی مشروط ہے۔“

”اوہ.... یہ بات بھی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ وہ اسے دیکھی سے دیکھ رہا تھا۔

”تمہاری بے حیائی پر مجھے حیرت ہے۔“ جیر اللہ بولا۔ ”تم جسے میں عظیم ترین فریدی کہتا ہے تو ہو گا۔“

”تمہارا مخصوص اجازت نامہ منسون ہو گیا بلکہ ایک طرح سے تم بیکار بھی کر دیئے گئے۔“

”ہوں....! تو پھر....!“

”عزت، شہرت، دولت! تمہیں میرے ہی دکھائے ہوئے راستے پر ملے گی۔ ہم اس بات

میں یقین رکھتے ہیں کہ دنیا میں صرف انہیں زندہ رہنے کا حق ہے جو ہر لحاظ سے طاقتور ہوں۔“

”خیالِ بُرَانہیں ہے.... پھر!“

”پھر یہ کہ.... تم عقل مند ہو.... تمہیں ہمارے ساتھ سب کچھ ملے گا۔ میں نے دنیا کے

بہترین دلایل اکٹھا کئے ہیں اور وہ دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بس ایک اشارے کی

بم پر کوئی بکھرے خالی رہ جاتی تو جرم پر بھی پر دہ پڑ سکتا تھا۔“

”خوب!“ جیراللہ مسکرا کر بولا۔ میں ایک بار پھر تمہاری ذہانت کی تعریف کرتا ہوں۔

”لیکن میں ایک بات ابھی تک نہیں سمجھ سکا ہوں کہ تمہارے کچھ بن ماں خود بخود کیوں رجاتے ہیں۔“

”یہ بات اس وقت تک تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک کہ عملی نمونہ پیش نہ کیا جائے۔“ جیراللہ بولا۔ ”فریدی ہم لوگ ایجادات اور اختراقات کے معاملے میں موجودہ دور سے باختہ۔“ جیراللہ بولا۔ ”فریدی ہم لوگ ایجادات اور اختراقات کے معاملے میں موجودہ دور سے باختہ۔“ جیراللہ نے کہا۔ ”وہ اندر قاء کے ذریعے صدہارس میں ہوتا ہے اسے ہم چند ہی گھنٹوں میں کر لیتے ہیں۔ چند گھنٹوں زبانی کی دریافت اور اس کے استعمال کو دنیا کا سب سے بڑا کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن کیا تم اسے بدید کہ سکتے ہو۔ کیا یہ خیال نیا ہے میرے دوست! اس خیال نے حضرت عیسیٰ سے پہلے بھی جنم پیدا کیا تھا۔ کیا اپنے ڈولکس کے ذریتی نظریہ کائنات میں موجودہ ایسی دریافت کی جیسی نہیں۔

”سب دیکھ لو گے۔“ جیراللہ مسکرا کر بولا۔ ”اور یہ بھی یاد رکھو کہ تم یہاں سے خود تباہی میں نہیں تکل سکو گے جب تک کہ میں نہ چاہوں۔ انسانی زندگی کی میری نظر وہ میں کوئی وہ اندھوں پر ریگتی ہوئی چوہیا منشوں میں خرگوش کے برابر ہو سکتی ہے۔“

”اوہ....!“ فریدی حرمت سے اپنے ہونٹ سکوڑ کر رہا گیا۔

”ہمارے پاس ایک نہیں درجنوں ایسی ایجادات ہیں۔“ جیراللہ نے کہا۔ ”دور کیوں جاؤ۔ اسی لئے کوئے لو جس میں تم مقیم ہو۔ کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تم کسی زمین دوز کمرے میں بیٹھے ہو۔ پہانچ کوئی کھڑکی ہے اور نہ کوئی روشنداں پھر بھی تمہیں گھنٹن نہیں محسوس ہوتی۔ ان زمین دوز غاروں کا سلسلہ دو میل کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ یہاں کیا نہیں ہے۔“

”تمہارا گردہ ہمارے ملک میں کب سے کام کر رہا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”آن کی بات نہیں ہے، ہم نے پہلی جگہ عظیم کے بعد ہی سے اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا تھا۔“ ”اور مقصد کیا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ساری دنیا پر حکومت۔ کمزوروں کو قوی ترین آدمیوں کے زیر نگین لانا۔ جمہوریت کو ہم ریکھنے ہوئے کیڑوں کا نظام سمجھتے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک سمجھتے ہیں آپ۔“ حید سعیدگی سے بولا۔ ”میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔“

”جب تم بھی یہی سمجھتے ہو تو ہماری تحریک سے تمہیں پوری پوری ہمدردی ہونی چاہئے۔“

ضرورت ہے اُس کے بعد ساری دنیا پر ہماری حکومت ہو جائے گی۔“

”شیخ چلی کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں۔“ حید نے فریدی کی طرف مژہ کر بڑی سعیدگی پوچھا۔ ”تم جھوٹ سمجھتے ہو۔“ جیراللہ یک بیک بگڑا گیا۔ ”کیا یہ بن ماں تمہاری اونڈھی کو کے لئے حرمت انگیز نہیں۔ لاو... دنیا کے کسی گوشے سے ایک ہی لاو... لا سکو گے۔“

”نہیں شاستری! وہ یقیناً حیرت انگیز ہے... حید الحق ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اگر تم ان کی پیداوار کا طریقہ دیکھو تو عش کراٹھو گے۔“ جیراللہ نے کہا۔ ”وہ اندر قاء کے ذریعے صدہارس میں ہوتا ہے اسے ہم چند ہی گھنٹوں میں کر لیتے ہیں۔ چند گھنٹوں صدہارسال آگے جست۔“

”وہ کس طرح....!“

”سب دیکھ لو گے۔“ جیراللہ مسکرا کر بولا۔ ”اور یہ بھی یاد رکھو کہ تم یہاں سے خود تباہی میں نہیں تکل سکو گے جب تک کہ میں نہ چاہوں۔ انسانی زندگی کی میری نظر وہ میں کوئی وہ اندھوں پر ریگتی ہوئی چوہیا منشوں میں خرگوش کے برابر ہو سکتی ہے۔“

”میں نے سب کچھ دیکھا اور سمجھا ہے۔“ فریدی نے سعیدگی سے کہا۔ ”برتارڈ کی ہو

حالانکہ میرے سامنے نہیں واقع ہوئی۔ لیکن میں اس کا طریقہ بھی سمجھ گیا ہوں۔“

”کیا...؟“

”برتارڈ بن ماں کی اُس ٹولی میں نہیں تھا جو لٹکاں جنگل سے روانہ ہوئی تھی۔“ فریدی کا کاش لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم اسے اس لئے ختم کرنا چاہتے تھے کہ اس سے حید کے معا

میں ایک حماقت سرزد ہوئی تھی۔ لیکن اگر وہ نہ بھی سرزد ہوئی ہوتی تو برتارڈ کے خلاف میر پاس کافی مواد موجود تھا۔ جیسا لیا کی موت اسی کے ہاتھوں واقع ہوئی تھی۔ میں نے اسے اس کی را

میں زہریلی سوئی چھاتے دیکھا تھا۔ بہر حال تم نے کل رات برتارڈ کو پہلے ہی سے اپنے پاس رکھا تھا اور کسی بہانے سے اسے بن ماں کی کھال پہنادی تھی۔ جیسے ہی تمہاری اسکیم کے مطاب

دوسرے بن ماں تمہارے مکان میں داخل ہوئے تم نے برتارڈ کو گولی مار دی۔ اس طرح اس قصہ بھی پاک ہو گیا اور دوسری طرف تم نے پولیس کی نظر وہ میں اپنی پوزیشن بھی صاذ کر دی۔ لیکن تم ذرا سا چوک گئے۔ اگر اسے بھی کھال کے نیچے بلٹ پروف اس طرح پہنادی کے

”میں نہایت سنجیدگی سے آپ کی تحریک کی حمایت کرتا ہوں۔“
”کہا کر کتے ہوں۔“ فرمدی نے اسے ڈانٹا۔

”تیز سے فریدی صاحب اور نہ سر توڑ دوں گا۔“ حمید اپنی آستین پڑھاتا ہوا بولا۔
”ہوش میں ہو یا نہیں۔“ فریدی کو احاطک غصہ آگلا۔

”میں پوری طرح ہوش میں ہوں! تم اپنی خبر لو۔“ حمید نے کہا۔ ”آج پہلی بار مجھے ایک آدمی ملا ہے۔ تم نے مجھے کیا دیا ہے۔ ہمیشہ میری ترقیات رکو اتے رہے۔ آج تک میری شادی نظر آرہا تھا۔“

”اوہ! لڑنے کی ضرورت نہیں۔“ جیرالد ان کے درمیان میں آگیا۔ پھر وہ حمید کا ہاتھ سر جنت حید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ یہ کمرہ بھی ویسا ہی تھا لیکن اس کا سازو کر بولا۔ ”سار جنت تمہیں آرام کی ضرورت ہے میرے ساتھ چلو.... اور فریدی میں تمہیں سماں ذرا شابہانہ قسم کا تھا۔“ سوچنے کا موقع دیتا ہوں۔ شروع ہی سے تم میری نظروں میں تھے اور میں کسی مناسب موقع کو ”میں پہلی ہی ملاقات میں آپ سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔“ حید نے جیرالد سے کہا۔ جو ملاش میں تھا۔ اگر میں تمہیں ختم کرنا چاہتا تو شہر ہی کی سڑک پر یہ نیک کام انجام پا جاتا۔“ ایک گلاں میں شراب انٹیلی رہا تھا۔

”میرے خیال سے اسے ختم ہی کر دیجئے۔“ حمید بولا۔ ”اس سے زیادہ ہٹ دھرم آدمی آنا۔“ تم مجھے یو تو نہیں بنارہے ہو میرے دوست...!“ وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ تک میری نظر دلوں سے نہیں گزرا۔“

”دیکھنے جا ب۔“ حمید تیز لپجھ میں بولا۔ ”میں ایسے آدمیوں پر لعنت بھیجا ہوں جو میری جیر اللہ پکھ کہے بغیر حمید کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ کمرے کی حدود سے نکلتے ہی پھر دبلا یک نیتی پر شبہ کریں۔ فریدی سے میں عرصہ سے نفرت کرتا تھا اور مجھے کسی مناسب موقع کی کھڑکھڑاتی ہوئی اپنی جگہ پر آگئی۔

”ٹال، تکم، تانقا، سے آجودھ سر ساتھ آگئا۔“

”تم فریدی سے نفرت کیوں کرتے تھے۔“

”محض اس لئے کہ وہ مجھ پر اعتماد نہیں کرتا تھا۔ میلے سے کبھی اپنی کوئی اسکیم نہیں بتاتا تھا۔

آج شاید زندگی میں پہلی بار حید فریدی کے ساتھ اتنی گستاخی سے پیش آیا تھا۔ مزاحاً گئی۔ اس کا کیا مطلب ہوا۔ یہی تاکہ اُسے مجھ پر اعتقاد نہیں تھا۔ اب کل رات ہی کا معاملہ لے لیجھے۔ ہم کبھی اس نے اتنی بے تکلفی کامظاہرہ نہیں کیا تھا۔ وہ فریدی کو چھیڑتا بھی رہتا تھا مگر اسی انداز میں دوں ساتھ ہی چلنے تھے لیکن وہ بن مانسوں کو آپ کے مکان میں داخل ہوتے دیکھ کر کچھ کہے جیسے اکثر شریر پنچھے اپنے بزرگوں سے خوش فعلیاں کرتے ہیں... مگر آج اُس کا انداز کچھ اور ہنا سے بغیر مجھ سے الگ ہو گیا۔

”اچھادوست میں تمہیں آزمائوں گا۔“ جیر الدال فس کربولا۔

”خا... وہ ضرورت سے زیادہ گستاخ نظر آ رہا تھا۔“

بہر حال آج فریدی حمید کے اس روئیے پر سمجھیگی سے غور کر رہا تھا۔ اس سے قبل اس نے اس کی حرکتوں کو گسی شریونپے کی حرکتوں سے زیادہ اہمیت نہ دی تھی اور نہ اُسے آج کوئی ایسا موقع ہی یاد آ رہا تھا جب حمید نے اس سے اتنی سرد مہری اور ہے وقاری کا برنا تو کیا ہو۔ اُس کے

کاموچی رہا۔“

”خیر... شراب پینو گے۔“

”میں شراب نہیں پیتا۔“

”کیا تم فریدی کو سمجھا کر راہ راست پر نہیں لاسکتے۔“

”ناممکن ہے جناب.... وہ مر جائے گا لیکن آپ کی بات نہیں مانے گا۔“

”اور اگر میں منوالوں تو۔“

”میں اسے دنیا کا عظیم ترین کارنامہ سمجھوں گا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”اچھا تو تم اس معاملے میں بھی میری قوت کا اندازہ لگا سکو گے۔“ جیراللہ نے نہ کہا



”جی ہاں! میں اپنے ایک ملنے والے مسٹر بردار کے یہاں چائے پی رہا تھا۔... جب آنکھ کھلی

دوسری صبح فریدی کو ایک بہت بڑے کمرے میں لے جایا گیا۔ اُسے کمرے کے علاوہ اور کہا جاسکتا تھا۔ اُس کی ساخت بھی ولیٰ ہی تھی۔ خیسی اس کمرے کی تھی جس میں فریدی دور اتر اور... اُسے میرے لئے ٹکڑی بنا دیں گے۔“

”بُرس کر چکا تھا۔ بہر حال اُسے کمرہ ہی کہا جاسکتا تھا خواہ اُس کی لمبای اور چوڑائی ایک فرلانگ ہی کیوں نہ رہی ہو۔ یہاں بڑی بڑی دیواریں نصب ہیں اور یہاں کی دیواریں دروازوں سے محروم ہیں تھیں۔“

”جیراللہ نے بڑے تپاک کے ساتھ فریدی کا خیر مقدم کیا۔“

”اچھا فریدی کی نظر ایک ایسے آدمی پر پڑی جیسے دہاک دیکھ کر اُسے بڑی حرمت ہوئی۔“

”گرانٹیل احق قاسم تھا۔ شاید قاسم خود بھی فریدی کو دیکھ کر تھیر تھا۔“

”وہ جھپٹتا ہوا فریدی کے پاس پہنچا۔ جیراللہ شاید اپنے آدمی کو کسی قسم کی ہدایات دینے میں مشغول ہو گیا تھا۔“

”ف..... ری..... ری..... ری..... صاحب۔“ قاسم ہکلایا۔

”تم یہاں کیسے؟“

”جو تاشی صاحب مجھے یہاں لائے ہیں بہت اچھے آدمی ہیں۔ میرے بہت بڑے ہمدرد۔“

”ہمدرد! وہ کسی طرح؟“

”جی.....!“ قاسم اپنی انگلی مژور تا ہوا شرمکر بولا۔ ”انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میرے لئے ایک بہت ٹکڑی سی عورت بنادیں گے۔ میرے ہی ذیل ڈول دالی۔“

”بندے گا؟“

”جی ہاں! اور کیا اونہ ڈیڑھ فٹ اونچے معمولی سے بندر کو بن مانس بنا دیتے ہیں۔“

”اوہ....!“ فریدی کس سوچ میں پڑ گیا۔

”یہاں بہت سی لڑکیاں ہیں۔“ قاسم رازدارانہ لمحہ میں بولا۔

”تجھیں یہاں تک پہنچنے کا راستہ یاد ہے۔“

”نہیں تو.... میں نے انہیں اپنی دکھ بھری داستان سنائی تھی اس پر انہوں نے اپنی روحانی

لاقت سے مجھے یہاں بلا لایا۔“

”اچھا تو تم اس معاملے میں بھی میری قوت کا اندازہ لگا سکو گے۔“ جیراللہ نے نہ کہا

”جی ہاں! میں اپنے ایک ملنے والے مسٹر بردار کے یہاں چائے پی رہا تھا۔... جب آنکھ کھلی تو میں نے خود کو یہاں دیکھا۔ جو تاشی صاحب نے مسٹر بردار کی لڑکی روزا کو بھی یہیں بلا لایا ہے تو میں نے خود اُس کے علاوہ اور کہا جاسکتا تھا۔ اُس کی ساخت بھی ولیٰ ہی تھی۔ خیسی اس کمرے کی تھی جس میں فریدی دور اتر اور... اُسے میرے لئے ٹکڑی بنا دیں گے۔“

”بُرس کر چکا تھا۔ بہر حال اُسے کمرہ ہی کہا جاسکتا تھا خواہ اُس کی لمبای اور چوڑائی ایک فرلانگ ہی کیوں نہ رہی ہو۔ یہاں بڑی بڑی دیواریں نصب ہیں اور یہاں کی دیواریں دروازوں سے محروم ہیں تھیں۔“

”جیراللہ نے بڑے تپاک کے ساتھ فریدی کا خیر مقدم کیا۔“

”اچھا فریدی کی نظر ایک ایسے آدمی پر پڑی جیسے دہاک دیکھ کر اُسے بڑی حرمت ہوئی۔“

”گرانٹیل احق قاسم تھا۔ شاید قاسم خود بھی فریدی کو دیکھ کر تھیر تھا۔“

”وہ جھپٹتا ہوا فریدی کے پاس پہنچا۔ جیراللہ شاید اپنے آدمی کو کسی قسم کی ہدایات دینے میں مشغول ہو گیا تھا۔“

”ف..... ری..... ری..... ری..... صاحب۔“ قاسم ہکلایا۔

”تم یہاں کیسے؟“

”جو تاشی صاحب مجھے یہاں لائے ہیں بہت اچھے آدمی ہیں۔ میرے بہت بڑے ہمدرد۔“

”ہمدرد! وہ کسی طرح؟“

”جی.....!“ قاسم اپنی انگلی مژور تا ہوا شرمکر بولا۔ ”انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میرے لئے ایک بہت ٹکڑی سی عورت بنادیں گے۔ میرے ہی ذیل ڈول دالی۔“

”دیکھو فریدی۔“ جیراللہ نے اسے مخاطب کیا۔ ”یہ ان آدمیوں کا فضلہ ہے۔“

فریدی نے مشین کے نیچے ایک شب میں سیاہ رنگ کا کاڑھائیل دیکھا تھا کوتار سے مشابہ تھا۔

”ایک ستارتین کوتار۔“ جیراللہ نے قہقہہ لگایا۔ ”جو تمہاری سڑکوں پر ڈالا جاتا ہے الپٹ

آدمیوں کا فضلہ۔ ان کے جسموں کا بہترین حصہ میرے بن مانسوں کا جزو بدن ہو جاتا ہے۔“

”ہمیرہ...!“ حمید خوشی سے تالیاں پیٹنے لگا۔ ”اکیلے قاسم کے جسم سے چار بن مانس تیار

ہوئے ہیں۔“

”تمہارے چھوٹے ہو سکتے ہیں.... میں سرچاڑوں کا تمہارا۔“ قاسم بھنا کر بولا۔

جیراللہ نے خانے دار روکار کا دروازہ کھولा۔ اس کے اندر سامنے ہی والے خانے میں ایک

ٹولی القامت بن مانس اوٹگھ رہا تھا۔ دو آدمیوں نے اُسے کپڑہ کر اندر سے نکلا اور ایک اسٹرپچر پر

ڈال دیا۔ پھر چار آدمی اسٹرپچر کو اٹھانے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

”اب اسے دو مختلف قسم کے انجکشن دیجے جائیں گے۔“ جیراللہ نے کہا۔ ”اور وہ بالکل فٹ

ہو جائے گا اور ہاں تم نے ان درندوں کے متعلق سوال کیا تھا جو خود بخود مر جاتے ہیں۔ بات

روایصل یہ ہے کہ ان کی سمجھیل میں کوئی نہ کوئی خای رہ جاتی ہے۔ جس کی بنا پر وہ زیادہ دیر تک

نہیں چلتے۔“

”واقعی یہ ایک شاندار دریافت ہے۔ انہیں آدمیوں سے بخوبی لڑایا جاسکتا ہے۔“ فریدی بولا۔

”قطیٰ.... ان کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے۔“ جیراللہ بولا۔ ”میں ہمیشہ صاف بات کہتا

ہوں۔ یہ ایسی قوت نہیں ہے کہ جسے نہ امن طریقے پر تعمیری کاموں میں صرف کیا جاسکے۔ میں

دیکھا کو دھوکے میں ہرگز نہیں رکھوں گا۔ میں کبھی نہ کہوں گا کہ ان بن مانسوں سے کھیتی باڑی کا کام

لیا جائے گا۔ میں ایسی امن کی فاختہ نہیں اڑاتا جس کے پیٹ میں بم بھرے ہوئے ہوں۔ میں

ٹلانیے کمزوری کی جانی ہوں۔“

”محضے تمہاری صفائی پسندی پر خوشی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”سنبلو شاستری۔“ حمید چینا۔ ”کہیں اس کے کمر میں نہ آ جانا۔ میں اس کی رنگ رنگ سے

والق ہوں۔“

فریدی دانت پیس کر رہا گیا وہ سوچ رہا تھا کہ کیا حمید کا دامغ خراب ہو گیا ہے۔

پھر انہیں ایک مشین کے ایک بہت روکار میں ڈال دیا گیا جو اندر سے کھوکھلا تھا اور جب بالا دروازہ بند کیا جا رہا تھا تو فریدی بے اختیار چیخ پڑا۔ ”یہ کیا کرنے جادہ ہے ہوتے۔“

”کچھ نہیں بس دیکھتے جاؤ۔“ جیراللہ مسکرا گیا۔ ”یہ صحت مند ہو کر نکلیں گے۔“ پھر ایک دوسری مشین کا روکار کھولا گیا۔ یہ روکار آڑا گا ہونے کے باجائے سیدھا کھڑا ہوا تھا اور اس کا قائم چالیس فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوا۔ اس کے اندر متعدد خانے نظر آ رہے تھے۔

پھر ایک معمولی سا بندر لایا گیا ہے خود جیراللہ نے اسی روکار کے ایک خانے میں بند کر دیا۔ اس کے بعد دونوں مشینیں چل پڑیں۔ دونوں کے روکار تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ مشینوں کے شور کے باوجود جیراللہ کی تیز آواز یہ کہتے سنائی دے رہی تھی۔ ”دوپاچ آدمیوں سے ایک طاقتور جانور بہتر ہے۔ وہ دونوں پاپاچ آیک طاقتور بن مانس کی تخلیق کر رہے ہیں۔ ان کی بیٹیاں اور ان کا گوشت ایک حیرت انگیز جانور کی شکل میں تبدیل ہو رہا ہے۔“

”کیا کر رہے ہو تم....!“ فریدی چیخ کر جیراللہ کی طرف چھپتا۔

دوسری طرف سے حمید نے ایک موٹی ہی لوہے کی سلاح اٹھائی اور اُسے گردش دینا اور چیخ ہوا فریدی کی طرف بڑھا۔ ”اگر تم نے شاستری کی شان میں گستاخی کی تو میں تمہارا سرچاڑوں کا۔“ قریب تھا کہ حمید فریدی پر حملہ کر بیٹھے کی لوگ درمیان میں آگئے۔ جیراللہ کا قہقہہ مشینوں کے شور پر لہر ا رہا تھا۔ اس نے بلند آواز میں کہا۔ ”طااقت پر ایمان لاو فریدی تمہارا استثنی تو سے بہتر ہے۔“

فریدی اپنی جگہ پر کھڑا خون کے گھونٹ پر رہا تھا وہ کرہی کیا سکتا تھا۔ اُسے باہر نکلنے کا راست بھی تو نہیں معلوم تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسی حالت میں غصے کو قابو میں رکھنا زیادہ بہتر ہو گا۔ جیراللہ ساری دنیا کے لئے ایک بہت بڑا خطہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے منصوبوں کو عملی جاد پہنانے میں کامیاب ہی ہو جائے۔ پھر کیا ہو گا۔ جانی، بربادی، وہ ان جنگ بازوں سے بھی زیاد خطرناک ثابت ہو سکتا ہے جو آئئے دن ایک دوسرے کو ایسی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ فریدی کے طرح طرح کے خیالات میں الجھاتا ہا پھر تھوڑی دیر بعد وہ مشینیں رک گئیں اور فضا میں کان پھاڑ دینے والا سناثر محیط ہو گیا۔ ایک لمحے کے لئے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین کی گردش رک گئی ہوا اور کوئی دوسری اسیارہ اُس سے گلرانے کے لئے تیزی سے بڑھتا آ رہا ہو۔

”نہیں فریدی صاحب نے پچی بات کی ہے۔“ قاسم تھوک نگل کر بڑو بولیا اس کا حلقت خیل
ہو رہا تھا۔

”اب میں قاسم کے ڈیل ڈول کی ایک عورت تیار کروں گا۔“ جیراللہ نے ہنس کر کہا
”میں ہاں! جی...!“ قاسم جلدی سے بولا۔ ”وہی روزا... روزا...!“
”میا...؟“ حمید حلقت چھاڑ کر چھان۔ ”کون روزا برناڑ... تم کتنے میری محظیہ پر دانت
لگائے پیٹھے ہو۔“

”تمہارے باپ کی محظیہ ہے۔“ قاسم جھلا کر بولا۔
”نہیں میری ہے.... شاستری میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اس لڑکی پر رم
کرو.... ورنہ میں خود کشی کر لوں گا۔ غصب خدا کا... وہ پھول ساجم... قاسم تجھے خدا غارت
کرے۔“

”تم کو خود غارت کرے۔“ قاسم نے ترکی بہتر کی کہا۔
”میں قاسم سے وعدہ کر چکا ہوں۔“ جیراللہ بولا۔
”تو پہلے مجھے زہر کا نجکشن دے دینا۔“

”خیر اس پر پھر کبھی غور کریں گے۔“ جیراللہ نے اکتا کر کہا۔
”کر دی ناتم نے گزبر۔“ سام حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ ”خدا تمہیں فنا کر دے۔“
”فریدی.... پھر سوچو۔“ جیراللہ نے فریدی سے کہا۔
”ہاں میں شنیدگی سے اس پر غور کروں گا۔“

”اور اپنے ہی مطلب کی سوچو گے۔“ حمید نے طفیری لہجے میں کہا۔
”جیراللہ! اس نمک حرام کو میرے سامنے سے ہٹا دو۔“ فریدی کو پھر غصہ آیا۔
”میں تمہارے جنازے کے ساتھ ہی رہوں گا۔“ حمید نے شنیدگی سے کہا۔

فریدی کو زندہ درگور ہوئے چھ راتیں گزر چکی تھیں۔ ابھی تک اسے کوئی ایسی تدبیر نہیں
سو گھی تھی۔ جس پر عمل کر کے وہ کم از کم اس قید سے تو رہائی پاسکتا۔ صرف ایک چال تھی لیکن
اسے بھی حمید ناتام بنا دینے پر تلا ہوا تھا۔ فریدی جب بھی جیراللہ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتا

جید نے تھے سے اکھاڑ دیتا اور اب حمید کے خلاف اُس کا غصہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ موقع ملے پر وہ
انہیں بھی گریزنا کرتا۔

دوسری طرف حمید صحیح معنوں میں عیش کر رہا تھا۔ اُس جدید تین سائنسیک غار میں پدرہ
سلسلہ خوش بھل لڑکیاں تھیں۔ جن کے متعلق جیراللہ نے اُسے بتایا تھا کہ وہ سب بھی ایک تعمیری
خدمت انجام دیتی ہیں۔ وہ دراصل شہر سے نوجوانوں کو چھاؤں کر بیہاں لاتی تھیں اور وہ بیچارے
غفت قسم کی تحریبات کے نذر ہو جاتے تھے اور ان کے جسموں کا بچا کچا حصہ ستے تین کوتار میں
تبديل کر دیا جاتا تھا۔

فریدی کو بیہاں اسی ایجادات نظر آئیں کہ وہ تعمیر رہ گیا یقیناً وہ لوگ اپنی ایجادات کے
معاملے میں جدید ترین تھے۔ جیراللہ کا دعویٰ غالباً نہیں تھا.... وہ میل بھی چوڑی زمین دوز دنیا ہر
لماٹ سے عجیب تھی۔ انہوں نے نئے نئے مصنوعی سورج بنائے تھے اور جیراللہ کا دعویٰ تھا کہ ان کی
روشنی اور حرارت میں وہ سارے نیچرل اوصاف موجود ہیں جو وقت حیات و نمو کے لئے ضروری
ہیں اور خود فریدی کو بھی اس کا تجربہ ہو گیا تھا.... ان چھ دنوں کے دوران میں ایک لمحہ کے لئے
بھی اسے گھٹن کا احساس نہیں ہوا تھا اور اس کی صحت بھی برقرار رہی تھی۔ اپنی قوتوں میں اسے
کی قسم کا انحطاط نہیں محسوس ہوا تھا۔

فریدی نے جیراللہ سے پوچھا کہ آخر اسے قبل از وقت اپنے بن مانسوں کی نمائش کی
ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔ جو کام اُس نے ان سے لئے تھے وہی آدمیوں سے بھی لے سکتا تھا۔
اس پر اس نے ہنس کر کہا تھا۔ ”تم ہمارا ایک دوسرا بداراز جانے کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر
خبر.... میں تمہیں بتاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ راز اس زیر زمین دنیا سے باہر نہیں جا سکتا....
سنو.... وہ ایک طرح کا اشارہ تھا جہاڑے عالمی ادaroں کے لئے ظاہر ہے کہ تمہارے بیہاں کی خبر
رسان ایجنٹیوں نے ان عجیب و غریب بن مانسوں کی خبر ساری دنیا میں پھیلا دی ہو گئی اور میری
تحریک کے جیالے اس اشارے کا مطلب سمجھ کر اپنے کام میں لگ گئے ہوں گے اور یہ کام ہے
خلاف ممالک کی جتنے بندی ختم کرنا۔ ہم ان میں غلط فہمی پھیلا کر پھوٹ ڈلوادیں گے۔ اُس کے بعد
انہیں ایک ایک کر کے پیٹ لینا مشکل نہ ہو گا۔“

فریدی اس مسئلے پر بھی غور کرتا رہا تھا یہ ایک خوفناک سازش تھی اگر ایسا ہو تو ساری دنیا جہنم

ہے۔ راستہ دراصل اس کو تار فیکٹری میں نکلتا ہے جو لڑکاں جنگل والی سڑک کے سرے پر واقع ہے اور وہ فیکٹری بھی جیراللہ ہی کی تعلق رکھتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہاں سے نکلیں کیوں نکر۔ اول تو روازے تک پہنچنا ہی مشکل ہو گا۔ اگر پہنچ بھی گئے تو وہاں اور فیکٹری میں ان رات آدمیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود رہتی ہے۔

اس دوران میں حمید ساتھ ہی ساتھ بڑی بڑا تباہی رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ جیراللہ کی ترفی میں باقاعدہ پیچھے جھاڑا ہا ہو۔ جب وہ خاموش ہوا تو فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں غور کر رہا ہوں۔ جیراللہ کی شخصیت مجھے پسند ہے۔ لیکن اس کا طریقہ کار بہت ہی ہمہ ماں ہے۔“ سنتے جناب۔ ”حید اکڑ کر بولا۔“ شاستری صاحب مجرور نہیں ہیں۔ وہ سائنسیک طور پر بھی آپ کے خیالات بدل سکتے ہیں۔ صرف ایک گھنٹے تک ایک مشین میں آپ کی مرمت ہو گی۔ اس کے بعد آپ محسوس کرنے لگیں گے جیسے ابھی ابھی پیدا ہوئے ہوں۔ میں نے وہ مشین دیکھی ہے۔“

”میں عجیب کٹکٹش میں پڑ گیا ہوں۔“ فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں ابھی اور سوچوں گا۔ پھر فیصلہ کروں گا۔“

”وہ بھی اپنی بڑی بڑا بہت جاری رکھے ہوئے کاغذ پر لکھنے لگا۔“ شاباش بیٹھے حمید۔ ”ابے میں تجھے اپنا ولی عہد بنا دوں گا میرے ذہن میں فی الحال ایک تجویز ہے یہاں اور بھی بن مانسوں کی کھالیں موجود ہوں گی انہیں کسی طرح مہیا کرواد پر فیکٹری والوں سے ہم انہیں پہن کر محفوظ رہ سکیں گے۔۔۔ اور یہاں رات کو تو سب سوتے ہی ہوں گے انہیں یقین ہے کہ ان کے علاوہ اور کوئی نہ تو یہاں داخل ہو سکتا ہے اور نہ یہاں سے نکل سکتا ہے۔ اس سلسلے میں روزے سے گھنگلو کرو۔ میرا خیال ہے کہ وہ ٹرک بھی فیکٹری ہی میں رہتا ہو گا۔ جس میں بن مانس سفر کیا کرتے ہیں۔“

فریدی کی زبانی نیجتوں پر حمید بگڑ کر بولا۔ ”تواب میرا فیصلہ سنتے۔ میں ملکہ سراغِ رسانی میں بھی کام کروں گا اور اس عظیم تحریک سے بھی تعلق رکھوں گا۔“

”میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔“ فریدی اس کی طرف چھپتا۔ حمید نے وہ کاغذ تھہ کر کے فریدی کی جیب میں رکھ دیا اور خود مد کے لئے چیختا ہوا میں پڑھیر ہو گیا۔ فریدی اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور حمید اس طرح کی آوازیں نکالنے لگا جیسے اس کا گلا گھونٹا جا رہا ہو۔

بن جائے گی۔ اُسے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں تھی۔ لیکن وہ اُسے جذباتی بن کر ضائع بھی نہ کر سکتا۔ وہ ورنہ وہ جس وقت بھی چاہتا۔ جیراللہ سے بھر سکتا تھا مگر اس کا یہ فعل غیر افادی ہوتا۔ وہ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں ٹھیل رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا چاہئے۔ اُس نے گھری کی طرف دیکھا گیا رہ نکر ہے تھے۔

دفعٹا سامنے والی دیوار اپنے دابنے جوڑ کے پاس سے کھکھنے لگی اور دوسرے ہی لمحے میں وہ اندر گھس آیا۔ دیوار پھر اپنی اصلی جگہ پر آگئی۔ حمید نے اس طرح اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھا جیسے فریدی کو چپ کرانا چاہتا ہو۔ پھر اُس نے اُسے آنکھ مار کر بلند آواز میں کہا۔ ” غالب آپ رہا شاستری صاحب کی باتوں پر غور کیا ہو گا۔“

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ دوسرے لمحے میں حمید نے اپنی جیب سے سادہ کاغذ کا ایک نکڑا نکلا اور پنسل سے اس پر کچھ لکھنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بڑی بڑا بھی جارہا تھا۔ ”آپ غلطی پر ہیں۔ میری سنتے یہ لوگ ہتھ طاقتور ہیں۔ دنیا میں ہمیشہ طاقت کا ساتھ دینا چاہئے۔“

اسی طرح وہ اور بھی باقی کہتا رہا۔ فریدی کی نظریں اُس کاغذ پر جمی ہوئی تھیں۔ جس پر حمید لکھ رہا تھا۔ ”استاد! اس بار میں نے آپ کو فکست دے دی۔ خاموش.... خاموش۔۔۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں کی دیواریں بھی بولتی ہیں۔ کسی کمرے کی سر گوشی بھی ایک مخصوص کمرے میں لاوڈ پیکر کی طرح چیختی ہے۔ جیراللہ یہاں کی چیزوں کی بھی گنگناہیں سن سکتا ہے۔ لیکن میں نے آپ سے بھاڑ کر کے اُس کا تھوڑا بہت اعتماد حاصل کر لیا ہے اور یہ صرف میرا حصہ ہے اور آپ اکیلے ہوتے تو کبھی کے اُس سے نکلا کر ختم ہو جاتے۔ اس کی شخصیت واقعی حیرت انگیز ہے خدا کرے میں اُسے چونا لگانے میں کامیاب ہو جاؤ۔ میں نے آپ کی شان میں گتاخیاں کی ہیں۔ آن کے لئے معافی چاہتا ہوں۔۔۔ اب راویان شیر میں بیان بول فرماتے ہیں کہ میں نے روزا کو توڑ لیا ہے وہ میری ممنون ہے کہ میں نے اُسے اس مشینی تجربے سے بچا لیا۔ میں نے اُسے اُس کے پاپ کی موت کی اطلاع بھی دے دی ہے جس کا اُسے کوئی علم نہیں تھا اور ایک بھوک شیرنی کی طرح انتقام کے لئے بے چین ہے اور میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں نے آپ سے پوچھے بغیر اُس کا ایک بوسہ لے لیا۔ بوسے یوں لینا پڑا کہ وہ باہر نکلنے کے راستے سے واقع

بلد نمبر 12

”بیکار ہے چلو جلدی کرو۔“ فریدی ایک چھوٹی اسٹشیں ویگن میں بیٹھتا ہوا بولا۔
وہاں ایک ٹرک بھی موجود تھا۔ کیراج کھلا ہوا تھا اور سامنے پختہ راستہ تھا۔ وہ دونوں اسٹشیں
ویگن پر لد گئے۔ دروازہ پھر کھلا اور کئی شکلیں دکھائی دیں۔ اتنی دیر میں فریدی انہیں اشارت کر کھا
تھا۔ کار جیسے ہی آگے بڑھی حمید نے کھڑے ہوئے ٹرک کے پہیوں پر تین چار فائر کر دیئے۔
شاید ایک روپ اور کہیں سے اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔
”لیکا کر رہے ہو۔“ فریدی بولا۔

”شاید میں نے ٹرک کے ناٹر چاہڑ دیئے ہیں۔“
”جیتے رہو۔“

دوسرے لمحے میں کار سنان سڑک پر فرائٹے بھر رہی تھی لیکن یہ سمجھنا ان کی محاذت تھی
کہ وہاں صرف وہ اکیلا ٹرک رہ گیا تھا جس پر حمید نے گولیاں چلائی تھیں وہ بمشکل تمام ایک ہی
میں آئے ہوں گے کہ ساری سڑک ایک تیر قسم کی روشنی میں نہا گئی۔ اتنی تیز روشنی تھی کہ
خس خاشک میں گری ہوئی ایک سوتی بھی ڈھونڈی جاسکتی تھی۔
حمدی نے پلت کر دیکھا اور اُس کی آنکھیں چند ہیا گئیں۔ روشنی بہت تیزی سے ان کی طرف
بڑھی آ رہی تھی۔ شاید وہ کوئی کار تھی جس کے سرے پر ایک بہت زیادہ طاقت والی سرچ لائٹ
نسب تھی۔

”حمدی....!“ فریدی نے پر سکون لمحے میں کہا۔ ”یہ وقت آزمائش کا ہے میں رفتار کم کرتا
ہوں کو دکو د کر جنگل میں گھسو۔“

”ارے باب.....!“ قاسم گڑ گڑایا۔

سب سے پہلے حمید کو د۔ قاسم گرتے گرتے سنبھل گیا۔ اس کے بعد فریدی نے بھی
چلا گک لگادی اور تیوں مختلف سمت کے گھنے جنگل میں گھتے چلے گئے۔
خوش قسمتی ہی تھی کہ انہیں آگے چل کر ایک پلٹہ بڑی مل گئی اور وہ سیدھے اُس پر بھاگتے
چلے گئے۔ فریدی کو خدشہ تھا کہ کہیں لڑکاں جنگل میں لٹھری نہ لگادی گئی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو بھی ان
کی خیر نہیں کیونکہ وہ بن مانوں کی کھال میں تھے۔ اور اتفاق سے انہیں نیچے لگانے کے لئے بلت
پروف نہیں مل سکے تھے اور دوسرا طرف ان کھالوں کو جسموں سے الگ کرنے کے لئے رکنا

دوسرے ہی لمحے میں دیوار اپنی جگہ سے سر کی اور دو تین آدمی فریدی پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں
نے فریدی کو پکڑ لیا اور حمید اُس کے نیچے سے نکل کر بھاگ لکا۔



دوسری رات چار بن مانس آہستہ آہستہ ایک طویل اور شیم تاریک گلیارے میں ریکھ رہے
تھے۔ مدھم سی پیلے رنگ کی روشنی پورے گلیارے میں پھیلی ہوئی تھی۔ انہیں میں پیلا ہٹا
امترانچ کچھ عجیب کی پر اسرار کیفیت اور فضا پیدا کر رہا تھا۔
سب سے آگے والا بن مانس بھی تین کے مقابلے میں پستہ قدھا اور سب سے پیچھے والا نہ
طویل القامت تھا کہ دیکھ کر ہنی آسکتی تھی۔

ایک فرلانگ بیہے گلیارے کے اختتام پر پہنچ کر وہ رک گئے۔ پستہ قد بن مانس دیوار میں کچھ
ٹھوٹ رہا تھا۔ دفعتاً ایک عجیب قسم کا شور سنائی دیا اور ایک بیک پستہ قد بن مانس نہی طرح کا چونے لگا۔
”غصب ہو گیا۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”خطرے کی گھنٹی۔ شاید انہیں پستہ چل گیا۔“

”ارے باب رے باب۔“ سب سے لمبا بن مانس لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔

”سنجل ڈیوٹ۔“ ایک دوسرا بن مانس بولا جو سر جنٹ حمید کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

”چلے! آپ باہر نکل جائیے۔“ روزا بولی۔ ”میں کچھ دیر اُن سے غبتوں گی۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”چلو تم راستہ دکھاؤ۔ یا سب نکلیں گے یا سب مرسیں گے۔“

”میرے پاس.... روپ اور ہے۔“ حمید بڑا بولی۔

”بیکار ہے۔“ روزا جلدی سے بولی۔ ”ایک بھی گولی اُن پر نہ پڑے گی.... یہاں مار ڈالنے
کے طریقے دوسرے ہیں۔“

کہیں دو تین قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ دفعتاً انہیں اپنے سروں پر ایک ہلکی سی
آواز سنائی دی۔ انہوں نے چوک کر اوپر دیکھا۔ سامنے سے ایک زینہ نمودار ہو گیا تھا اور ان کے
سرے پر ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ شاید روزا راستہ پانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

انہوں نے بڑی سرعت سے زینے طے کئے۔ روزا سب کے پیچھے تھی جیسے ہی وہ اوپر پہنچے
انہوں نے روزا کی چینی سنی۔ حمید نے مڑ کر دیکھا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا اور وہ اوپری والی نیکڑی کے
گیرج میں کھڑے ہوئے تھے۔

شہر، لڑکاں جنگل سے میں میل کے فاصلے پر واقع تھا لیکن دہان بھی زار لے کے جھیٹکے
محوس کئے گئے تھے حالانکہ گھر گھر اہمث کی آواز زیادہ تیز نہیں معلوم ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی
لوگوں کا بیان ہے کہ وہ حد درج خوفناک تھی اور زمین کے نیچے سے آتی محوس ہوتی تھی۔
جیراللہ پھر کبھی اپنی کوٹھی میں نہیں دکھائی دیا۔ اس کا لڑکا لئی البتہ حرast میں لے لیا گیا تھا
لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ ان معاملات کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔

فریدی کے بیانات نے ساری دنیا میں تہلکہ چادیا اور سارے ممالک کی حکومتیں اپنے یہاں
اُس جگہ کن تحریک کے حامیوں کو کھود کر اُن کے بلوں سے نکلنے میں مصروف ہو گئی تھی۔
لڑکاں جنگل کی آگ اب سرد ہو چکی ہے اور اب دہان ایک ایسی جھیل دیکھی جاسکتی ہے جو
تمنی چار میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی ہے اس کی گھرائی ناپے کی بے حد کوشش کی جا رہی ہے
لیکن ابھی تک تو کامیاب نہیں ہو سکی۔

کہتے ہیں کہ یہ دی جگہ ہے جہاں جیراللہ اور اس کے ساتھیوں نے جیرت انگریز ایجادات کا
تجربہ کیا تھا۔

تمام شد

بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد جنگل کی تاریکی میں گولیاں سننا نے لگیں
”کیوں نہ کسی درخت پر چڑھنا نہیں آتا۔“ حید بڑو بیلا۔
”ہائے مجھے درخت پر چڑھنا نہیں آتا۔“ قاسم ہامپتا ہوا بولا۔
”بس بھاگتے چلو۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ ایک انہی چال ہے خود کو تقدیر پر چھوڑو۔ اُن
تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے کہ پورے جنگل پر چھا جائیں۔“

”ہائے... اب نہیں چلا جاتا۔ میں گرا۔“ قاسم کراہ کر بیلا۔
”مرد... کاش تم چوہے ہوتے۔“ حید نے کہا۔ ”ارے... افسوس میری چوہیا ویس رہ گئی
انہیں بڑی شدت سے گری لگ رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے سر پر سے کھال اٹھا
اور بازوں تک اُن کے جسم کھل گئے۔

صحیح ہوتے ہوئے انہوں نے جنگل پار کر لیا۔ اور پھر وہ اپنے جسموں پر سے کھالیں اٹھا
رہے تھے کہ انہوں نے ایک خوفناک گھر گھراہٹ سنی۔ زمین ملنے لگی اور وہ منہ کے بل گر پڑ
گھر گھراہٹ کی گونج کافی دیر تک قائم رہی۔ وہ اس طرح بے سدھ زمین پر پڑے ہوئے تھے جو
ان کے جسموں کی طاقت سلب ہو گئی ہو۔ وفتاً حید کے منہ سے تیخ نکلی۔ وہ آنکھیں چھاڑ
آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں کافی بلندی پر بڑے بڑے درخت گرد و غبار کے مرغولوں:
چکراتے نظر آرہے تھے۔ سورج کی پہلی شعاعیں غبار کے اس طوفان میں چھپ کر رہ گئی تھیں ا
یہ غبار پھیلتا ہی جا رہا تھا۔

وہ پھر انھی کر بھاگے اب وہ کھلے میدان میں تھے۔ لیکن اُن کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہ کیا ہوں۔



لڑکاں جنگل ایک ماہ تک جتارہ۔ وہ پندرہ میل کے رقبے میں ہر وقت دھوکیں کے بارا
منڈلاتے رہتے تھے۔ میلیوں تک بستیاں سنان ہو گئیں۔ اتنے بڑے جنگل کی آگ پر قابو
آسان نہیں تھا پھر بھی ہر طرح کی تدبیریں اختیار کی جاتی رہیں۔

اگر یہ تباہی نہ آئی ہوتی تو فریدی کے بیان پر کسی کو یقین نہ آتا۔ سرجنت حید کا کہنا تھا کہ
تبہی اُس کی چوہیا ہی لائی ہوگی۔ درنہ وہ لوگ اتنے احتق نہیں تھے کہ اپنی ان عظیم الشان ایجادات
کو اس طرح تباہ کر دیتے۔

جاسوسی دنیا نمبر 38

پچھلی ہوٹی لاش

(کمل ناول)

انسپکٹر فریدی نے پہلے تو سرجنت حمید کو آوازیں دیں لیکن جب اُس نے جنبش بھی نہ کی تو فریدی نے جھلا کر کمبل کھینچ لیا اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے کمی ناروا الفاظ انکل گئے۔ کیونکہ چارپائی خالی تھی۔ البتہ کمبل کے نیچے خاف اور سکھے اس ترتیب سے رکھے ہوئے تھے کہ ان پر کمبل ہان دینے سے کسی سوتے ہوئے آدمی کا گمان ہو سکتا تھا۔

یہ چیز فریدی کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ کیا حمید اُسے بچہ سمجھتا تھا، اس طرح دھوکا رے کر راتوں کو غائب رہنا..... فریدی نے جلاہٹ میں سکارہ میں پر گرا کر پیر سے کچل دیا۔

دن نکل آیا تھا اور دھوپ پھیل گئی تھی۔ ملکی سروپوں کے دن تھے اور صبح ہی صبح فریدی کو فون پا یک ایسی اطلاع میں تھی کہ وہ ناشتہ کرنا بھی بھول گیا تھا۔ اُسے اُس وقت حمید کی ضرورت تھی۔ فریدی ابھی کمرے کے دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ سرجنت حمید نے چارپائی کے نیچے سے سر نکال کر کہا۔ ”گھڈمار ننگ یور ہارڈ فس۔“

فریدی چوک کرڑا اور پھر اُسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ پنگ کی چادر حمید کے شاناوں پر لہرا رہی تھی اور وہ اپنی آنکھیں مل رہا تھا۔ پھر وہ پنگ کے نیچے سے ریگ کر باہر نکل آیا۔ فریدی نے دیکھا پنگ کے نیچے باقاعدہ بستر لگا ہوا تھا جسے پنگ کی چادر کے لٹکتے ہوئے گوشے چاروں طرف سے چھپائے ہوئے تھے۔

”یہ کیا حرکت تھی؟“ فریدی نے دوسرے لمحے میں سنجیدہ ہو کر کہا۔

”پنگ پر ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔“ حمید انگڑائی لے کر بولا۔ ”اس کے لئے میں طالب علمی کے زمانے میں بھی یہی نسخہ استعمال کرتا تھا۔ ورنہ تمنے ہی بجے سے مجھے ایسے خواب آنے لگتے تھے جیسے والد صاحب کہہ رہے ہوں.... ابے اٹھ بھی تو پڑھنے کا وقت ہے.... وغیرہ“

”غیرہ.... آہم۔“

اُس نے پھر انگڑائی لی اور مسکرا کر فریدی کو آنکھ ماری۔

”غایب خالہ زاد بہن تھی۔“
”اور یہ پانچوں بھی.... ان میں کوئی ماموں زاد ہے، کوئی چچا زاد اور کوئی خالہ زاد، سبھی اچھی بیٹت والے تعلیم یافت اور نوجوان ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ روایت اشرف کے علاوہ ان پانچوں میں
میں دل بھی لیتی تھی۔“

”خیر چھوڑو! اس قسم کے اندازے قبل از وقت ہوں گے۔“

جاوید بلڈنگ کے سامنے کیڈی لاک پکنچ کر رک گئی۔ جاوید بلڈنگ ایک تمیں منزلہ عمارت
یا چالی منزل میں صرف ایک بہت بڑا فلیٹ تھا جس میں اشرف رہتا تھا اور اوپری منزل میں دس
چھوٹے چھوٹے فلیٹ تھے جن میں مختلف کرایہ دار رہتے تھے۔ یہ عمارت اشرف ہی کی تھی۔
ان نیمنیں شہر میں اُس کی ایسی کئی عمارتیں تھیں جن کے کرائے کی شکل میں ہر ماہ ایک کثیر رقم
مول ہوتی تھی۔

اشرف کا اشارہ ملتی کر کے تیار ہو گیا۔ راستے میں فریدی نے کہا۔
”کل ہی اُس کی ملکتی کا اعلان ہوا تھا۔ غالباً ہم نے نیو اسٹار میں اُن دونوں کی تصویریں نہ
دیکھی ہوں گی۔ آج صحیح ہی آئی ہیں اور وہ ایک حادثہ کا شکار ہو گیا۔“

جاوید بلڈنگ کے نیچے پولیس کار پہلے سے ہی موجود تھی جس سے فریدی نے اندازہ لگایا کہ
بڑی اُنہیں پیشی بھی موجود ہے۔ شانک جکلڈش نے اس کے پکنچے سے پہلے ہی فریدی کو فون کیا
تھا کہ توہنی اپنچارج انپکٹر جکلڈش دونوں کی درمیان کشیدگی سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے وہ خود
ایسے موقع کو بچا جانے کی کوشش کرتا تھا جہاں اُن دونوں کے گھروں کا مکان ہوا۔

”غالباً کوتوال صاحب بھی تشریف فرمائیں۔“ حمید نے پولیس کار کی طرف دیکھ کر کہا۔
”ہو گا....!“ فریدی نے لاپرواں سے کہا اور کیڈی سے اتر گیا۔

وہ دونوں عمارت میں داخل ہوئے۔ دروازے پر کھڑا ہوا کاشیبل شاید اُن سے واقف
ہوا۔ اُس نے بڑے ادب سے انہیں راستہ دے دیا۔

بلے کمرے میں ایک سب انپکٹر اور دو ہیڈ کاشیبلوں کے ساتھ انپکٹر جکلڈش موجود تھا۔
بڑی کو دیکھ کر وہ آگے بڑھا۔

”اپنک کوتوال صاحب بھی بہنچ گئے۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

”لاش کہاں ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”خواب گاہ میں۔ کوتوال صاحب وہیں ہیں۔“ جکلڈش مشوش لمحے میں بولا۔ ”بھی لاش

”میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں اور شاید یہ خبر سن کر تم بھی نہ رہ جاؤ۔“ فریدی بولا۔
”کیا بات ہے؟“

”اشرف بلاک ہو گیا۔“

”کیا....؟“ حمید چوک کر بولا۔ ”کون اشرف؟“

”میرا خیال ہے کہ ہمارے دوستوں میں صرف ایک ہی اشرف تھا۔“

”اُوہ کون اپنا اشرف؟“ حمید کے ہاتھ سے ٹوٹھ برش چھوٹ پڑا۔

”اُسکی فون پر اطلاع ملی ہے۔ اُسکی لاش ایک بھاری تجوہ کی نیچے کپلی ہوئی پائی گئی ہے۔“

”کہاں، کس جگہ؟“

”گھری پر۔“ فریدی نے کہا۔ ”جکلڈیش وہیں ہے۔ اُسے ہمارے تلقات کا علم تھا۔“

”تو پھر چلے....!“ حمید ہینگر سے پلوں کھینچتا ہوا بولا۔ ”اُس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے

اور غسل خانے کا ارادہ ملتی کر کے تیار ہو گیا۔ راستے میں فریدی نے کہا۔

”کل ہی اُس کی ملکتی کا اعلان ہوا تھا۔ غالباً ہم نے نیو اسٹار میں اُن دونوں کی تصویریں نہ
دیکھی ہوں گی۔ آج صحیح ہی آئی ہیں اور وہ ایک حادثہ کا شکار ہو گیا۔“

”کاش اُنکی ملکتی کا اعلان نہ ہوا ہوتا۔“ حمید مختندی سائنس لے کر بولا۔ ”یہ قتل ہی ہو سکتا ہے۔“

”کیوں....؟“ فریدی چوک کر بولا۔

”اُس کے ایک دو نہیں بلکہ پانچ عدد رقب تھے۔“

”میں نہیں سمجھا....؟“

”آپ نہیں سمجھ سکتے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”بھی آپ کو روی سے ملے کا اتفاق ہوا ہے؟“

”نہیں بھی نہیں۔ البتہ اشرف ہی کی زبانی اُس کا تذکرہ ضرور سناتھا۔“

”اُس سے زیادہ پر کشش لڑکی آج تک میری نظرؤں سے نہیں گزری۔“ حمید بولا۔

”حمید یہ موقع ایسا نہیں ہے کہ تم اپنی حسن پرستی کا اظہار کرو۔“

”میں معموم بھی ہوں اور سمجھدی بھی۔ آپ اُس لڑکی سے واقف نہیں۔ شاید ملکتی کے

اعلان کے وقت بھی اُسے اپنے فیصلے پر ترد رہا ہو۔“

”کیا بک رہے ہو؟“

”جی ہاں۔ وہ اُن پانچوں کو بھی ناپسند نہیں کرتی۔“ حمید نے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ آپکو

اس سے ملے کا اتفاق نہیں ہوا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہیں بھی اشرف سے اُسکا کیا رشتہ تھا...؟“

تجویری کے نیچے ہی ہے۔ فونوگر افردوں کا انتظار ہے۔ میرا خیال ہے کہ اشرف صاحب سوتے اٹھتے تھے۔ ان کے جسم پر سلپینگ سوت ہے۔

”ہوں....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا میں لاش دیکھ سکتا ہوں؟“

”میں نے آپ کو اسی لئے فون کیا تھا مگر وہ....!“

”ڈی۔ ایس۔ پی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”جی ہاں.... میں ڈرتا ہوں کہ کہیں جھپڑنہ ہو جائے۔“

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ڈی۔ ایس۔ پی کچھ بڑا تباہا ہوا کرے سے نکل آیا۔ فریدی پڑتے ہی وہ رکا پھر طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اُس کے قریب آگیا۔

”آپ کیے....؟“

”آپ ہر موقع پر یہی سوال کرتے ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن آج میں آپ کو جو نہیں دوں گا۔ ممکن ہے بات بڑھ جائے۔ ویسے میں معموم ہوں۔ مرنے والا میرا دوست تھا۔“

”مسٹر فریدی! مجھے حیرت ہے۔ نہ جانے کیوں آپ کے سارے دوست احباب کی انہاد اٹھی کے شکار ہوتے ہیں۔“

”اتفاق ہے۔“

”مجھے افسوس ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی سعیدگی سے بولا۔ ”میرے احباب بڑے سخت ہیں۔ ورنہ میں بھی سراغِ رسال ہو جاتا۔“

”مشکل تو نہیں۔“ فریدی بولا۔ ”آپ خود ہی کیس کیجھ اور خود ہی سراغ لگائیے۔ ابتدہ مشقوں کے لئے یہ نہ بڑا مجبوب ہے۔ ویسے اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی لاش کو دیکھ لوں؟“

”کیا آپ نے کوئی خیالِ قائم کیا ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”بالکل سید حسام الدین کیس ہے۔“ اپاچک تجویری گرنے سے موت واقع ہو گئی۔

”ہو سکتا ہے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے خیالات کا اظہار کر کے آپ کو پریشان کروں گا۔“

”آپ کو اس کی اطلاع کس طرح ہوئی؟“ ڈی۔ ایس۔ پی نے پوچھا۔

”جکدیش صاحب جانتے تھے کہ وہ میرا دوست تھا۔“

”اوہ....!“ ڈی۔ ایس۔ پی نے گھورتی ہوئی نظر وہیں سے جکدیش کی طرف دیکھا پھر فدا کی طرف مڑ کر بولا۔ ”آئیے۔“

وہ واردات والے کمرے میں آئے اور حمید کو اپاخون رگوں میں نجند ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اُس کے دوست اشرف کی لاش ایک وزنی اور بھاری بھر کم تجویری کے نیچے آدمی سے زیادہ دبی پڑی تھی۔ سر اور سینے کی حالت کا اندازہ دل ہی دل میں لگا کہ وہ کاپ اٹھا۔ یقیناً سر جو نظر نہیں آ رہا تھا بیری طرح کچل گیا ہو گا۔ جکدیش کے بیان کے مطابق اشرف کے جسم پر سلپینگ سوت ہی آ رہا تھا اور آٹھا پنگے تھے۔ سونے کی پلٹک اُس کی لاش سے چار یا پانچ فٹ کے فاصلے پر رہی ہو گی۔ آدھا کبل فرش پر تھا اور آٹھا پلٹک پر سرہانے کی کرسی کے دونوں پائے اٹھے ہوئے تھے اور پشت دیوار پر ٹک گئی تھی۔

فریدی کی نظریں لاش پر جمی رہیں۔ پھر اُس نے چاروں طرف دیکھ کر لاش کی جانب دیکھا۔ ”یہ غالباً سورہا تھا۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے سکوت توڑا۔ ”سوتے سے اٹھا اور کسی طرح تجویری

گر پڑی۔“

”ٹھیک ہے۔“ فریدی نے اعتراف میں سر ہلایا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ شاید وہ کچھ اور بھی کہے گا لیکن فریدی پھر خاموشی سے لاش کا جائزہ لینے میں مشغول ہو گیا تھا۔ وہ لاش پر جھکا ہوا قرب و جوار کی زمین بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ تھوڑی ویر بعد وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے خلاء میں گھورتا رہا پھر بولا۔ ”آپ کا خیال درست ہو سکتا ہے۔ میں بھی فی الحال بھی فرض کیے لیتا ہوں کہ یہ بھی ایک اتفاقی حادثہ ہے۔“

”ٹھہریے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”فرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی

تھیوری ہو تو پیش کیجھے۔“ ”بیغیر کلیو کے تھیوری۔“ فریدی غفیف سامسکریا۔ ”اُبھی تو میں معاملات کو سمجھ بھی نہیں سکا لیکن معلوم ہے کہاپ کوئی تھیوری رکھتے ہیں۔“

”ہو سکتا ہے لیکن میں پہلے آپ کا خیال معلوم کرنا بہتر سمجھوں گا۔“

”بہتر ہے مگر پھر شکایت نہ کیجھے گا ہو سکتا ہے کہ میں معاملات کو الجھادوں۔“

”کوشش کیجھے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی طنزی انداز میں سامسکریا۔ ”ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس نے بچ

تھے معاملات کے متعلق کوئی خاص نظریہ قائم کر لیا ہو۔“

فریدی پھر فرش پر جمک کر کچھ دیکھنے لگا۔ اُس کی نظریں پلٹک کا جائزہ لیتی ہوئیں سرہانے والی کرسی کے اٹھے ہوئے اگلے پاپوں پر جم گئیں۔ اُس نے سیئی بجائے والے انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑے اور اب تجویری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ جگہ دیکھی جہاں تجویری رکھی رہی

ہوگی۔ یہاں فرش پر گرد و غبار میں اُس کے پیندے کا نشان صاف ظاہر تھا۔

شاید دس منٹ تک، وہ کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھتا بھالتا رہا۔ اس دوران میں کمی بازار نے محدب شخشوت کی مدد سے کئی چیزوں کا جائزہ لیا۔

”اب میں یہ معلوم کرتا چاہوں گا کہ اس حادثے کی اطلاع کس نے دی تھی؟“
فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

”ایک نوکرنے۔“ ذی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

”اشرف کے پاس دو نوکر تھے۔ خیر اطلاع کس وقت دی؟“

”صحیح بجے۔“

”حالاً کہ اگر یہ حادثہ رات ہی کو ہوا تھا تو انہیں اُسی وقت اس کی اطلاع ہو گئی ہو گی۔“

”کیوں....؟“

”تجوری کے گرنے سے کافی تیز آباز ہوئی ہو گی۔“

”انہوں نے کوئی آواز نہیں سنی۔ وہ دونوں دو بیجے رات تک گھر سے باہر رہے تھے۔“

”اوہ! اب میں ان سے کچھ سوالات کرنا ضروری سمجھوں گا۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن آپ ان سے کچھ بھی نہ معلوم کر سکیں گے کیونکہ وہ رات آٹھ بجے سے دو بیجے تک یہاں تھے ہی نہیں۔ جن لوگوں سے ساتھ تھے انہوں نے قدمیق کر دی ہے۔“

”کہاں تھے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”سرنسک دیکھنے مگر تھے۔ اوپری منزل کے دو کرایہ دار کے خاندان بھی ان کے ہمراہ تھے۔“

”لیکن اس کے باوجود بھی میں کچھ سوالات کرنا پسند کروں گا۔“ فریدی بولا۔

دونوں نوکر بلائے گئے جو صدمے اور خوف سے زرد ہو رہے تھے۔ انہوں نے اپنی غیر حاضری کا سبب وہی بتایا جو اس سے پہلے ذی۔ ایس۔ پی بتا چکا تھا۔ ان کی موجودگی میں رات میں کوئی اشرف سے ملنے بھی نہیں آیا تھا۔

”کیا یہ تجوری پہلے بھی کبھی گرچکی ہے؟“ فریدی نے سوال کیا۔

اس کا جواب دونوں نوکروں نے نہیں مل دیا۔

”ظاہر ہے کہ گھر میں اشرف کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ پھر تم اندر کس طرح داخل ہوئے؟“

”ہم پچھلے دروازے میں باہر سے تالاگا کر گئے تھے۔“ ایک نوکرنے کہا۔

”جی ہاں۔“

”تم جب واپس آئے تو تالاہی طرح بند تھا۔...؟“
”جی ہاں۔“

”اچھا! تھا رے اس معمول سے دوسرے لوگ تو اتفاق نہ ہوں گے؟“
”جی نہیں۔ سب جانتے ہیں۔ یہاں کے سب کرایہ دار۔“

”اشرف کے دوست احباب کیمی؟“

”اس کے متعلق علم نہیں۔“ نوکر بولا۔

”تھا را کیا خیال ہے؟“ فریدی نے دوسرے نوکر سے پوچھا۔
”ممکن ہے کہ جانتے ہوں۔“ اُس نے تھوک نگل کر جواب دیا۔

”تم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے....؟“

”جی نہیں۔“

اس کے بعد بھی فریدی نے ان سے بہت سے سوالات کیے اور ذی۔ ایس۔ پی اکٹائے ہوئے
راہ میں طرح طرح کے منہ بنا تاہم۔ آخر فریدی نے نوکروں کو رخصت کر دیا۔

”ہاں جتاب! اب فرمائیے۔“ ذی۔ ایس۔ پی نے پھر چکلی لی۔

”میں اسے اتفاقی حادثہ نہیں سمجھتا۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”اس وزنی تجوری کا
پنی جگہ سے جنتش کرنا بھی قریب قریب ناممکن سا ہے۔ جب تک کہ کئی ہاتھ نہ لگیں۔ دوسری
سوہنے میں یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اُسے پیچھے سے دھکیلا جائے۔ نشان تھاتا ہے کہ وہ
بیمار سے تقریباً ڈیڑھ فٹ کے فاصلہ پر رکھی ہوئی تھی۔ اتنی جگہ میں ایک آدمی بہ آسانی کھڑا
ہو سکتا ہے۔“

”اس حقیقت سے کس کا فرک کوانکار ہو سکتا ہے۔“ ذی۔ ایس۔ پی مسکرا کر بولا۔

”میں اسے قتل عدم سمجھتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرے ذہن میں کوئی چوراچکا نہیں ہے۔“
”میں نہیں سمجھا۔“ ذی۔ ایس۔ پی بولا۔

”مطلوب یہ کہ اشرف کی جان تجوری کی وجہ سے نہیں گئی بلکہ تجوری کو جان بوجھ کر اُس کی
نوکر فتح کر دینے کا ذریعہ بنایا گیا۔“

”وہ کس طرح....؟“

”بُس فی الحال میں اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اب میں آپ کے نظریے
کاٹنے بے چین ہوں۔“

”لیکن فی الحال آپ جو کچھ کہ رہے ہیں اُس کے لئے آپ کے پاس کوئی دلمل بھی ہے؟“
”کس طرح...؟“

”شہر یے میں ایک بار پھر ان نوکروں سے گفتگو کروں گا۔“ فریدی نے کہا اور کمرے سے کل ٹھیک ہے۔ حمید بھی اُس کے پیچھے تھا۔ ذی۔ ایس۔ پی نے اُسی کرے میں آگیا جہاں انپر چڑھ دیں۔ غیرہ تھے۔ تھوڑی دیر بعد فریدی پھر نوکروں سے استفسار کر رہا تھا۔

”خواب گاہ کی صفائی کون کرتا ہے؟“
”میں....!“ ایک نوکر بولا۔

”روزانہ....؟“
”جی ہاں۔“

”کیا تم نے کبھی خواب گاہ میں شیشے کی گولیاں دیکھی ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

کوت اور گولیاں

اس سوال پر نہ صرف حمید چونکا بلکہ دوسرا بھی فریدی کو تحریر آمیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ تو کر چند لمحے خاموش رہا۔ شاید وہ بھی اس غیر متوقع اور بظاہر اہم سوال کے متعلق غور کرنے لگا تھا۔

”شیشے کی گولیاں؟“ نوکر ہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ ”میں نہیں سمجھا کہ شیشے کی گولیوں سے آپ آپ کی کیا مراد ہے؟“
”شیشے کی گولیوں سے مراد صرف شیشے کی گولیاں ہیں۔ ایسی گولیاں جو سوڈا اور اڑکی بوتلوں میں ہوتی ہیں۔“

”جی نہیں اس قسم کی گولیاں گھر میں کبھی نہیں تھیں۔“

”خواب گاہ کی صفائی کرتے وقت بھی کبھی تمہاری نظروں سے نہیں گزریں؟“

”جی نہیں.... کبھی نہیں۔“
”کل تم نے صفائی کی تھی؟“
”جی ہاں۔“

”لیکن فی الحال آپ جو کچھ کہ رہے ہیں اُس کے لئے آپ کے پاس کوئی دلمل بھی ہے؟“
”میں دلیل کے بغیر کبھی کوئی بات نہیں کہتا۔“

”میں وہ دلمل سننا چاہتا ہوں۔“ ذی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

”تجھوڑی خود سے نہیں گر سکتی اور نہ اشرف اتنا حق تھا کہ خود سے اُسے اپنے اوپر گالیا۔“
”اُس کا اعتراف میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔“

”ستے جائے۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں سارے امکانات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ فرض کیجئے وہ کوئی چور تھا۔ اُس نے چوری کی نیت سے تجوہی کھولنی چاہی۔ اتنے تھے اشرف کی آنکھ کھل گئی لیکن قبل اس کے کہ وہ چور کو دیکھتا چور تجوہی کے پیچے چھپ گیا۔ اشرف نے اُسے دیکھے ہی لیا جیسے ہی وہ تجوہی کی طرف چھپتا، چور نے تجوہی اُس پر دھکیل دی اشرف اُس کے پیچے دب گیا۔ لیکن آپ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اُس کا سر تجوہی کی طرف۔ اور وہ اوندھا پڑا ہے۔ حالانکہ تجوہی کا دھکا لگتے ہی اُسے چٹ گرنا چاہئے تھا۔ اس صورت میں اُس کا سر پلنگ کی سوت ہوتا اور شاید اُس کی تانگلیں تجوہی کے پیچے دبی ہوئی۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ پلنگ سے اٹھتے اٹھتے ہی اوندھے منہ گر پڑا ہو۔“ ذی۔ ایس۔ پی نے کہا۔
”تو چلے بات بھی ختم ہو گئی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”قتل عدم ثابت ہو گیا۔“
”کیوں....؟“ ذی۔ ایس۔ پی بوکھلا گیا۔

”سید ہی سی بات ہے اُس کے گر پڑنے کے بعد چور فرار بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن اُس نے نہیں کیا۔ پہلے اُس نے تجوہی گرا کر اُسے کچل دیا پھر نکل بھاگا۔ اتفاقیہ حداثہ ہم اسے اُس وقت کہ سکتے تھے جب ان دونوں کی جدوجہد کے دوران میں تجوہی دھکا لگتے کی بناء پر اُس پر آگر تی اور اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب وہ تجوہی کے پیچھے والی دیڑھ فٹ چوڑی بگد میں ہوتی اور یہ بالکل ناممکن ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ پیچھے ہوتے تو تاؤگے کی طرف گری ہوئی تجوہی کے پیچے وہ کو طرح دیتا۔“

ذی۔ ایس۔ پی کچھ نہ بولا۔ اُس نے شروع ہی سے اپنے خیالات کا انتہا نہ کر کے عق مندی کا شبوت دیا تھا۔

”لیکن....!“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”میں چور والی تھیوڑی کا تاکل نہیں ہوں۔“

”اچھا تو اب آپ الجھائیں گے اس معاملے کو۔“ ذی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

”الجھائے کا سوال ہی نہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے خ

می توہین اس نظریے کو تسلیم کر لیتا۔ اگر چورا تابی دیدہ دلیر تھا کہ بھاگ نکلنے کی بجائے اشرف کو پکل دینے کا منتظر رہا ہو تو وہ بعد کو تجوری سید ہی کر کے اسے کھول بھی سکتا تھا۔ نہیں جلدیش ماحب۔ وہ تجوری کے لئے یہاں ہرگز نہیں آیا تھا۔

”آپ کہتے ہیں کہ یہ کام اطمینان سے کیا گیا۔“ جلدیش نے کہا۔ ”تو آخر تجوری استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ گلا بھی گھونٹا جاسکتا تھا۔ ایک تیز و حارہ والا خیز۔“

”ٹھہر و....!“ فریدی اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”اس سث اپ کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ چور والا نظریہ ذہن نشین کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اُس نے تھوڑی سی علٹی کی۔ خیر ہاں تو یہ گولیاں۔“ فریدی نے جیب سے تین گولیاں نکالیں اور گفتگو جاری رکھی۔ ”بچھلی رات یہاں اُسی بیٹری گولیاں رہی ہوں گی جنمیں اشرف کو گرانے کے لئے استعمال کیا ہوگا۔“

فریدی نے گولیاں زمین پر ڈال دیں پھر نہ ملتا، ہوا کرے کے آخری سرے تک گیا۔ واپسی پر اُس کی رفتار تیز تھی۔ اُس کا ایک پیر انہیں گولیوں پر پڑ کر پھسلتا چلا گیا۔ اگر اُس نے توازن برقرار نہ کھا ہوتا تو گردی پڑا تھا۔

”تم نے دیکھا۔“ فریدی سنبھل کر جلدیش سے بولا۔ ”بیتری گولیاں پنگ کے قریب پڑی رہی ہوں گی۔ اُسے کسی تدبیر سے جگایا گیا اور جیسے ہی وہ جھپٹ کر اٹھا اس کا پیر گولیوں پر پھسل گیا اور اس کے گرتے ہی اُس پر تجوری دھکیل دی گئی۔ پھر بڑی احتیاط سے سارے شفات مٹائے گئے لیکن یہ گولیاں اتفاق سے الماری کے نیچے لڑھک گئی تھیں۔ ورنہ یہ بھی یہاں موجود نہ ہوتی۔“

”میں بھر عرض کروں گا کہ اتنی سی بات کے لئے اتنا جنہشت کیوں؟“ جلدیش نے کہا۔

”اگر قاتل تجوری ہی کے نیچے اُسے کچنا چاہتا تھا تو اُس نے گولیوں والا طریقہ کیوں اختیار کیا۔ کوئی نکہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اُس کا پیر نہ پھسلتا۔ اس سے زیادہ سید ہی سادی چیز تو کلور و فارم تھی۔ اطمینان سے اُسے بے ہوش کرتا پھر اُسے فرش پر ڈال کر تجوری گراوٹا۔“

”اور پھر و....!“ فریدی نظریہ لججے میں بولا۔ ”پوسٹ مارٹم کی روپورٹ کلور و فارم کی کہانی سننا دیتا اور قتل عدم ثابت ہو جاتا کیوں؟ اگر اُسے یہی کرتا ہوتا تو وہ اس سے بھی زیادہ سید ہی سادی چیز چھوڑی استعمال کرتا۔“

”عجیب معاملہ ہے۔“ جلدیش سر ہلا کر بولا۔

”بہر حال اس سارے سث اپ کا مطلب یہی ہے کہ قاتل خود بھی جانتا تھا کہ اُس پر شہبہ لجا سکتا ہے۔ اسی لئے اُس نے چور والا نظریہ ذہن نشین کرنا کی کوشش کی ہے۔“

”تب پھر شاید تم نے ملوسات کی الماری کے نیچے سے گرد نہیں نکالی تھی۔“

”صاحب ایک ایک کونہ صاف کرتے تھے اور الماری کے نیچے تو خاص طور سے روز یعنی لگانے پڑتے ہیں کیونکہ ایک بار اس کے پینڈے میں دیمک لگ جگہ ہے۔“

”اوہ.... لیکن تمہیں شیشے کی تین گولیاں نہیں دکھائی دی تھیں؟“

”قطعی نہیں حضور.... اگر دکھائی دیتیں تو مجھے جربت بھی ہوتی۔ کوئی نہ تو ہمارے پر کبھی نیچے آتے ہیں اور نہ ایسے سوڑے کی بو تلیں جن میں گولیاں ہوتی ہیں۔“

”ٹھیک کہتے ہو۔ آج کل شہر میں کوئی ایسی فیکٹری نہیں جو کراون کارک والی بو تکوں علاوہ کسی اور قسم کی بو تکوں میں سوڈا بھرتی ہو۔ اچھا تم جاسکتے ہو۔“

نوكر چلے گئے۔ فریدی فاتحانہ نظریوں سے ڈی۔ ایس۔ پی۔ ٹی کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے فوٹو گرافر بھی آگئے اور انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ ڈی۔ ایس۔ پی۔ ٹی نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ حالانکہ حمید بڑی طرح الجھ رہا تھا۔ آخر ان گولیوں کا مطلب، فریدی کس نتیجے پر پہنچا ہے واردات کے متعلق حقیقت اُس کا نظریہ کیا ہے۔

جب فوٹو گرافر اپنا کام ختم کر چکے تو ڈی۔ ایس۔ پی۔ بھی لاش اٹھوانے کا حکم دیتا ہوا چلا۔ فوٹو گرافروں کے ساتھ ڈاکٹر بھی آیا تھا۔ بہر حال حمید اس کے بعد کرے میں جانے کی ہے نہیں کر سکتا۔ تجوری اٹھنے کے بعد وہ اُس لاش کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اپنے اتنے دنوں کے تجربہ دور میں شاید ہی اُس نے کبھی اتنی کمزوری کا احساس کیا ہو۔

لاش اٹھ جانے کے بعد ہی وہ اس کرے میں جا سکا۔ اب کرے میں صرف فریدی اور اُن جلدیش کی طرف مڑ کر بولا۔

”کیا تمہارے کو قاتل صاحب نے کوئی نظریہ قائم کیا تھا....؟“

”جی ہاں.... وہی چور والی بات۔ اُن کا خیال ہے کہ اشرف نے جاگ کر چور پکڑ لیا۔“ دنوں میں جدوجہد ہوئی اور نتیجے کے طور پر تجوری اُس پر آرہی۔

”لغو....!“ فریدی سگار سلاگا تا ہوا بولا۔ حمید کو فریدی کے سکون اور اطمینان پر جسم ہو رہی تھی۔ کیا اُس کی نظریوں میں لاشوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی۔ خواہ وہ اپنے آدمیوں ہوں خواہ غیروں کی وہ اُن سے ذرہ برا بر بھی متاثر نہیں ہوتا تھا۔

فریدی چند لمحے تجوری کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”تجوری مغلل ہے۔ اگر یہ کھلی ہوئی“

”تم کیوں نہیں جاتے۔ مجھے خاکی وردیوں سے ہول آتا ہے۔“

”ذرنے کی کیا بات ہے چلے جاؤ۔ میں دراصل اب اُس کمرے میں نہیں جانا چاہتا۔ میرادم

”بھی اشرف۔ کر دشمن کی حیثیت سے واقف ہوں گے۔“

”وسرے لمحے میں حید کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ دونوں بوکھلا کر کھڑے ہو گے۔ حید سے

”واچی طرح واقف تھے۔“

”تم کیا کہنا چاہتے تھے؟“ حید نے پوچھا۔

”صاحب! یہ کوٹ۔“ ایک نوکرنے اپنے سامنے پڑے ہوئے کوٹ کی طرف اشدہ کر کے کہا۔

”میں راہداری میں پڑالا ہے۔ پتہ نہیں کس کا ہے۔ گھر میں تو اس قسم کا کوئی کوٹ کبھی نہیں تھا۔“

”حید نے کوٹ ہاتھ میں انٹھایا۔ معمولی گرم کپڑے کا پرانا کوٹ تھا۔“

”میرے ساتھ آؤ۔“ حید بولا۔

فریدی نے بھی اس کوٹ کو حیرت کی نظروں سے دیکھا۔

”تمہیں یقین ہے کہ یہ پہلے گھر میں نہیں تھا...؟“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں.... صاحب! کبھی گھنیا کپڑے نہیں پہنچتے تھے۔“ تو کرنے جواب دیا۔

فریدی جیسیں ٹوٹنے لگا۔ وسرے لمحے میں اُس کے ہاتھ میں ایک نیلے رنگ کا شاخاتی کارڈ

خاور جیسے ہی اُس نے اُس کی تہہ کھوئی۔ اُس کی آنکھوں سے حرمت ظاہر ہونے لگی۔

”یہ تو یونیورسٹی کا کوئی طالب علم ہے۔“ اُس نے حید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”کیا ان لوگوں

میں سے بھی کوئی زیرِ تعلیم ہے؟ ادھر آؤ یہ دیکھو۔“

حید اور جکد لیش دوسرے اُس کی طرف بڑھے۔ فریدی نے کارڈ پر چلکی ہوئی تصویر اُن کے

ماننے کر دی۔ یہ ایک نو عمر آدمی کی نصف تصویر تھی۔ جس کے نیچے تحریر تھا۔ ”شاہد جمیل

ذر تھا ایز ارٹ۔“ حید کے لئے یہ چہرہ بالکل نیا تھا۔ وہ ان پانچ آدمیوں میں سے نہیں تھا۔

فریدی حید سے نفی میں جواب پا کر نوکروں کی طرف متوجہ ہوا۔

”کیا یہ آدمی تمہارے صاحب کے دوستوں میں سے تھا...؟“

”پتہ نہیں۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔“ ایک نوکرنے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”وسرے نے بھی لا علیٰ کااظہار کیا۔“

”تم نے اس کوٹ میں سے کوئی اور چیز تو نہیں نکالی....؟“

”نہیں صاحب.... ہم نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔“

”چلے اب آئی مصیبت....!“ جکد لیش مسکرا کر بولا۔ ”اب ہمیں کسی ایسے آدمی کو ڈھونڈنے پڑے گا جس سے اشرف کی دشمنی رہی ہو اور وہ یقیناً ایسا ہی آدمی ہو گا جس سے کچھ دوسرا لوگ

بھی اشراف۔ کر دشمن کی حیثیت سے واقف ہوں گے۔ ورنہ پھر اسے بھیجاں لیے جانے کا غیرہ اللہ لکھتا ہے۔“

”ہو ہی نہیں سکتا۔“

”تمہارا خیال درست ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اس میں بھی ایک دوسری صورت ہو سکتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ سب کچھ قتل کا مقصد چھپانے کے لئے کیا گیا ہو۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”تم نے شاید آج کا نیو اسٹار نہیں دیکھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس میں اشرف اور روحی کی خبر آئی ہے اور اُن کی تصویریں بھی شائع ہوئی ہیں۔“ ممکنی کا اعلان کل شام کو ہوا تھا۔

”اوہ....!“ جکد لیش یک بیک اچھلا ہوا بولا۔ ”رقابت! بھی کہنا چاہتے ہیں تا آپ؟“

”اس کے بھی امکانات ہو سکتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”بہر حال آپ اس کیس میں دلچسپی لیں گے۔“ جکد لیش بولا۔

”مجھے لینی ہی پڑے گی۔ تم جانتے ہو کہ وہ میرے کتنے قریبی دوستوں میں سے تھا۔“

”تواب میرے خیال سے اس مکان کو مقفل کرنا پڑے گا۔“ جکد لیش نے کہا۔

”اشرف کا کوئی.... وارث....؟“

”میرا خیال ہے اور وہ کی ماں کے علاوہ اور اُس کا کوئی قریبی عزیز نہیں ہے۔“

”وہی اشرف کی مگنیٹر....؟“

”ہاں.... وہی....!“ فریدی ایک طویل سانس لے کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”آپ بالکل خاموش ہیں۔“ جکد لیش نے حید کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مجھے صدمہ ہے۔ گہرا صدمہ... اور حقیقت تو یہ ہے کہ ابھی میں اس مجھے کے قابل نہیں ہوں۔“

اس جملے پر فریدی نے حید پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اُس کا

بالکل ساٹ تھا۔ اُس پر غم کے آثار تھے اور نہ تشویش کے۔ تھوڑی دیر بعد وہ حید کی طرف

کر بولا۔ ”ذر اُن نوکروں کو پھر بیاوا۔ میں کچھ اور پوچھوں گا۔“

”حید چلا گیا۔ وہ چونکہ یہاں سیکنڈوں بار پہلے بھی آچکا تھا اس لئے وہ جانتا تھا کہ نوکر

کرے میں ملیں گے۔ کرے کے دروازے پر دھنکتا۔

”دیکھو! چلے جاؤ۔“ ایک نوکر غالباً دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ ”پتہ نہیں یہ کس کا ہے۔“

فریدی چند لمحے کم سوچتا رہا۔ پھر جگدیش کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”سوال یہ ہے کہاں مجرم ہی کا ہے تو وہ اسے بیہاں اتنی لاپرواہی سے کیوں چھوڑ گیا اور اس میں ایک ایسی چیز بھی دی جو اس نک پولیس کو نہایت آسانی سے پہنچا سکتی ہے۔“

کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”آخر یہ کوٹ آیا کہاں، اگر یہ قاتل ہی کا ہے تو مجھے حیرت ہے۔ وہ جس نے اتنی احتیاط سے سارے نشانات ملا رکھ کی... ایسی فاش غلطی کس طرح کر سکتا ہے۔ جگدیش صاحب تمہارے آفیسر کا خدا صحیح تھا کہ میرا ہاتھ لگتے ہی معاملات چیجیدہ ٹکل اختیار کر لیں گے۔“

”مجھے بڑی گھنٹن محسوس ہو رہی ہے۔“ دفعتاً حمید نے کہا۔ ”میں بیہاں زیادہ دیر تک اپنے سکنا نہیں تھا۔“

”تم جاسکتے ہو۔ تمہارے لئے ایک کام نکل آیا ہے۔ یہ شاخی کارڈ لے کر یونیورسٹی جا حالانکہ آج اتوار ہے لیکن تم پراکٹس سے مل کر اس لڑکے کے متعلق تفصیلات حاصل کر سکو۔“ ممکن ہے آفس بھی کھلا ہو۔ اگر لڑکاڑے اسکا رہا تب بھی تم اس کے داخلے کے قارم سے اپنے معلوم کر لو گے۔“

حمد شاخصی کارڈ لے کر چلا گیا۔

”ہمیں نشانات کیلئے اس کرے تک مدد و نہیں رہنا چاہئے۔“ فریدی نے جگدیش سے کہا وہ اس کرے سے نکل کر نشست کے کرے میں آئے۔ یہ کرہ پیر ونی دروازے راہداری کے بالکل سرے پر تھا۔

”کیا اس کرے کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا تھا...؟“ فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔ ”بھی نہیں... ہم میں سے کسی نے بھی دوسرے کردوں کی طرف دھیاں نہیں دیا۔“ ”کوٹ تھیں کہاں ملا تھا...؟“ فریدی نے پلٹ کر نوکر سے پوچھا۔

”بیہاں... اس جگہ۔“ نوکرے کے دروازے کے سامنے کی جگہ کی طرف اشارہ کیا ”اوہ...!“ فریدی نے جگدیش کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”میں بھی اوہرہی سے گزر کر اندر تھا لیکن میری نظر اس پر نہیں پڑی۔ ظاہر ہے کہ تم لوگوں نے بھی اسے نظر انداز کر دیا تھا۔“ ”واقعی! مجھے حیرت ہے۔“ جگدیش بولا۔

”کیا وہ کوٹ ہمارے آنے کے بعد ملا تھا...؟“ فریدی پھر نوکروں کی طرف مڑا۔ ”جی ہاں...!“ ایک نوکرنے کاہ۔ فریدی نے دوسرے کی طرف دیکھا جو اس کی نظر وہ کوٹ والے واقعے کے بعد سے دوسر انوکر بھی بہت زیادہ سر ایسے نظر آنے لگا تھا۔ پہلے کی

بہب نہ لا کر کانپ گیا۔ اس کے انداز میں پچھا چھٹت تھی۔
”میا تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو....؟“ فریدی نے زم لجھ میں اس سے کہا۔
”جج... جی.... مم.... مجھے صحیح ہی ملا تھا۔“

”تو تم نے اسے چھپایا کیوں؟“ فریدی کی تیز نظریں پہلے نوکر کے چہرے پر جم گئیں۔
”میں کچھ نہیں جانتا صاحب۔ اس نے مجھ سے جو کچھ بتایا میں نے آپ سے کہہ زیادگی تپڑہ نہیں تھا۔“

”کیوں....؟“ فریدی نے دوسرے سے کہا۔ ”تم نے پہلے ہی پچھی بات کیوں نہیں بتائی؟“
”میں بھول گیا خاص کار۔... میں نے اسے اٹھا کر اپنے کرے میں ڈال دیا تھا۔ آج ہوش تو
ٹکانے نہیں۔“

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر نوکروں سے بولا۔ ”اب جاؤ لیکن گھر سے باہر نہیں...
ہو سکتا ہے کہ پھر تمہاری ضرورت پڑے۔“

وہ کرے میں داخل ہو چکے تھے۔ فریدی نے چاروں طرف اچھتی سی نظر ڈالی اور جگدیش سے بولا۔ ”اس کوٹ کے متعدد تمہاری کیوارے ہے؟“

پھر وہ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر صوفوں کے درمیان رکھی ہوئی چھوٹی میز کے پابوں کی طرف بچک گیا۔

”اس کوٹ نے مجھے بھی چکر میں ڈال رکھا ہے۔“ جگدیش نے کہا اور اس کے بعد بھی کچھ کھٹکتے رک گیا کیونکہ اس نے فریدی کو فرش سے کوئی چیز اٹھاتے دیکھ لیا تھا۔ یہ ایک رومال تھا جسے فریدی غور سے دیکھ رہا تھا۔

”آہم...!“ فریدی آہستہ سے بڑا بڑا۔ ”لپ اسک کے دھبے۔ ایک کونے پر حرف آر ”R“ کڑھا ہوا ہے۔“

جگدیش تیزی سے فریدی کی طرف بڑھا۔ فریدی نے رومال میز پر ڈال دیا تھا اور اب پھر فرش پر جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔ جگدیش نے رومال اٹھالیا جس سے ایونگ ان پیرس کی بھین بھنی خوبصورتی اور اس پر واقعی کئی جگہ لپ اسک کے دھبے تھے۔
ٹھوڑی دیر بعد فریدی پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس نے جگدیش سے کہا۔ ”ذرا نوکروں کو پھر آواز دینا۔“
کوٹ والے واقعے کے بعد سے دوسر انوکر بھی بہت زیادہ سر ایسے نظر آنے لگا تھا۔ پہلے کی

بیٹھا ہوتا تو کم از کم ایک سگریٹ کا نکل رہا تو صورت ہی ایش ٹرے میں ہوتا اور یہاں فرش پر بھی کہیں
سگریٹ کی راکھ نہیں دکھائی دیتی۔

”اچھا وہ عورت.....؟“ جلد لیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا آپ اس رومال کی وجہ سے عورت
کے متعلق سوچ رہے ہیں؟“

”ہرگز نہیں۔ وہ رومال کسی مرد کا بھی ہو سکتا ہے اس بناء پر اسے کسی عورت کا نہیں سمجھا
جا سکتا کہ اس پر لپ اسٹک کے دھبے ہیں۔“

”پھر عورت کا وجود کس طرح ثابت ہوتا ہے؟“ عورت کے متعلق محض قیاس ہے۔
”ذرا شہرو۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”عورت کے متعلق سوچ قیاس ہے۔
لینیں کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے یہ ہیسٹر پن مجھے میر کے پائے کے نیچے دبا ہوا ملا ہے۔ میں
کہہ نہیں سکتا کہ اس کا تعلق کل رات ہی کو آنے والوں سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پہلے بھی کا
ہو۔ نوکر صفائی کرتے وقت اسے نظر انداز کرتے رہے ہوں۔“

جلد لیش ہیسٹر پن کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا۔ سیاہ رنگ کا معمولی سامنہ ہیسٹر پن تھا۔ پھر اس نے
اسے بھی رومال کے قریب ہی میز پر ڈال دیا۔

فریدی نے شروع سے آخر تک سارے کروں کا جائزہ لینے کی مہم شروع کر دی تھی۔ تقریباً
وھنئے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسی دوران میں ڈی۔ ایس۔ پی۔ سی ایک محسریٹ کے ساتھ دوبارہ
ہاں پہنچ گیا تھا اور اب شاید مکان کو سرکاری طور پر مقلد کر دیئے جانے کے سلسلے میں کارروائی
شروع ہونے والی تھی۔ فریدی نے ڈی۔ ایس۔ پی سے کوئی گفتگو نہیں کی اور اس نے جلد لیش کو
بھی اپنی چھان بین کے متعلق کچھ بتانے سے منع کر دیا۔ اپنی تحقیقات مکمل کر لینے کے بعد وہ دہاں
سے روانہ ہو گیا۔ حمید گھر پر اس کا منتظر تھا۔

”لڑکا ہو ٹھر نہیں ہے۔“ حمید نے اپنی تفتیش کے متعلق بتانا شروع کیا۔ ”شرما ستریٹ کی
ایک عمارت شکر لاج کے چودھویں فلیٹ میں رہتا ہے۔ میں وہاں بھی گیا تھا لیکن وہ موجود نہیں
تمل بڑو سیوں سے میں نے نہیں کی۔“

”خیر پھر دیکھیں گے۔“ فریدی بولا۔ ”مجھے اس کا کوٹ بھی میں ڈال رہا ہے۔ اگر صرف
شاخنی کارڈ کہیں پڑا ہوا ملت تو کوئی بات نہ تھی۔ تم خود سوچ جس نے اتنے اطمینان سے واردات کی
بودا پنا کوٹ وہاں کس طرح چوڑ سکتا ہے۔ نہ صرف کوٹ بلکہ شاخنی کارڈ بھی۔“

حمدیکچھ نہ بولا۔ اس کا سر نبڑی طرح چکر رہا تھا۔ اشرف کی پچکی ہوئی ایش اس کی آنکھوں
چین اسکو کھڑا۔ ایک سگریٹ سے وہ اسٹری سلاگانے والا۔ اگر وہ یہاں آگر ان دونوں کے ساتھ

حالت تو خیر شروع ہی سے ابتر تھی۔

”کیوں بھی.... اس کمرے کی صفائی کب سے نہیں ہوئی؟“ فریدی نے ان سے پوچھا۔

”کل شام ہی کوئی نہ صاف کیا تھا۔“ ایک نے کہا۔

”اچھی طرح یاد ہے۔ سوچ کبھی کر جواب دینا۔ یہ بہت اہم ہے۔“

”جی ہاں.... ہمارے معمول میں کبھی فرق نہیں آتا۔“

”اور کل شام سے رات تک تمہاری موجودگی میں کوئی اشرف سے ملنے نہیں آیا۔“

”جی نہیں.... مجھا اچھی طرح یاد ہے اور صاحب کا بھی کہیں جانے کا رادہ نہیں تھا کیونکہ
انہوں نے ہماری موجودگی ہی میں سونے کے کپڑے پہن لیے تھے۔“

”جلد لیش یہ بات اہم ہے۔ اسے نوٹ کرو۔“ فریدی نے کہا اور پھر نوکروں سے خاطر
ہو گیا۔

”خاتون رو جی یہاں کبھی آتی ہیں؟“

”جی ہاں اکثر....!“

”اکثر خلاف تو قurrat میں بھی آتی ہوں گی؟“

”جی نہیں ایسا اتفاق تو کبھی نہیں ہوا۔“

”ہوں.... کوئی اور.... میرا مطلب ہے جان پچاں کی دوسرا عورت تھی....؟“

”کبھی نہیں....!“ نوکر کا لہجہ ناخوشنگوار ہو گیا۔ ”صاحب ایسے آدمی نہیں تھے۔“

”ہوں اچھا....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”جاو۔“

نوکروں کے چلے جانے کے بعد فریدی جلد لیش سے بولا۔ ”اگر نوکر کا بیان صحیح ہے کہ کل
شام کو اس نے اس کمرے کی صفائی کی تھی تو بھی یہاں کوئی آیا تھا۔ شاید کوئی عورت.... ایک
مرد کا وجود بھی تاثر ہوتا ہے لیکن وہ اشرف نہیں ہو سکتا۔“

”کیسے.... کس طرح؟“

”یہ سگار کی راکھ.... یہ رہی.... اوہر دیکھو.... اشرف سگار نہیں پیتا تھا۔ بلکہ میں تو یہاں
تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اشرف ان دونوں کی موجودگی میں اس کمرے میں آیا ہی نہیں۔“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟“

”ایک ذاتی تجربے کی بناء پر.... دیکھو میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے بالکل خالی ہے اور اشرف
چین اسکو کھڑا۔ ایک سگریٹ سے وہ اسٹری سلاگانے والا۔ اگر وہ یہاں آگر ان دونوں کے ساتھ

کے سامنے آ جاتی تھی۔

شی کہانی

شام خو شگوار ضرور تھی لیکن حمید کا دل کچھ بجھا ہوا تھا۔ فریدی نے کہی بار اُسے موڈیں بڑھوڑو سے ہمیں تعزیت کیلئے روحی کے بیہاں چنانے ہے۔ وہ تو تمہیں اچھی طرح پہچانتی ہو گی؟“
لانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ناکام رہا۔

ہر وقت تھیئے لگانے والوں پر حالانکہ کسی غم کا اثر دیر پا نہیں ہوتا لیکن پھر بھی وہ تھوڑا سامنے اگلیز واقعہ ان کے لئے جاں گسل ہوتا ہے۔ کہ کچھ دیر کے لئے ان کی رجائیت کی بنیاد میں تکمیل جاتی ہیں۔

وہ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں نہیں رہا تھا۔ یکایک وہ برآمدے میں نکل آیا جہاں فریدی کا آرام کر سی پر لیٹا۔ انکھیں بند کیے سوچ رہا تھا۔ بجھا ہوا سگار اُس کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔

”کیا آپ سورہ ہیں....؟“ حمید نے اُسے مخاطب کیا۔ فریدی چونکہ اُس کی طرف دیکھنے لگا اور پھر خفیف سی سکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر کبھی مجھے اسی قسم کوئی حادثہ پیش آیا تو شاید تم بھی میرے ساتھ جاؤ گے۔“

”میرے بات چھوڑیے۔“ حمید جھپٹلا کر بولا۔ ”آخر آپ اس ردمال کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں؟“

”نہیں میں اسے نظر انداز میں کر رہا ہوں۔“ فریدی بجھا ہوا سگار سلاک کر بولا۔ ”ویسے کہ تمہارا خیال ہے کہ وہ روحی کا ہو سکتا ہے؟“

”روحی؟“ حمید نے اسامنہ بنا کر بولا۔ ”اس کیس میں کہیں نہ کہیں روحی کا قدم ضرور ہے اور میں ریاض اور رشید کو بھی نظر انداز کرنا نہیں چاہتا۔“

”ریاض اور رشید سے میں واقف ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن وہ بقیہ تم کون ہیں؟“ ”صابر، مسعود اور فیض لیکن ان تینوں کے اشراف سے بھی تعلقات تھے۔ ریاض اور رشید سے اُس کا کہی بار جھگڑا ہو چکا ہے۔“

”خوب....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اور ان دونوں ہی کے ناموں کے پہلے حروف ”آر“ ہیں۔ روحی کو بھی شامل کرو۔ اب ترکے کے طور پر اشرف کا سارا اتنا شہ روحی کے خاندان

نمیا ہے گا۔ روحی اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی ہے۔ لہذا جس کے ساتھ روحی کی شادی ہو گی وہی
اُنہوں کی دولت کا بھی مالک ہو گا۔ کیوں؟ بھی سوچ رہے تھے تا....؟“
”بیہاں میں غلط سوچ رہا تھا....؟“ حمید جھلک کر بولا۔

”میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ایک احتیت سے احمد آدمی بھی یہی سوچے گا۔“

”میں تعزیت کیلئے روحی کے بیہاں چنانے ہے۔ وہ تو تمہیں اچھی طرح پہچانتی ہو گی؟“
”اچھی طرح! لیکن میں اُس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔“

”آخر کیوں؟“ فریدی نے جربت سے کہا۔

”بس یو نہیں۔ پتہ نہیں کیوں۔ اگر میں کوئی سید ہی سادی وجہ بیان کروں گا تو آپ نفیاٹی
کو نظر سے روحی کے ذہن کی جزیں مٹو لے لگیں گے۔“

”میں سمجھا۔ تمہیں اُس کے پانچ عدد عاشقوں پر اعتراض ہے۔“

”مجھے پانچ سو سے بھی غرض نہیں لیکن روحی۔ وہ کیوں بیک وقت چہ آدمیوں میں دلچسپی
لے رہی تھی؟“

”اوو ہوں.....!“ فریدی فتحی میں سر ہلا کر بولا۔ ”چھ آدمی نہ کہو بلکہ اُس کی چھ پسندیدہ
لف قسم کی خصوصیات کہو جاؤ ان میں سے ہر ایک میں موجود تھیں۔ خیر اس کی بحث فضول ہے۔

”لائم روحی کے بیہاں چلنے کے لئے تیار ہو۔“

حمدید راستے میں بھی روحی کے بیہاں جانے کے خلاف احتجاج کرتا رہا۔ اس کی ایک وجہ اور

لی تھی۔ اسے دراصل کہیں رسمی تعزیت کے سلسلے میں جانے میں بہیش کوفت ہوتی تھی۔

رنے والے کے متعلق اظہار غم کرتے وقت بخانے کیوں وہ خود کو احمد محسوس کرنے لگتا تھا۔

”خیر اگر تم نہیں چاہتے۔“ فریدی آخر کار بولا۔ ”تو ہم فی الحال شاہدِ جیل کو دیکھیں گے اور
ریاض غلطی نہیں کر رہا ہوں تو وہی اس سلسلے کی سب سے اہم کڑی بھی ہو سکتا ہے۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔ ”تم جس شدت سے ہستے ہو اُسی شدت سے
اُب غم کا بھی حلہ ہوتا ہے۔ میں اسے کسی فرد کی شخصیت کی ایک بہت بڑی کمزوری سمجھتا ہوں۔“

”میں آپ کی طرح پتھر نہیں ہوں۔“

”نہیں ہو تو بنیت کی کوشش کرو اور تمہارا یہ خالی غلط ہے کہ میں ایسے حادثات سے متاثر
نہیں ہوتا لیکن میں نے بڑی محنت سے اپنے اعصاب کو فولاد بیالیا ہے۔“

”مجھے اس قسم کی محنت مزدوری قطعی پسند نہیں۔“ حمید نے جل کر کہا۔ ”ویسے میں نے

ساتھیوں کی موت پر معموم ہونے کا عصر کتوں کی زندگی میں بھی پایا ہے۔
”اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ کتنے کم طرح آدمی نہیں بن سکتے۔“
”خیر چھوڑیے.... میں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا۔“

”بُن اتنے ہی میں تمہارے صحت مند نظریات نے دم توڑ دیا۔“ فریدی نے طنز آمیز لمحہ میں کہا۔ ”ساری زندگی دلی ایک ہی جھٹکے میں رخصت ہو گئی۔ حمید صاحب تقبہ دراصل وہی ہے جو آنسوؤں کے سمندر میں تیرتا ہوا ہونٹوں تک آتا ہے۔“

حمد خاموش رہا۔ اس کے بعد فریدی بھی اسی وقت بولا جب وہ شرما اسٹریٹ کی شنکر لانہ کے سامنے پہنچ گئے۔

”غالباً چودھوال فلیٹ اور پری منزل پر ہو گا؟“

”ہاں....!“ حمید نے سر ہلا دیا۔ فریدی نے کیدی فٹ پاٹھ سے کیدی فٹ پاٹھ سے لگادی اور وہ دونوں اتر کو اپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگے۔

”یہی ہے۔“ حمید نے ایک جگہ رک کر دروازے سے لگی ہوئی نیم پیٹ کی طرف اشارہ کیا جس پر ”شہاب جمیل“ تحریر تھا۔ فریدی نے بند دروازے پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی جو باہر سے مقفل نہیں تھا۔ کھڑکیوں کی درزوں سے اندر کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

حمد نے دروازے پر دستک دی۔ دوسرے لمحے میں اندر قدموں کی چاپ گوچی اور دروازہ کھل گیا۔

”شہاب جمیل صاحب۔“ فریدی نے آگے بڑھ کر آہستہ سے پوچھا۔

”جی ہاں.... فرمائیے۔“ دروازے میں کھڑے ہوئے نوجوان نے کہا۔

”ہم نے آپ ہی کے لئے آپ کو تکلیف دی دی ہے۔ غالباً آپ کاشناختی کا رہ کھو گیا تھا۔“

”اوہ....!“ وہ چوک کر بولا۔ ”جی ہاں.... جی ہاں۔“

”یہ بیجے۔“ فریدی نے جیب سے کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”ہمیں واقعی اس کے سلسلے میں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔ یونورٹی گئے۔ وہاں سے آپ کا پتہ حاصل کیا اور اب بیہاں پہنچ گیں۔“

”اوہ! اندر تشریف لائیے جناب۔“ واقعی آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ ”واہ نہیں راست دینے کے لئے پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ وہ دونوں اندر چلے گئے۔ کمرے کے رکھ رکھاؤ سے فلیٹ کا مالک متوجه کا فرد معلوم ہوتا تھا۔

”آپ نے ناقص اتنی تکلیف اٹھائی۔“ شاہید پڑھتا ہوا بولا۔ ”اسے یونورٹی کے آفس میں جمع لرادیا ہوتا۔ مجھے مل جاتا۔ بہر حال میں شکر گزار ہوں۔“

”آپ کا یہ کارڈ کب کھویا تھا....؟“ فریدی نے اس کے چہرے پر نظر جائے ہوئے پوچھا۔ ”کئی دن ہوئے۔ غالباً تین چار دن لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ ”ہوں....!“ فریدی نے اپنی بلل میں دبا ہوا بذل نکال کر زانوں پر رکھ لیا پھر اخبار کی وہ تہہ کھولنے لگا جو اس پر لپی ہوئی تھی۔

”اور یہ کوٹ کب کھویا تھا مسٹر شاہید....؟“ اس نے کہا۔

شاہید یک لخت اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن وہ دوسرے ہی لمحے میں پھر کری میں گر گیا۔ اس کی سانس چھول رہی اور آنکھیں فریدی کے چہرے پر جبی ہوئی تھیں لیکن جس تیزی سے اس نے اپنی حالت پر قابو پایا وہ کم از کم حمید کی نظریوں میں تو قابل تعریف ہی تھی۔ ”میں سمجھا۔“ وہ فریدی کو گھورتا ہوا بڑھ بڑھا۔ ”تم مجھے دھمکی دیتے آئے ہو لیکن سن لو۔ میں آج تک کسی سے مرعوب نہیں ہوا.... سمجھے۔“

”یہ صفت قابل تعریف ہے۔“ فریدی نے مکرا کر کہا۔ ”اور جو کچھ تم سے کرتے بن پڑے کرو.... میں تم سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔“

حمد نہ اٹھے میں آگیا۔ اس قسم کی گفتگو سننے کی ہرگز توقع نہیں تھی۔

”تو یہ کوٹ تمہارا ہی ہے۔“ فریدی نے اسے گھوڑتے ہوئے کہا۔

”ہاں ہاں! میرا ہی ہے۔“ شاہید اٹھتا ہوا بولا۔ حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔ لیکن فریدی بدستور کری کے ہتھ پر جھکا ہوا اسے توجہ اور دلپتی سے دیکھتا رہا۔

شاہید نے دیوار سے لگے ہوئے پینٹر پر سے ایک دوسرے کوٹ اٹارا اور اسے فریدی کی طرف اچھاتا ہوا بولا۔ ”اسے لے جاؤ اور اس سے زیادہ کا مطالبه تو مجھ سے نہیں کر سکتے۔ میرے ساتھ تم اتنا ہی کر سکتے ہو کہ مجھے بھلانے کے لئے آج کچھ زیادہ پی جاؤ۔“

”مسٹر! تمہارے حواس قابو میں ہیں یا نہیں؟“ حمید تیز لمحہ میں بولا۔ ”یا تم اب وہی پرانی اور لندی مدیر اختیار کرنے والے ہو۔ پاگل بننے سے کام نہیں چلا کرتا۔ تم جیسے لوگوں کا باقاعدہ طور پر بھی معاف نہ کیا جاتا ہے۔“

”بھی معاف نہ کر سکتا کرو۔“ شاہید نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ ”تم جو پوری سوسائٹی کے لئے امور کی مشیت رکھتے ہو۔“

اگر فریدی نے اُسے گھوڑتے ہوئے کہا۔
”یہ بھی کر کے دیکھ لو۔“ شاہد نے بے پرواٹی کے انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی۔
”اس میں شک نہیں کہ تم ایک دلیر لڑکے ہو لیکن کبھی کبھی دلیری دراصل حماقت ثابت ہوتی ہے۔“

شاہد کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے سے ذہنی کٹکش صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

”ختم کیجئے یہ قصہ....!“ حمید ہنگڑی پر ہاتھ مار کر بولا۔

”ٹھہر و...!“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”صاحبزادے شاید کسی غلط فہمی میں بتلا ہیں۔“

”آپ کون ہیں؟“ شاہد نے پھر سہی ہوئی آواز میں پوچھا۔ اُس کی عجیب حالت تھی۔ کبھی وہ خوفزدہ نظر آتا تھا اور کبھی نثار اور بے باک۔

فریدی نے جیب سے اپنا زینٹنگ کارڈ نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

”میرے خدا....!“ وہ پھر یک بیک اچھل پڑا۔ کارڈ اُس کے ہاتھ سے گر گیا تھا اور خوفزدہ نظرؤں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”چھپلی رات اشرف کو کسی نے بے دردی سے قتل کر دیا۔“ فریدی نے کہا۔

”مم.... میں.... کچھ نہیں جانتا۔“

”تم رات اشرف سے ملتے تھے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں.... میں اُس سے کبھی نہیں ملا تھا۔ میں اُسے پیچا تاک نہیں۔“

”لیکن تم وہاں بچھلی رات کو تھے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم وہاں کیوں گئے تھے جب کہ اشرف سے تمہارے جان پہچان بھی نہیں تھی۔“

”رضیہ میری دوست ہے.... رضیہ اشرف۔“

”کیا بکتے ہو....؟“ دفتہ حمید چیخا۔

”چیخو مت....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

”رضیہ اشرف کو تم کب سے جانتے ہو؟“ فریدی نے شاہد سے پوچھا اور حمید کا منہ حیرت، کھل گیا۔

”دوڑھائی ماہ قبل ہماری ملاقات ہوئی تھی۔“ شاہد نے کہا۔

”اور تم برابر اُس سے ملتے رہتے تھے؟“

”مجیا ہاں.... وہ ایک خاص گمراہ سرسریہ دوست ہے۔“

”مشتر شاہد ہم یہاں قلمی قسم کے مکالموں کی مشق کرنے نہیں آئے۔“ فریدی نشک لجھ میں بولا۔ ”میکا تم کل رات کو راجس اسٹریٹ کی جاوید بلڈنگ میں تھے؟“

”قلعی چاہ پھر....؟“ شاہد نے تیزی سے کہا۔ ”بس کسی چیز کی چوری کا الزام لگا کر مجھے جبل میں بھجواد۔ میرے خیال سے اس کے لئے یہ کوٹ ہی کافی ہو گا۔“

شاہد نے اُس کوٹ کی طرف اشارہ کیا جو اس نے پینگر سے اُتار کر فریدی کی طرف پھیکا تھا۔ ”چوری نہیں پیدارے لڑکے۔“ فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”تم پر قتل کا الزام عائد ہو سکتا ہے۔“

”کیا....؟“ شاہد کے منہ سے چینی نکلی اور پچھلی آنکھوں سے فریدی کنیطرف دیکھنے لگا۔ ”قتل....!“ فریدی نے پھر اُسی انداز میں دہرایا۔

شاہد پہلے ہی کی طرح اس بار بھی کرسی میں ڈھیر ہو گیا تھا۔ لیکن حمید نے پھر اُسے سنجھا لیتے ہوئے دیکھا۔ اُس کی مسکراہٹ شروع میں توبے جان ضرور تھی لیکن رفتہ رفتہ پھر اُس کے چہرے کی تازگی لوٹ آئی اور آنکھیں چکنے لگیں۔

”خوب....!“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”اور کچھ کہنا ہے؟“

”اشرف خلیلی سے تم سے واقف تھے....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”میرے خیال سے یہ سب ڈل ہے۔“ حمید ہنگھلا کر بولا۔ ”میں ہنگڑیاں لگاتا ہوں۔“ ”ٹھہر و...!“ فریدی ہاتھ انداز کر مسکرا کر پھر شاہد سے بولا۔ ”تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟“

”آپ کون ہیں؟“ شاہد نے کہا۔ غالباً ہنگڑیوں کے نام پر پھر وہ اعصابی خلل کا شکار ہو گیا تھا۔ ”پولیس....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”تم ابھی اقرار کر چکے ہو کہ یہ کوٹ تمہارا ہے اور تمہیں اس کا بھی اعتراف ہے کہ تم چھپلی رات کو جاوید بلڈنگ میں تھے۔“

شاہد کچھ نہ بولا۔ وہ سہی ہوئی نظرؤں سے ہنگڑیوں کے اس جوڑے کو دیکھ رہا تھا جسے حمید نے اپنی جیب سے نکال کر زانوڈاں پر ڈال دیا تھا۔

”تم وہاں کیوں گئے تھے؟“ فریدی نے سوال کیا۔

”مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔“ شاہد اپنے خلک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہے بولا۔ ”اکثر پرانی ہنگڑیاں کبڑیوں کے یہاں بھی سنتے داموں میاں میاں جاتی ہیں۔“

”اگر تم سید ہی طرح میرے سوالات کا جواب نہیں دو گے تو دوسرا طریقہ اختیار کرو۔“

”مطلوب یہ کہ اشرف کووار اتحا اور اُس کے گھر میں کوئی عورت نہیں تھی۔“
”آپ مجھے پاگل نہیں بن سکتے۔“ شاہد پاگلوں کی طرح چین۔

غفلت کا نتیجہ

فریدی نے اخبار کا وہ نکلا اٹھایا جس میں شاہد کا کوٹ لپیٹ کر لایا تھا۔
”ہم آپ کو پاگل نہیں بنارہے ہیں۔“ فریدی نے شاہد سے کہا۔ ”لیکن اگر آپ نے کسی
وسرے کے سامنے کسی رضیہ اشرف کا تذکرہ کیا تو وہ آپ کو ضرور پاگل سمجھے گا۔“
”آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟“

”تم کئی بار یہ سوال کر چکے ہو اور میں کئی بار یہ جواب دے چکا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم
جسی واقعہ بھی مجھے بتا دو۔“ فریدی کے لمحے میں سختی تھی۔
”میں نے ابھی تک کوئی بات جھوٹ نہیں کی۔“
”تو پھر یہ اخبار جھوٹا ہو گا۔“ فریدی نے اخبار کا صفحہ اُس کی طرف بڑھادیا جس میں روحی اور
ثرف کی تصویر تھی۔

”مگر ٹھہر دو....!“ فریدی نے کہا۔ ”تم کہتے ہو کہ تم اشرف کو نہیں پہچانتے... خیر یہ
زرف اور اُس کی مگنیٹر کی تصویر ہے اور اشرف غیر شادی شدہ تھا۔“
”تب پھر یہ کوئی دوسرا اشرف ہو گا۔“ شاہد نے کہا۔
”اس کے ساتھ والی عورت کو پہچانتے ہو؟“
”نہیں....!“

”تب پھر واقعی وہ کوئی دوسرا اشرف ہو گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن یہی اشرف جاوید
لگ کا ملک تھا اور یہی اشرف قتل کیا گیا ہے اور اسی اشرف کے مکان میں تمہارا کوٹ ملا تھا اور
لادے کوٹ کی جیب میں تمہارا شاخ تھی کارڈ تھا۔“
”شاخ تھا کارڈ ہرگز نہیں ہو سکتا۔“ شاہد تھوک ٹکل کر بولا۔ ”وہ کئی دن قبل گم ہو گیا تھا۔“
”رضیہ تم سے روز ملتی تھی؟“
”جی، بال۔“

”ست مر سیدہ کیوں؟“ فریدی اپنی چینیں ٹوٹتا ہوا بولا۔

”یہ رضیہ کاراز ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں کسی قیمت پر نہ بتا سکوں گا۔“
فریدی اُس کی بات پر دھیان دیئے بغیر حید سے بولا۔ ”لیکوں... میں اپنا سگار کیس بی
بھول آیا۔“

پھر وہ شاہد کی طرف مڑا۔ ”کیا آپ مجھے ایک سگار دے سکیں گے؟“

”سگار....!“ شاہد نے کہا۔ ”میں سگریٹ پیش کر سکتا ہوں۔ سگار نہیں پیتا۔“

”اوہو! سگریٹ کی بجا تے سگار ہی پیا کیجئے۔ خالص تمباکو ہوتا ہے اور وہ اتنا مضر بھی نہیں جتنا
کہ سگریٹ کا کاغذ ہوتا ہے۔“

”میں نے آج نکل پیا۔“ شاہد بولا۔ ”اُس کے دھوئیں کی بوہی میر اس پر چکر دیتی ہے۔“

”کل رات آپ کس وقت وہاں گئے تھے؟“

”گیارہ بجے۔“

”اور کس وقت تک ٹھہرے؟“

”پون گھنٹہ.... ٹھیک پونے بارہ پر چلا آیا تھا۔“

”لیکن آپ اپنا کوٹ کیوں چھوڑ آئے تھے؟“

”رات سردی زیادہ تھی اور میرا کوٹ....!“ شاہد کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”ہاں آپ کا کوٹ....؟“

”میں دوسرا کوٹ پہن کر چلا آیا تھا.... یہ جو میں نے آپ کو دیا ہے۔“

”غالبائی اشرف کا کوٹ ہے۔“ فریدی بولا۔

”ہو سکتا ہے....!“ شاہد نے کہا۔

”تو رضیہ سے آپ کے ناجائز تعلقات تھے؟“ فریدی نے کہا۔

”بکواس ہے.... میں آپ کو ایک شریف عورت پر تہمت لگانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

”پڑتے نہیں آپ کس شریف عورت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ لوگ مجھے کیوں پریشان کر رہے ہیں؟“

”اس لئے کہ.... ابھی تک تو دنیا میں کسی رضیہ اشرف کا وجود نہیں۔“ فریدی نے آہ
سے کہا۔

”کیا مطلب....؟“

"خیر حمید...!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ہھھڑیاں لگادو۔"

"یہ ظلم ہے.... سراسر ظلم ہے۔" شاہد بھی کھڑا ہو کر چینتے لگا۔ "اس میں دھوکا ہے۔ میں اس عمارت میں کل پہلی بار گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرا عمارت ہو۔"

"ہم اس سلسلے میں بھی اپنا طینان کر لیں گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں بے گناہ ہوں۔ نہیں نہیں۔" شاہد تری طرح کاپ رہا تھا۔ حمید نے ہھھڑیاں لگا دیں۔ "یہاں سے مجھے اس طرح نہ لے جائے۔ میں الجا کرتا ہوں۔ راستے میں کہیں... ہھھڑیاں لگا دیجئے گا۔"

فریدی نے اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحے اس کے چہرے پر نظریں جی رہیں۔ پھر وہ جر سے بولا۔ "ہھھڑیاں نکال دو۔"

حمدی نے ہھھڑیاں نکال دیں۔ تیوں باہر نکلے۔ شاہد نے فلیٹ متفق کیا اور پھر وہ سڑک پر آگئے "چلو آؤ...!" فریدی کیڈی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے اس عمارت کی طرف لے چو جا تم پچھلی رات کو تھے۔"

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ اگر میں نے قتل کیا ہو تو اتوہ اپنا کوٹ کیوں چھوڑ آتا۔ میں آپ سے کچھ بتاتا ہی نہیں۔" شاہد کیکپاتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"رضیہ تمہارے فلیٹ میں آتی تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں بھی نہیں۔" شاہد نے کہا۔

فریدی نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی اس سے کام کیا کہ کیوں نہیں پوچھ رہا ہے۔ فریدی شاہد کے بتائے ہوئے راستے پر کیڈی ڈرائیور کر رہا تھا۔ آخر نے ٹھیک جاوید بلڈنگ کے سامنے رک جانے کو کہا۔ فریدی نے کیڈی روک دی۔

"یہی عمارت تھی۔" شاہد جاوید بلڈنگ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"اسی دروازے سے اندر گئے تھے؟"

"بیہاں۔" شاہد نے کہا پھر کاپتا ہوا بولا۔ "کیا قفل... نہیں...!"

"ہاں... لاش نہیں تھی۔"

"لیکن آپ رضیہ سے پوچھ لیجئے۔"

"پیارے لڑکے! یہاں کبھی کوئی رضیہ نہیں تھی۔"

"تب تو... مم... میں... ذوب گیا۔" شاہد نے گلوگیر آواز میں کہا اور اس کے

ڈھیلے پر گئے۔

"کیا یہ دروازہ باہر سے مغل تھا...?"

"بیہاں...!"

"رضیہ نے ہی اسے کھولا تھا...?"

"بیہاں...!"

"اندر رضیہ کے علاوہ بھی کوئی اور تھا...?"

"بیہاں نہیں... اس نے بتایا تھا کہ اس کے نوکر سرکس دیکھنے کے تھے اور اشرف کے متعلق

بتایا تھا کہ وہ رات کو بہت کم گھر بر زہتا تھا۔"

"تیرا آدمی کون تھا...?" فریدی نے سخت لمحے میں پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں... میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔"

"کوٹ کے متعلق کیا کہتے ہو...?"

رضیہ نے میرا کوٹ اتر والیا تھا اور شاید اپنے شوہر کا کوٹ مجھے دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ممکن ہے باہر واپسی میں کسی سے مذہبیت ہو جائے۔ تمہیں روایت قسم کے کوٹ میں دیکھ کر اسے شہمہ ہو گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ شاختی کارڈ میرے کوٹ کی جیب میں موجود نہیں تھا۔

"خیر...!" فریدی کیڈی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ "اگر تم حق کہہ رہے ہو تو تری طرح پھنس گئے۔ رضیہ سے تمہاری ملاقات کہاں اور کس طرح ہوئی تھی؟"

"یونیورسٹی کے ریستوران میں۔"

"یونیورسٹی کے ریستوران میں کیوں؟ کیا وہ بھی طالبہ تھی؟"

"بیہی نہیں.... اے جی آفس میں ناپہنچت تھی۔ اس نے مجھے بھی بتایا تھا اور وہ کمی بار مجھے افس کے برآمدے میں بھی مل چکی تھی۔ اے جی آفس یونیورسٹی کے قریب ہی ہے اور کبھی کی وہاں کے لوگ یونیورسٹی کے ریستوران میں آجائتے ہیں۔"

"خوب.... تم نے اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ ایک دلت مند آدمی کی یہوی کلر کی کیوں انسنگی؟"

"افسوس.... کاش میں اس کے بیان پر یقین نہ کرتا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اشرف شرابی ہا اور اس کی ذرہ برا بر بھی پرواہ نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ اسے اپنا پیٹ پالنے کے لئے کلر کی پڑتی ہے۔ اس نے اس طرح رورہ کر اپنی کہانی سنائی تھی کہ مجھے یقین آگیا تھا مجھے اس سے ہمدردی

”نہیں.... یا ممکن ہے مجھے سنائی نہ دی ہو۔“

”اس رومال کے متعلق مجھے کچھ بتا سکو گے؟“ فریدی نے جیب سے وہ رومال نکالتے ہوئے اجوئے جاوید بلڈنگ میں ملا تھا۔ شاہد نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

”یہ تو مجھے رضیہ ہی کا معلوم ہوتا ہے۔“

”میا اس لئے کہ اس پر حرف ”آر“ لکھا ہوا ہے؟“ فریدی بولا۔

”جی نہیں.... یہ لپ اسٹک کے وجہے.... اس نے کل رات میری موجودگی میں اپنے نٹ یہ کہہ کر صاف کیے تھے کہ وہ لپ اسٹک کبھی نہ استعمال کرے گی کیونکہ شریف عورتوں کو زیب نہیں دیتا۔“

”خوب.....!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔ کچھ در خاموشی پھر فریدی نے شاہد سے پوچھا۔
نہار اسرا پرست کون ہے؟“

”یہ نہیں بتاؤں گا خواہ چنانی ہو جائے۔“ شاہد نے دلیر انہ اذاز میں کہا۔

”لڑکے تمہاری بچت اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم میرے سوالات کے ٹھیک ٹھیک اب دو۔“

”میں مجبور ہوں.... ہرگز نہیں۔“

فریدی کچھ در خاموش زہا پھر سکر اکر بولا۔ ”چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تمہاری حرکات لم تمہارے سر پرست کو ہر حال میں ہو جائے گا۔ جب تم اس قتل کے سلسلے میں گرفتار کیے جاؤ، تو لا محالہ تمہارے متعلق اخبارات میں کچھ نہ ضرور آئے گا۔“

شاہد فوراً ہی کچھ نہ بولا۔ البتہ اس کی حالت میں پھر تبدیلی ہونے لگی تھی اور خوف نے اس ذہن پر دوبارہ قبضہ جمالیا تھا۔

”میں کیا کروں؟“ وہ بے لہی سے بڑا بڑا۔

”دوسری صورت میں۔“ فریدی بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری مدد کر سکوں۔“

”مکاش مجھے خود کشی کا موقع مل سکتا۔“

”تمہاری مرضی...!“ فریدی بڑا بڑا۔ ”مجھے بلاشبہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دینا چاہئے۔“
”میری والدہ میری سر پرست ہیں۔“ وہ مردہ کی آواز میں بولا۔ ”جب انہیں اس کا علم گا.... میں کیا کروں۔“

”میا وہ کہیں اور رہتی ہیں؟“

ہو گئی تھی اور میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جس طرح ہو گا اسے اشرف کے پنج سے رہائی دلاتا گا۔“

”کیا اب ہنگھڑی لگادی جائے؟“ حمید نے جھنجھلا کر پوچھا۔

”نہیں.... ہم گھر چل رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”تو آپ شوق سے گھر جائیے۔ میں اسے کو تو ای پہنچا دوں گا میں نے اس طرح کی دلچسپی کہا نیاں پہلے بھی بہت سی ہیں۔ اعتراض جرم کرنا تو پولیس کے رنگ دلوں کا کام ہے۔“

”میں بے گناہ ہوں۔“ شاہد گزر گزایا۔

”سارے مجرم پہلے بھی کہتے ہیں۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

”میں آپ کو کس طرح یقین دلاتا ہوں۔ اُس عورت نے مجھے بڑی طرح چھانس دیا ہے۔“

”پہلے خود تم اسے چانسے کی کوشش کر رہے تھے۔“

”یہ غلط ہے۔ ہمارے ناجائز تعلقات نہیں تھے۔“

”ٹھیک ہے.... اس لئے ہم تمہیں جنت میں پہنچانے کا انتظام کر رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”ڈر اُس عورت کا حلیہ تو بتانا...؟“ فریدی بولا۔

”بہت خوبصورت تھی۔“ شاہد بولا۔ ”بیضاوی چہرہ.... آنکھیں بڑی.... قد متواتر، ناک پتی اور لبی اور ہونٹ....!“

”اسی لمحے تمہیں اس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔“ حمید بول پڑا۔

”کوئی ایسا نشان جس سے وہ پہنچانی جائے؟“ فریدی نے شاہد سے پوچھا۔

”ایسا نشان.... ٹھہریے! مجھے یاد پڑتا ہے کہ اُس کے دامن کی لوکے نچلے حصے میں ایک شگاف ساتھا.... ایسا کہ لو دوہری معلوم ہوتی تھی۔“

”بہت قریب سے دیکھا تھا؟“ حمید نے چکلی لی۔

”حید خاموش رہو۔“ فریدی نے کہا۔ ... پھر شاہد سے بولا۔ ”کیا تمہارے پاس اُس کی کوئی تصویر تھی؟“

”نہیں.... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اس سے ایسے تعلقات نہیں رکھتا تھا کہ تصویر یوں کا تباولہ ہوتا۔“

”لیکن وہ تمہیں گھر کیوں لے گئی تھی؟“

”یو ٹھیں اس نے کہا تھا کہ چلو تمہیں آج اپنا گھر بھی دکھا دوں۔“

”تم نے وہاں اپنے دوران قیام میں کسی وزنی چیز کے گرے کی آواز سنی تھی؟“

”جلال آباد میں.... بڑے ہسپتال میں میرن ہیں۔ خاتون سعیدہ۔“

”اور تمہارے والد؟“
”مجھے ان کی صورت بھی یاد نہیں۔ میں بہت چھوٹا تھا تھا جس کا انتقال ہو گیا تھا۔“
فریدی اور حمید دونوں ہی اس بات سے بے خبر تھے کہ دوران گفتگو میں شاہد کے ہاتھ کر کرتے رہے ہیں اور پھر فریدی اس وقت چوناک جب شاہد کی جگہ خالی ہو چکی تھی۔ حمید اپنی چیخ کر طرح نہ روک سکا۔ کیڈی جہاں تھی وہیں ایک دھچکے کے ساتھ روک گئی۔ اور فریدی نے اپنی سیٹ سے چھلانگ لگائی۔ شاہد کچھ دور پیچھے سڑک پر اونڈھا پر املا تھا پیر پھینک رہا تھا۔ میں اپنی پیشانی نہیں سمجھتا۔“
”یہ تم نے کیا کیا.... پاگل....!“ فریدی بے اختیار اس پر جھک پڑا۔ شاہد کی پیشانی خون کی دھاد بہہ کر چہرے پر پھیل رہی تھی اور وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔
فریدی نے اسے ہاتھوں پر اندازیا۔

پھر وہ اسے کیڈی کی پچھلی نشست پر ڈالتا ہوا بولا۔ ”چلو... جلدی... سول ہسپتال بنیو... اگر یہ لڑکا مر گیا تو میں ہر اس شخص کو قتل کر دوں گا جس پر مجھے اشرف کے قتل کرنے کا مشتبہ ہو گا۔“ میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ ہھٹکی ڈال دیجئے۔“ حمید کیڈی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ فریدی پچھلی سیٹ پر جھکا شاہد کے زخم کو اپنے رومال سے دبائے ہوئے تھا۔
”اوہ... خدا کی قسم یہ بالکل معصوم ہے...! اگر ایسا نہ ہو تو میں اپنا پیشہ ترک کرنے کو تباہ ہوں۔“ اس نے کہا۔ سول ہسپتال کے ڈاکٹر نے شاہد کے زخموں کا معایبہ کرنے کے بعد بتایا کہ چوتھی گھری آؤں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اندر وہی چوٹیں بھی ہو سکتی ہیں۔ کوئی بڑی نہیں ٹوٹی تھی فریدی۔ اسے پرائیوریت وارڈ میں داخل کر دیا اور اس وقت تک وہ دونوں وہاں ٹھہر رہے جب تک کہ ڈاکٹر نے اطمینان نہ دلادیا۔
واپسی میں فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

”لڑکا بالا شہر معصوم ہے۔“
”محض اس بناء پر کہ اس نے خود کشی کی کوشش کی۔“ حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”حالانکہ پیشتر بوکھلائے ہوئے مجرم اکثر اس قسم کی حرکت کر پڑتے ہیں۔“
”اوہ! تم وہ سارا ست اپ بھول گئے جو اس قتل کے سلسلے میں بروئے کار لایا گیا تھا۔ اول انہی قسم کے مجرم اتنے اطمینان سے کوئی واردات کر رہی نہیں سکتے اور اگر بغرض حال کریں گا۔“

”ہمتوں کے کوٹ سے اپنا کوٹ بدلتے کی حاجت نہیں کریں گے۔“

”چلے میں نے مان لیا کہ کسی نے شاہد کو پچانے کی کوشش کی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”لیکن یہ ضرور کہوں گا وہ بھی حق ہی تھا۔ آخر کوٹوں کے تباولے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا

صرف شناختی کاروڑ کے ذریعہ شاہد تک رہنمائی نہیں ہو سکتی تھی۔ کوٹوں سے تو صاف ظاہر ہو جاتا

ہے کہ اس کو پچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔“

”ٹھیک کہتے ہو۔ اگر اس نکتے کوڈ ہیں میں رکھو تو مجرم انہی ہی معلوم ہوتا ہے لیکن میں ایسا

نہیں سمجھتا۔“

”آپ....“ حمید کچھ کہتے رک گیا۔ پھر بولا۔ ”اگر شاہد کا بیان صحیح تسلیم کر لیا جائے تو

پھر وہ عورت کوں ہو سکتی ہے کیا رو رہی؟ مگر ہم نے شاہد کو رو رہی کی تصور دکھائی تھی۔ وہ رو رہی

نہیں ہو سکتی؟ پھر....؟“

”کوئی عورت....!“ فریدی لا پرواٹی سے بولا۔

”لیکن اشرف بہت محاط آدمی تھا۔ میر اخیال ہے کہ کسی دوسری عورت سے اس کے اس

تم کے تعلقات نہیں تھے کہ وہ اس کو منعکنی کے اعلان کی بیان پر قتل کر دیتی۔“

”اور دوسری طرف وہ وزنی تجویری کسی عورت کے بیٹن کاروگ نہیں معلوم ہوتی۔“ فریدی

نے آہستہ سے کہا۔

”میری ایسی کی نیکی۔“ حمید جنم جھلا کر بولا۔

”کیوں جھینیں کیا ہوا....؟“

”آپ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے؟“ حمید نے اسی لہجے میں

کہا۔ ”آپ شاہد کو معصوم بھی سمجھتے ہیں اور دوسری طرف کسی عورت کے وجود میں بھی آپ کو

شہر ہے۔“

”عورت تو تھی ہی۔ لیکن میں یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ وہ تجویری کسی عورت نے نہیں گراہی تھی۔“

”تب پھر رات میں پاگل ہو گیا ہوں.... یا....!“

”یا پھر فریدی....!“ فریدی نے مکرا کربات پوری کر دی۔

”آپ شاہد کو معصوم قرار دیتے ہیں۔ لہذا اس کی سنائی ہوئی کہاںی بھی ٹھہری۔ مکان میں ان

دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ خود اس کا بیان ہے۔ اب اگر عورت نہیں گراہتی تو پھر آپ

کے مجرم قرار دیں گے؟“

حید نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے لیکن پھر دوسرے ہی لمحے میں غیر متوقع طور پر ابی از میں شوخی پیدا کر کے بولا۔ ”آپ بھی کیا بات کرتی ہیں۔ میں تو یہ کہنے جا رہا تھا کہ کیا آج پر میرے ساتھ رات کا کھانا آر لکھوں میں کھا سکیں گی؟“

”بہت خوشی سے۔“ آواز آئی۔ ”میں آپ کو بے حد پسند کرتی ہوں اور اب تو میری نظروں آپ کی وقت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔“

”کیوں؟“ حید کے کان کھڑے ہو گئے۔

”اس لئے کہ آپ اشرف کی تعریت کے سلسلے میں ہمارے یہاں نہیں آئے۔ اس قدر بور ہے لوگوں نے کہ خدا کی پناہ۔ میں کہتی ہوں کہ کیا وہ رسمی طور پر اظہار افسوس کرنے سے ل آجائے گا۔“

حید دانت پیش کر ماؤ تھہ پیش میں گھورنے لگا۔ پھر بولا۔

”اوہ معاف کجھے گا۔۔۔ میں آپ کو مبارک باد دینا بھول ہی گیا تھا۔۔۔ آپ کی معنی پر۔۔۔“

”!۔۔۔“

”آپ عظیم ترین آدمی ہیں۔“ روحی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔
حید ریسیور ریچ کر کے چینی سے ٹھہنے لگا۔

تحوڑی دیر بعد فریدی نے برآمدے سے آواز دی۔ وہ ناشتے کی میز پر اس کا انتظار کر رہا تھا۔
”ساتھ نے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بے چارے جگد لش کی شامت آگئی۔“

”کیوں۔۔۔ کیا ہوا؟“

”ڈی۔ ایس۔ پی کو شاہد کے متعلق علم ہو گیا ہے۔ ہم سے غلطی ہوئی کہ ہم اشرف کے دوں کو کوٹ والی بات کے تذکرے سے نہیں روکا۔ شاہد حرast میں ہے۔ ہپتاں سے اسے لات میں منتقل کر دیا جائے گا۔“

”تو پھر اب جگد لش کیا کیا ہو گا؟“

”ابھی تک تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ لیکن مجھے اطلاع ٹیکے کہ ڈی۔ ایس۔ پی خود ہی اس کیس نتیجات کرے گا۔“

”بہر حال اُس غریب کے خلاف اگر کوئی کارروائی ہوئی تو اس کی تمام تر ذمہ داری آپ پر لے۔“ حید نے کہا۔

”دیکھا جائے گا۔“ فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنیش دی۔

”اور شاید نوکروں کا بیان تمہیں یاد نہیں رہا۔“ فریدی بولا۔ ”ساتھ ہی تم وہ سب کچھ کہ بھول گئے جو ابھی ابھی شاہد نے بتایا تھا۔ نوکروں کے بیان کے مطابق سامنے کارروازہ اندر سے تھا اور وہ پچھلے دروازے میں قفل ڈال کر سر کس گئے تھے۔ شاہد کہتا ہے کہ رضیہ نے سامنے دروازے سے قفل کھولا تھا۔۔۔ کیا صحیح؟“

”میں بھی سمجھا کہ اب آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ آپ کی قوت فیصلہ جواب دے رہی ہے۔ شاہد مکار ہے۔ اُس نے اپنی کہانی میں جان ڈالنے کے لئے کیڈی سے کوڈ کر اسے فٹنگ ریچ دیا۔ اس۔۔۔ کیڈی کی رفتار بہت کم تھی۔ ایک پچھبھی اگر کوڈتا تو اسے معمولی چوٹیں آتیں۔۔۔“
”صحیح؟ فریدی صاحب۔“

پُر اسرار لڑکی

دوسری صبح حید کا موڑ ٹھیک ہو گیا تھا۔ پچھلی رات وہ فریدی کی مخالفت میں شاہد محرم ضرور گردانتا رہا تھا لیکن حقیقتاً وہ بھی ایک عجیب قسم کی ذہنی کنش میں بمتلا تھا۔ اُسے خود بھی یقین تھا کہ شاہد کا تعلق واردات سے نہیں ہو سکتا۔

وہ اب سوچ رہا تھا کہ پچھلی رات کو انہیں روحی کے یہاں ضرور جانا چاہئے تھا۔ وہ روحی سے قریب قریب تنفس تھا۔ حالانکہ اُن دونوں کی ملاقاتیں شاذ و نادر ہی ہوتی تھیں لیکن حید نے قربت کے تھوڑے ہی وقت میں اُسکے متعلق کچھ رائیں قائم کر لی تھیں جنہیں وہ اٹل سمجھتا تھا۔ اُس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کی ورقہ گردانی کے بعد اُس کافون نمبر معلوم کیا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے اور ریسیور کو کان سے لگائے جواب کا منتظر رہا۔

”بیلو۔۔۔ اوہ۔۔۔ میں روحی صاحبہ کو چاہتا ہوں۔“

”کیا کبواس ہے۔۔۔ تم کون ہو؟“ دوسری طرف سے ایک بھاری گرنسوانی آواز آئی۔

”اوہ۔۔۔ معاف کجھے گا میرا مطلب یہ نہیں۔ میں روحی صاحبہ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

چند لمحے انتظار کرنے کے بعد اُس نے دوسری طرف سے ایک باریک اور مترنم آواز سنی۔

”یہ شاید روحی تھی۔“

”بیلو! میں سا جنٹ حید بول رہا ہوں۔“

”اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔ لیکن اگر آپ کو غم انگیز باشیں کرنی ہوں تو۔۔۔ والدہ صاحبہ سے رجوع بچھے۔“

حید نے اسے اپنی اور روئی کی گفتگو کے متعلق بتایا۔

”لوکی دلچسپی معلوم ہوتی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں اسے قریب سے دیکھا چاہتا ہوں، مجھے توقع ہے کہ آج شام آر لکچوں میں ضرور آئے گی۔“ حید نے کہا۔

فریدی نے وہ دن دوڑ دھوپ میں گزار دیا لیکن ذہنی ایس۔ پی نے سارے راستے پہلے مسدود کر دیئے تھے۔ وہ روئی کے دوسرا پانچ امیدواروں سے بھی ملا۔ لیکن انہوں نے اس سوالات کے جواب دینے سے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ ذہنی ایس۔ پی کی طرف سے انہیں ہدایت ملی تھی کہ اس مسئلے پر وہ اس کے علاوہ اور کسی سے گفتگو نہ کریں۔

حید کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے دل کھول کر قہقہے لگائے۔

”اس بارہ تو وہ بڑی چوشی دے رہا ہے۔“ حید نے کہا۔

”لیکن اسے زندگی ہمارا فوس رہے گا۔“ فریدی بخیگی سے بولا۔

”کیا کریں گے آپ؟“ حید نے طنزیہ لمحجی میں پوچھا۔

”بس دیکھنا۔“

شام کو فریدی بھی حید کے ساتھ تھا لیکن الگ تھا لگ۔ رقص کے مخصوص پروگرام کی سے آر لکچوں میں کافی بھیڑ تھی۔ حید میز پر تہاروی کا انتظار کر رہا تھا۔ فریدی دوسری میز پر اٹھیک سات بجے روئی دہانی پہنچی۔ وہ تھما تھی۔ حید اسے کاؤنٹر کے قریب کھڑا دیکھ کر آ

بڑھا۔ پھر دوسرا لمحے میں فریدی بڑی توجہ سے روئی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ روئی ایک خوشکل لڑکی تھی۔ آنکھیں نیم غنودھی تھیں۔ جیسے ابھی سو کراچی ہو۔ چلتے وقت پر غ

انداز میں اپنا سر تھوڑا پیچھے کی طرف جھکائے رکھتی تھی اور ادھر ادھر دیکھنے کے لئے صدر آنکھوں کے کناروں سے کام لیتی تھی۔ سر میں خفیف سی بھی جنبش نہیں ہونے پاتی تھی۔ دو

گفتگو میں مخصوص انداز میں ابرووں کو جنبش دینا شاید اس کی عادت ہی تھی۔

”آج سردی کچھ بڑھ گئی ہے۔“ وہ بیٹھتی ہوئی بولی۔

”یقیناً... کیا میں آپ کے لئے شیری ملگاؤں...؟“

”بھی نہیں شکریہ.... میں شراب نہیں بیٹھی اور نہ میں دعوت کے خیال سے آئی ہوں بس ذرا سی تبدیلی چاہتی ہوں۔“

”واقعی آپ، بہت بور ہوئی ہوں گی۔“

”مرجانے کی حد تک۔“ وہ خلاء میں گھورتی ہوئی بولی۔ ”مجھے غم انگیز باتوں سے نفرت۔

سارہ دت تھیجئے چاہتی ہوں۔ اشرف واپس نہیں آسکتا اور نہ ہم میں کوئی اس کیلئے مر سکتا ہے۔“

”مگر پرسوں ہی آپ کی ملکی ہوئی تھی۔“

”پھر ہو جائے گی۔“ وہ بیزاری سے بولی۔ ”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ٹوٹی ہوئی شاخ کی بیٹھ دوسری کو نہیں پھوٹتی ہیں۔ گوشت اور ہڈیوں کا کوئی دوسرا جاندار ڈھیر... زندگی کا سر امظہر۔“

”آپ فلسفی ہیں۔“ حید مسکرا کر بولا۔

”ہر ایک کو ہونا چاہئے۔“ روئی بولی۔

”آپ بچھو جو روئی ہیں۔“ حید نے کہا۔ ”ویسے آپ کو کیا نہ کسی پر اشہر تو ضرور ہو گا۔“

”میا آپ نے کہی معلوم کرنے کے لئے مدد گیا ہے؟“

”قدرتی بات ہے۔“

”بیٹھ جھے افسوس ہے کہ میں اس مسئلے پر گفتگو نہ کر سکوں گی۔ ذہنی ایس۔ پیٹی کی طرف

، بھی کہا گیا ہے۔“

”خبر میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔“ حید نے لانپرداں سے کہا۔

”شکریہ.....!“ روئی مسکرا کر بولی۔ ”میں جانتی ہوں کہ آپ سراغ رسان ہیں اور اشرف لاد دست بھی۔“

”آپ کا اتنا ہی جانتا میری تسلیکن کا باعث ہے میرا خیال ہے کہ اشرف آپ کو بہت زیادہ نہ نہیں تھا۔“

”مجھے کوئی بھی بہت زیادہ پسند نہیں۔ اشرف تو خاص طور پر.... جھیکے سے پہلے اور جھیکے کے بعد بہت زیادہ بناتا تھا۔“

”اوہ....!“ حید دل ہی دل میں اسے گالیاں دیتا ہوا بولا۔ ”میں آپ سے متفق ہوں۔ ویسے مرا خیال ہے کہ آپ کے دوستوں میں صرف ریاض ہی ایک ایسا ہے جو چھینکتا ہی نہیں۔“

”لیکن آپ نے خصوصیت سے ریاض ہی کا ذکر کیوں چھیڑا.....؟“

”وہ ایک ماہر نشانہ پاڑ ہے۔“ حید بولا۔

”لیکن اشرف شاید گولی کا شکار نہیں ہوا۔“

”میرا یہ مطلب بھی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”اور یہ مطلب بھی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”گویا آپ کو بھی اس پر شبہ ہے؟“ حمید نے پوچھا۔
”دیکھئے ہم پھر بہک گئے۔“ روچی نہ کربولی۔ ”مجھے کسی پر بھی شبہ نہیں اور اگر ہو بھی آ

میں اس کا اظہار نہیں کروں گی۔ یہاں ہر آدمی اپنی راہ کا کامنا ہنادیتا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے۔ کبھی اس فعل کی حیثیت انفرادی ہوتی ہے اور کبھی اجتماعی... اجتماعی حیثیت کو ہم قانون کہتے ہیں... کیا آپ کے ہاتھ خون سے رنگیں نہیں، میرا خیال ہے کہ خود آپ نے اب تک وہ تین درجن خون ضرور کئے ہوں گے۔“

”شاید اس سے زیادہ۔“ حمید نے کہا اور پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔
”پھر...!“ وہ حمید کو سوالیہ نظر دیں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”میں کیوں اپنے شبے کا انہلہ کروں۔ جس طرح آپ آزادی کا سانس لے رہے ہیں اسی طرح اسے بھی لیئے دمجئے۔ ممکن ہے اسے بھی اشرف سے کوئی ایسی ہی شکایت رہی ہو۔ بہترے جرام ایسے بھی ہیں جن کے معاملے میں قانون بے بن نظر آتا ہے۔“

”تو کیا ریاض کو اس سے کوئی ایسی ہی تکلیف نہیں تھی؟“
”آپ نے پھر ریاض کا نام لیا۔ میرا الشادہ خاص طور سے کسی کی طرف نہیں لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ اشرف بھی کسی نہ کسی ایسے جرم کا مر عکب ضرور ہوا ہو گا جس کی سزا قانون کے پاس نہ ہو۔“

”بہر حال آپ کو اشرف سے محبت نہیں تھی؟“
”یہ ایک الگ سوال ہے اور پھر یہ ضروری نہیں کہ منگنی کی محک محبت رہی ہوں اشرف کافی مالدار بھی تو تھا۔“

حمدید کا دل چاہا اس کا گلا گھونٹ دے۔ اس نے منکھیوں سے فریدی کی طرف دیکھا جو روچی کو بغور دیکھ رہا تھا اور اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ اس نے حمید کا شناہ کیا کہ اب روچی کو رخصت کر دینا چاہئے۔
”دو کافی بھی ختم کر چکے تھے اور روچی کچھ آتائی نظر آرہی تھی۔“ حمید نے پھر اشرف کا تذکرہ چھیڑا۔ وہ دراصل روچی کو غصہ دلانا چاہتا تھا۔

”تو یہ منگنی محض دولت کے لئے ہوئی تھی؟“ حمید نے پوچھا۔
”دولت تو اب بھی بہر حال ہمارے ہی گمراۓ گی۔“ روچی نے کہا۔
”اور آپ کی دوسری منگنی...؟“
”آپ مجھے چڑھا رہے ہیں۔“ روچی کافی کی پیالی رکھ کر حمید کو گھومنے لگی۔

”قطھی نہیں.... میں یہ معلوم کرتا چاہتا تھا کہ آپ کے دل میں میرے لئے کتنی جگہ ہے۔“
”آپ کے لئے....!“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”میا اشرف نے کبھی آپ سے رضیہ ناہی کسی عورت کا تذکرہ کیا تھا....؟“
”رضیہ.... نہیں تو.... کیوں؟“

”ہمارا خیال ہے کہ اشرف کے قتل میں کسی عورت کا ہاتھ ہے۔“
”ہو گا۔“ روچی نے بے پرواہی سے کہا۔ تھوڑی دیر خاموش رہی پھر روچی نے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی عورت ہی ہو لیکن وہ اشرف کی سوتیلی ماں ہو گی۔“
”اشرف کی سوتیلی ماں....؟“ حمید چوک کر بولا۔ ”لیکن اشرف نے کبھی کسی سوتیلی ماں کا زکر نہیں کیا۔“

”نہ کیا ہو گا.... وہ ایک مظلوم عورت تھی۔ اس پر کچھ ظلم ہوا تھا۔“
”حیرت ہے.... اشرف نے کبھی کچھ نہیں بتایا۔“

”تو پھر میں جھوٹ کہہ رہی ہوں گی۔“ روچی ناخوٹگوار لہجے میں بولی۔

”یہ مطلب نہیں۔ ظاہر ہے کہ اشرف سے ہمارے بڑے قریبی تعلقات تھے لیکن اس نے ہی کسی سوتیلی ماں کا تذکرہ نہیں کیا۔ کیا آپ مجھے اس سلسلے میں کچھ اور بھی بتائیں گی؟“
”مجھے اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں معلوم۔ میں نہیں جانتی کہ وہ زندہ بھی ہو گی، یا مرن گی
وگی۔ والدہ صاحبہ اس کے متعلق کچھ جانتی ہیں اور شاید انہوں نے آج ڈی۔ ایس۔ پی ٹی کو کچھ
تیا کیمی ہے۔“

”ہوں....!“ حمید پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ساتھ ہی اس نے منکھیوں سے فریدی کی طرف دیکھا جو روچی کو بغور دیکھ رہا تھا اور اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ اس نے حمید کو شناہ کیا کہ اب روچی کو رخصت کر دینا چاہئے۔

”دو کافی بھی ختم کر چکے تھے اور روچی کچھ آتائی نظر آرہی تھی۔“
”کیا میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں؟“ حمید نے کہا۔

”بھی نہیں شکریہ.... میں کار لائی ہوں۔ ہم پھر بھی ملتے رہیں گے.... کیوں؟“
”اوہ.... ضرور ضرور۔ میں قلفیانہ اندراز میں سوچنے والی لڑکیوں کی پرستش کرتا ہوں۔“

”حالانکہ آپ مجھ سے شدید نفرت کرتے ہیں۔“ روچی سنجیدگی سے بولی اور حمید سے کوئی
ذواب نہ بن پڑا۔ وہ نبڑی طرح ہمکارا رہا تھا۔

”آہا.... تو کیا آپ کی پھوپھی صاحبہ مجھے کھا جائیں گی۔“
 ”تم اپنے بزرگوں کی توین کرتی ہو۔“
 ”ریاض مجھے بورنہ کرو... تم جاسکتے ہو۔“
 ”بہتر ہے... کاش تم آدمی بن سکتیں۔“ ریاض نے کہا اور واپس جانے کے لئے مڑا۔
 ”اوہ ہو شہر فر روحی آگے بڑھتی ہوئی بولی۔“ کیا گھر جا رہے ہو۔ میں بھی چلتی ہوں۔ میں نے
 حکیما تھام سے کہ آج رات باہر نہ جانا۔ کتنی سردی ہے۔ تمہیں پہلے ہی نزلے کی شکایت تھی۔“
 حمید حریرت سے منہ کھو لے کھڑا رہ گیا۔ اُسے توقع تھی کہ روہی ریاض کو چلا جانے دے گی۔
 نہ وہ خود اس طرح اُسکے ساتھ جا رہی تھی جیسے ابھی اُنکے درمیان بڑی خونگواہ نشستگو ہوتی رہی ہو۔
 فریدی لاوٹخ کے دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

وہ کون تھی

حمدی اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھا رہا پھر آہستہ سے بولا۔
 ”دیکھا آپ نے...؟“
 ”ہاں آؤ....!“ فریدی باہر نکلا ہوا بولا۔ حمید نے کھانے کے دام چکائے اور پھر وہ دونوں
 ہر آنکھے۔

”آپ نے ہماری گفتگو بھی سنی تھی؟“ حمید نے پوچھا۔
 ”ایک ایک لفظ۔“ فریدی لکھڈی میں بیٹھتا ہوا بولا۔
 ”اب آپ کو یقین آیا....؟“
 ”کس بات پر....؟“ فریدی نے انہیں اشارت کر دیا۔
 ”اس بات پر کہ شہتوں کے درخت میں مرغی کے اٹھے لٹکتے ہیں۔“ حمید جھنجلا کر بولا۔
 فریدی ہنسنے لگا۔ لکھڈی پھر سڑک پر نکل آئی تھی۔
 ”لڑکی اپنے ماحول سے اکتائی ہوئی معلوم ہوتی ہے.... اور بس۔“
 ”بہتر ہو گا کہ آپ ایک پرائیویٹ پاگل خانہ کھول لیں۔“
 ”ای قفر میں ہوں۔ سب سے پہلے تمہارا نام رجسٹر کروں گا۔“ فریدی نے کہا۔
 ”ڈراما یہ تو سوچو اگر واقعی اُس کا ہاتھ اس واردات میں ہوتا تو وہ اتنی بے باکی سے اپنے

روحی کھڑی ہو گئی۔ دفعتاً حمید نے اُس کے چہرے پر سر اسیگی کے آثار محسوس کئے۔ اُنہاں
 رخ کا ڈنٹر کی طرف تھا۔ حمید نے مژ کر کاؤٹر کی طرف دیکھا۔ وہاں روہی کا پرستار ریاض موجود
 تھا۔ حمید پھر روہی کی طرف مڑا لیکن وہ اُس کے قریب نہیں تھی۔ لاوٹخ کے دروازے پر اُس کی
 ہلکی سی جھلک دکھائی دی اور دوسرے لمحے میں وہ لاوٹخ کے اندر تھی۔
 وہ بھی ویٹر کو اشارہ کرتا ہوا لاوٹخ میں چلا گیا۔ فریدی اس نئے و قوئے سے ناواقف نہیں تھا
 وہ ریاض کی طرف متوجہ ہو گیا۔
 روہی حمید کو اپنے پیچھے آتے دیکھ کر بڑے دلاؤ بینداز میں مسکرائی۔
 ”میں نہیں چاہتی کہ ریاض مجھے یہاں دیکھے۔“
 ”کیوں....؟“

”بور کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اشرف کا سوگ مناؤں۔ ویسے بھی وہ میرا خالہ زاد بھائی تھا۔“
 ”تو کیا آپ ریاض سے خاف ہیں؟“
 ”نہیں.... لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ وہ مجھے اور زیادہ بور کرے۔“
 ”اگر آپ اجازت دیں تو میں اُسے اٹھا کر باہر پھینک دوں؟“
 ”آپ....!“ روہی ہنسنے لگی۔ ”آپ اُس سے زیادہ طاقتور نہیں معلوم ہوتے۔“
 لاوٹخ میں اُن دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ دفعتاً کسی نے پشت سے روہی کو آواز دی۔
 وہ دونوں چونک کر مژے دروازے میں ریاض کھڑا نہیں گھور رہا تھا۔

”اوه.... ریاض.... یہ سار جنت حمید ہیں۔“ روہی اُس کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔
 ”میں جانتا ہوں۔“ ریاض خشک لہجے میں بولا۔ ”لیکن تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“
 ”کیوں؟ تم سے مطلب....؟“ روہی تیز لہجے میں بولی۔
 ”تمہیں آج یہاں نہ ہونا چاہئے۔“
 ”یکوں اس ہے تم اپنا کام دیکھو۔“
 ”دنیا کا خون سفید ہو گیا ہے۔“ ریاض ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ اُس کے چہرے پر غم کے
 بادل چھا گئے۔
 ”تم لوگ مجھے مار ڈالو گے۔ کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔“ روہی نے جھنجلا کر کہا۔ ”دنیا کا
 خون سفید ہو یا۔ میرا خون کافی گاڑھا ہے.... تم مطمئن رہو۔“
 ”میں تمہارے اس روہی کی شکایت پھوپھی صاحبہ سے کروں گا۔“

خیالات کا ظہار نہ کرتی۔ ”

”مجھے اس سے نفرت ہے۔“

”محض اس لئے کہ اُس کے اندر تم سے بھی زیادہ آدم خوری کے جرا شم موجود ہیں۔ تم ساتھ ہی ساتھ حساس ہو اور اُس نے اپنی حس مردہ کر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے ایک پلک میں فون بوٹھ کے سامنے کیڈی روک دی اور اتر کر بوٹھ کے اندر چلا گیا۔

حمدید سیٹ کی پشت سے نیک لگائے پانپ کے ملکے بلکہ کش لے رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے آج تھکن سی میوسوس ہونے لگی تھی حالانکہ آج وہ آفس بھی نہیں گیا تھا۔ وہ اب بھی روحی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں یہ بات اُس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ اس قتل میں روحی کا ہاتھ ضرور ہے۔ وہ قاتل کو اچھی طرح جانتی ہے کہ وہ ریاض ہی ہو۔ اُس نے کسی عورت کے ذریعہ شاہد کو پھانس کر سازش میں لپیٹ لیا ہو۔ کیا وہ عورت روحی ہو سکتی ہے؟ لیکن نہیں! روحی کافی ذہین اور چالاک ہے۔ وہ کسی ایسے معاملے میں اس طرح نہیں الجھ سکتی جس میں اُس کے پیچان لیے جانے کا امکان ہو۔۔۔ پھر۔۔۔؟ بہر حال آگے بڑھنے کے لئے اُس کا پتہ لگانا ضروری تھا۔ روحی نے اشرف کی سوتیلی ماں کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ مگر اشرف کی سوتیلی ماں بہر حال اتنی کسن نہیں ہو سکتی کہ اُس کا جادو شاہد پر چل سکے۔

دوسری طرف واردات کی نوعیت بھی اُس کے ذہن میں تھی۔ فریدی کے خیال کے مطابق کوئی تیسرا شخص بھی اشرف کے مکان میں موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ اُسی تیرے آدمی نے دروازے کا تالا کھوں کر دوسرا تالا اگلے دروازے میں لگایا ہو گا اور شاید وہ اُس وقت بھی مکان بنی میں موجود رہا ہو۔ جب شاہد اور وہ عورت باہر کے کمرے میں تھے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ نامعلوم آدمی اچھی طرح جانتا تھا کہ اشرف کے نوکر دو بیجے سے پہلے واپس نہیں آسکتے۔ پوست مارٹ کی رپورٹ کہتی ہے کہ اشرف کی موت گیارہ اور ایک کے درمیان میں واقع ہوئی تھی۔ گیارہ بجے شاہد اُس عورت کے ساتھ وہاں پہنچا تھا اور پونے بارہ تک وہاں تھہرا تھا۔ لیکن اس دوران میں اُس نے دھماکے کی آواز نہیں سنی تھی۔ تو پھر اشرف اُس وقت تک زندہ تھا لیکن اس بات سے بے خبر کہ اُس کے مکان میں اُس کے لئے کیا ہو رہا ہے۔ شاہد وہاں سے تھا اپنے بارہ تھا اور وہ عورت وہیں رہ گئی تھی لیکن کوئی عورت بھی اس وزنی تھوڑی کو نہیں دھکیل سکتی تھی۔ لہذا تیرے آدمی کا وجود ثابت ہو جاتا ہے اور پھر باہر کے کمرے میں سگار کی راکھ بھی تو تملی تھی جس اُنکے والوں سے بھی متعارف رہی ہو جن کے ذریعہ اُسے مٹکنی کا علم دو ماہ قبل ہی ہو گیا لیکن حمید

کے متعلق فریدی نے اُسی وقت رائے قائم کر لی تھی۔ رہ گیا شاہد تو وہ سگار پیتا ہی نہیں۔ عورت تن بھی سگار نہیں پسند کرتی۔

فریدی میں فون بوٹھ سے واپس آگیا تھا اور کیڈی پھر چل پڑی تھی۔ حمید کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

”میں نے جگد لیش کو فون کیا تھا۔ وہ مجھے کوئی نی اور دلچسپ اطلاع دینا چاہتا ہے۔“

”تواب ہم کہاں جا رہے ہیں؟“

”ہوٹل ڈی فرانس.... جگد لیش وہیں آئے گا۔ کو تو ایں میں نہیں ملتا چاہتا۔ اس بار اُس کا صاحب سرپرست دوڑ رہا ہے اور اُس نے تھیہ کر لیا ہے کہ اس کیس کو ملکے سر اغ رسانی ملکہ ہرگز نہ پہنچنے دے گا۔“

”مجھے تو یہ کیس سلجنہ نظر نہیں آتا۔“ حمید بڑا ہے۔

”ظاہر حالات ایسے ہی ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”شاہد والی عورت بہت ضروری ہے۔“

”اور اگر وہ سرے سے غپ ہی نکلی تو۔۔۔؟“

”ممکن ہے لیکن فی الحال ہمیں یہی سوچتا چاہئے ہم اپنی معلومات کے دائرے سے باہر ت عمل کرنیں سکتے۔“

”اگر کسی عورت کا وجود ہے بھی تو وہ خود ہی اشرف کی زندگی کی خواہ رہی ہو گی۔“ حمید نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے اشرف سے اُس کے تعلقات رہے ہوں اور وہ اُس کی مٹکنی کی خبر پا کر بھڑک انہی ہو۔“

”خیر اسی لائن پر سوچو۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ رضیہ نے شاہد پر دوڑھائی ماہ قبل ہی سے ذورے ڈالنے شروع کر دیئے تھے اور قتل اُس رات کو ہوا جس لائن مٹکنی کا اعلان کیا گیا تھا۔ دوسری طرف یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمیں اشرف کی زندگی نے کسی اسی عورت کے وجود کا علم نہیں ہو سکا جس سے اُس کے جنی تعلقات ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اشرف براحتاً آدمی تھا۔ اگر وہ اتفاق ایسا ہی محتاط تھا تو اُس عورت کے لئے دو ماہ لگنے مٹکنی کے امکان کا اندیشہ کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ اشرف نے محتاط ہونے کی بنا پر ہرگز الپر یہ بات ظاہر ہے ہونے دی ہو گی۔ یہ بات یہاں ختم ہو گئی۔ اب اس کے لئے صرف ایک ہی عورت رہ جاتی ہے وہ یہ کہ عورت نہ صرف اُسی کے طبقے کی روی ہو بلکہ اُس سے قربی تعلقات اُنکے والوں سے بھی متعارف رہی ہو جن کے ذریعہ اُسے مٹکنی کا علم دو ماہ قبل ہی ہو گیا لیکن حمید

صاحب اس نظریے میں ایک بہت بڑی کمزوری ہے اگر وہ جانی پہچانی ہوئی عورت ہوتی تو وہ کم دوسرے کے کامنے پر رکھ کر بندوق نہ چلاتی۔ کیونکہ اس میں پہچان لیے جانے کا خطرہ ہے ظاہر ہے کہ شاہد اسے شناخت کرنے کے لئے زندہ ہے!

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“

”یہی کہ وہ عورت بھی اس سطح پر صرف ایک معمولی سماں ہے۔ شاطر تو کوئی اور یہی میرا خیال ہے کہ وہ عورت روزانہ نظر آنے والی کوئی سوسائٹی گروں بھی نہ ہوگی۔“

”اشرف کی سوتیلی ماں۔“ حمید بڑا بڑا۔

”یہ ایک نیا اطلاع ہے سوال یہ ہے کہ اگر اشرف کی کوئی سوتیلی ماں بھی تھی تو اس نے کبھی اس بات کو تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ پھر بھی یہ اطلاع تمہیں روحوی سے ملی ہے جسے تم قریب قریب پاگل سمجھتے ہو۔“

”حمدکچھ نہ بولا۔ وہ پھر اپنے خیالات میں بچھ گیا تھا۔“
”ہو مل ڈی فرانس میں پہنچ کر انہیں زیادہ دیر تک جگدیش کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ جگدیش کچھ پریشان سانظر آ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ آگر ان کے قریب بیٹھ گیا۔
”حمدی اور فریدی سوالیے نظرؤں سے اسے دیکھ رہے تھے لیکن اس نے خود ہی سلسلہ گفتوں نہیں شروع کیا۔“

”میں کیا خبر ہے؟“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔
”پہلی بُر تو یہ کہ کو توال صاحب مجھ سے بہت زیادہ نہادش ہو گئے ہیں۔“

”خبر یہ خر میرے لئے کافی پرانی ہو چکی ہے اور وہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔ تم مطمکن رہو۔ اچھا دوسرا بُر خبر ہے۔“

”یہیگم ارشاد نے معاملے کو الجھادیا ہے۔“

”کیوں....؟“ فریدی جوک کر بولا۔ حمید بھی جگدیش کو گھور راتھا کیوں کہ اس نے روہی کے ماں کا حوالہ دیا تھا۔

”انہوں نے۔“ جگدیش سگریٹ سلاکتا ہوا بولا۔ ”ایک نئی کہانی سنائی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اشرف کے والد کی ایک داشت تھی اور ان کی موت کے بعد اس نے جائیداد میں حصہ لیا پا گا لیکن اس کی کوششیں ناکام رہی تھیں۔ اس کے ایک پچھی تھے۔“

”ہو گا۔!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”اس میں کون سا الجھادیہ ہوتا ہے۔“

”سنے تو.... وہ عورت دراصل شاہد کی ماں ہے سعیدہ.... جلال آباد کے سرکاری ہسپتال میں میڑن ہے۔“

”کیا....؟“ حمید اچھل پڑا۔

”جی ہاں.... آج کو توال صاحب جلال آباد گئے تھے لیکن وہ عورت کہتی ہے کہ وہ اشرف کے والد سے واقعہ ہی نہیں۔“

”آہم....!“ فریدی بڑا بڑا۔ ”حالات تیزی سے روشنی میں آ رہے ہیں لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ وہ شاہد کی ماں ہی ہے۔“

”شاہد نے اس کا پتہ بتایا تھا وہ سری طرف بیگم ارشاد نے بھی وہی نام اور پتہ بتایا۔“

”بہت خوب اور سعیدہ اس سے انکار کرتی ہے۔ اس نے شاہد کو تو انپانیا تسلیم کر لیا ہے تا۔“
”جی ہاں اسے وہ تسلیم کرتی ہے۔“

”ہوں.... اچھا.... تواب تھا رے صاحب کیا فرماتے ہیں؟“

”فرما میں گے کیا.... جھک بار رہے ہیں۔ شاہد جوں کا توں اپنے پچھے بیان پر قائم ہے۔“

”میں پہلے ہی کہہ رہا تھا۔“ حمید بڑا کرہ گیا۔ ”تم بھی بھی کہہ رہے تھے کہ شاہد کا بیان غلط تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”قطعی! بے سرزدا۔!... بے نیاد۔!“

”خر تمہیں ان خیالات پر افسوس کرنے کا موقع دیا جائے گا۔“ فریدی خنک لہجے میں بولا اور رہی سے اٹھ گیا۔

”کہاں چلے؟“ حمید نے پوچھا۔

”تم میرا انتشار نہ کرنا۔“

وہ ان دونوں کو دیں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ کیڈی اسٹارٹ کی اور پھر کچھ دور پر اسے ایک ہڑوں پپ کے سامنے روک دیا۔ منکی بھرائی اور پھر چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد کیڈی کی پر نیشن رڈ پر جا رہی تھی۔ جلال آباد کا فاصلہ ساٹھ میں تھا۔ پولو گراؤنڈ والی سنسان سڑک پر پہنچتے ہی کیڈی کی رفتاد بہت تیز ہو گئی۔ تقریباً یاڑیوں گھنٹے بعد وہ جلال آباد کے سرکاری ہسپتال کی کپاڈوں میں داخل ہو رہی تھی۔ فریدی نے کلامی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ سڑاٹھے گیارہ نجع پکے تھے۔

سیدہ ذیوٹی ہی پر تھی۔ اس نے اس تک پہنچنے میں زیادہ دیرینہ لگی۔ یہ ادھیز عرص کی ایک باوقار اور مگن عورت تھی۔ فریدی کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کے چہرے پر تشویش یا پریشانی کے آثار

”خاموش...!“ سعیدہ بینے کے بل جیج کر دیوار سے مل گئی۔ اُس کے چہرے پر پیسے کی بخی بوندیں بھوٹ آئی تھیں اور وہ بُری طرح کاپ رہی تھی۔

”کسی کی موت کی خبر سے متاثر نہ ہونا اور بات ہے اور کسی کو مرتے دیکھنا اور...!“

”مم... میں اپنے کوارٹر میں جانا چاہتی ہوں۔“ اُس نے مردہ اسی اواز میں کہا۔

فریدی نے سہارے کے لئے اپنا دہنا بازو پیش کیا اور وہ دونوں باہر آئے۔ کوارٹر ہسپتال کے

لپاؤٹ میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ فریدی کے سامنے بیٹھی مضمضل آواز میں کہہ رہی تھی۔

”عرفان سے میری سول میرن ہوئی تھی۔ شادی کا سرٹیفیکٹ میرے پاس موجود ہے اور

شہاب عرفان ہی کا لڑکا ہے یعنی اشرف مرحوم کا سوتیلا بھائی ہے۔ یہ چند آدمیوں کے کمینہ پن کی

ایک لمبی داستان ہے لیکن میں مختصر آتا دیں گی۔ شہاب چھ ماہ کا تھا کہ عرفان جل بے۔ اشرف پانچ

سال کا تھا اور اُس کی ماں زندہ تھی۔ بیگم ارشاد کی بہن.... میں نے جائیداد میں دوبارہ چاہا لیکن

اشرف کی ماں کے عزیزوں نے طوفان برپا کر دیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ عدالتی چارہ جوئی ہونے پر وہ

شہاب کو ناجائز اولاد ثابت کر دیں گے۔ حالانکہ سرٹیفیکٹ کی موجودگی میں وہ اسے کسی طرح نہ

ثابت کر سکتے۔ لیکن میں نے اسے گوارانہ کیا کہ میرے پنج کی حیثیت اتنے گندے انداز میں

موضوع بحث بنے۔ یہ میری شرافت کی توبین تھی۔ میں نے وہ شہر ہی چھوڑ دیا اور گمنامی کی زندگی

برکرنے لگی۔ شادی سے قبل بھی میں نہیں تھی۔ اس واقعے کے بعد میں دوبارہ اس زندگی میں آگئی۔“

سعیدہ اٹھ کر ایک کرے میں آگئی۔ واپسی پر اُس کے ہاتھ میں شادی کا سرٹیفیکٹ تھا۔ فریدی

اُسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”کیا شہاب کو ان واقعات کا علم ہے؟“

”ہرگز نہیں۔ میں نے اُسے کبھی کچھ نہیں بتایا.... اور نہ پھر اس کے بعد سے کبھی عرفان

کے اعزاز سے میرا سامنا ہوا۔ میں یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بیگم ارشاد کو میری موجودگی کا

بھی علم ہو گا.... آہ! بے شک کسی نے میرے پنج کو بُری طرح پھنسا دیا ہے۔ میں کیا کروں؟“

اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

”اگر آپ میری ہدایت پر عمل کریں گی تو سب نیک ہی ہو گا۔ دیکھنے فی الحال آپ اس

سرٹیفیکٹ کو بھول جائیے اور اپنے اسی بیان پر اڑی رہئے کہ آپ عرفان سے واقعہ تک نہیں

تھیں۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں یہ سرٹیفیکٹ اپنے ہی پاس رکھوں۔ ہو سکتا ہے کہ بیگم

ارشاد کے دوسرا اشارے پر آپ کے گھر کی تلاشی لی جائے۔ اگر یہ سرٹیفیکٹ پولیس کے ہاتھ

لگ گیا تو پھر شہاب کی گلو خلاصی محال ہو جائے گی اور ہاں صرف یہی نہیں بلکہ ہر ایسی چیز ضائع

قطعی نہیں تھے۔ حالانکہ اُسے اپنے لڑکے کے لئے پریشان ہونا چاہئے تھا۔ فریدی نے جب اُسے اپناوز یینگ کارڈ بیا تو وہ کچھ اکتا ہی ہوئی سی نظر آنے لگی۔ پھر بولی۔

”دیکھئے! آپ کا تعلق محکمہ سراجِ رسانی سے ہے اور مجھے آپ کے بیہاں کے ڈی. ایم. ہے۔ سے ہدایت ملی ہے کہ میں محکمہ سراجِ رسانی کے کسی فرد سے کوئی بات نہ کروں۔“

”اور یہ محض اس لئے کہ میں شاہد کو بے گناہ سمجھتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ بیچارا ایک بہت بڑی سازش کا شکار ہو گیا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں اُسے بچانے کی کوشش کروں۔ شاہ

آپ میرے نام سے واقعہ نہ ہوں گی۔“ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ”تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“

”کیا بیگم ارشاد نے جو اطلاع دی ہے صحیح ہے؟“

”کون بیگم ارشاد؟ میں انہیں نہیں جانتی۔“

”دیکھئے! یہ شہاب کے حق میں درست نہیں۔“

”شاہد...!“ اُس نے ہونٹ بھینچ لئے۔ پھر بولی۔ ”میں ایسے نافل کو پہنچانی ہی پر دیکا پسند کروں گی جس نے میری تربیت پر بہت لگایا۔“

”میں آپ کے اس جذبہ کی قدر کرتا ہوں۔ مگر وہ بے چارا بے گناہ ہے۔ اگر آپ نے میرا مدد نہ بھی کی تو میں اُسکی بے گناہی ثابت کر دوں گا۔ ہاں اس طرح ذرا دشواریاں بڑھ جائیں گی۔

”میں آپ کی کیا رد و کر سکتی ہوں؟“

”یہی کہ مجھ سے کچھ چھپائیے نہیں۔“

”مم... میں کچھ نہیں چھپا رہی ہوں۔“

”دیکھئے! آپ ایک بڑی حقیقت چھپا رہی ہیں۔ اشرف کے والد سے آپ کی باقا عدہ شاد

ہوئی تھی۔“

”مگر... نہ... نہیں... نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں... میں کسی اشرف یا اسے والد کو نہیں جانتی۔“

”آپ کی مرضی۔“ فریدی خنک لجھ میں بولا۔ ”آپ نے صرف پہنچانی کا نام سنایا۔“

کو پہنچانی ہوتی دیکھی نہیں۔ گردن ربر کی طرح کھینچتی ہے اور جسم جھوٹا رہ جاتا ہے۔ پھر جا

تائگیں پکڑ کر اس طرح جھمکا دیتا ہے شاہد جوان آؤی ہے۔ گردن کی ہڈی ٹوٹنے کے بعد بھی اُس

جم پھر ڈکتار ہے گا۔“

کر دی جائے جس سے آپ کا اور عرفان کا تعلق ظاہر ہو سکے۔ مثلاً پرانے خطوط وغیرہ فوٹو گراف تھا، جن پر آپ کے اور عرفان کے نام موجود ہوں۔“

”لیکن اگر عرفان کے دوسراے اعزاز نے میرے خلاف شہادت دی تو؟“ سعیدہ نے کہا۔ ”فکر نہ کر جئے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس صورت میں جلال آباد کے کم از کم ذیڑھر ممزوزین اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ ہمیشہ سے جلال آباد ہی میں رہتی آئی ہیں اور میں کے ایک خاندان میں آپ کی شادی ہوئی تھی۔“

فریدی کی چال

دوسری صبح سر جنت حمید اور انپکڑ فریدی میں پھر تحریر ہو گئی۔ فریدی نے اُسے بچھلی رات کے واقعات بتا دیئے تھے۔ وہ اس وقت ناشتے کی میز پر تھے۔

”اور اس کے باوجود بھی آپ اپنے بچھلے نظریے پر قائم ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”سعیدہ نے آخر اتنی بڑی حقیقت کو چھپانے کی کوشش کیوں کی؟“

”اس حقیقت کو تو وہ بیس بائیس بر س سے چھپائے رہی ہے۔“

”میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا کہ شاہد کو اس کا علم نہ رہا ہو۔“ حمید نے کہا۔ ”اوہ وہ ایک چالاک ترین قاتل ہے۔“

”اتنا چالاک کہ پھنس جانے کے لئے اپنا کوٹ چھوڑ گیا تھا۔“ فریدی طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

حمدیکچھ نہ بولا۔ اس نے اکشاف پر وہ چکر آگیا تھا۔ بات حقیقتاً سوچنے کی تھی۔ اگر شاہد واقعی قاتل تھا تو اس نے مقتول سے کوٹ بدلنے کی حماقت کیوں کی۔ اگر معاملہ صرف شاخختی کا رد کا ہوتا تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ اُس کی بے احتیاطی سے شاخختی کا رد جائے واردات پر گر گیا ہو گا۔

”پچھے نہیں بیٹے۔“ فریدی اُس کے چہرے کے قریب انگلی نیچا کر بولا۔ ”ہم ایک قدم بڑھے ہیں۔ اب ہمیں بیگم ارشاد کے متعلق سوچتا ہے۔ اس نے پولیس کو غلط اطلاع کیوں دی۔ صاف صاف کیوں نہیں بتایا کہ سعیدہ سے عرفان کی سول میرج ہوئی تھی اور یہ کہ اُسے سعیدہ کی موجودہ حالات کا علم کب ہوا۔ وہ اس کے جلال آباد کے قیام کے متعلق کب سے جانتی ہے اور اُسے اس کا علم کیوں نکر ہوا۔ تم نے ابھی تک مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ اُن پانچوں میں سے ریاض اور

نیفن کے علاوہ اور کون سگار پیتا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں بیتا۔“ حمید نے کہا۔

”اچھا تو اب ہم اپنا طریقہ کار بدل دیں گے۔ ان لوگوں سے تو کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکتا۔ کوئنکہ ذی۔ الم۔ پی نے ان کے ہونٹ سی دیتے ہیں۔“

”پھر ہم کہاں ٹکریں ماریں گے؟“ حمید پیزاری سے بولا۔ ”ان تین دنوں میں میری روح بڑی طرح پکالی گئی ہے۔“

”لہبراؤ نہیں.... جلد ہی تمہارے معیار کی تفریحات نصیب ہوں گی۔ ناشتہ ختم کر چکے ہو تو اٹھو۔“

لباس تبدیل کر کے وہ باہر نکلے۔ حمید کو جیرت ہو رہی تھی کہ فریدی آج ان گلیوں کے چکر کیوں لگا رہا ہے جن کے متعلق سوچنا بھی کم از کم اُس کے طبقے کے لوگوں کے لئے باعث نہ ہو سکتا ہے۔ ان گلیوں میں جا بجا غلط امتیاز اور گندگی کے ذہر تھے ہر نئے موڑ پر ایک نئی قسم کی بدبو کا احساس ہوتا تھا۔ دن کے وقت بھی وہاں قریب قریب تاریکی ہی تھی۔

فریدی نے ایک بھدی سی عمارت کے بدوضع صدر دروازے پر دستک دی۔ حمید ناک پر روپال رکھ کر ٹھرا تھا۔ اُس نے کراہت سے اُس اونچی عمارت پر نظر ڈالی اور فریدی کو گھوڑے نے لگا۔

دو تین پار دستک دینے پر دروازہ چھپاہٹ کے ساتھ کھلا۔ چوپان کے درمیان سے نکلنے والا سر کسی سال خورده بڑھیا کا تھا۔ اُس نے جیرت سے ان دونوں کو دیکھا اور منہ کھول کر کھڑی ہو گئی۔ فریدی جیب سے فاؤ نیشن پن کال کر کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر کچھ لکھنے لگا۔ پھر اُس نے وہ ٹکڑا بڑھیا کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اُسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ بڑھیا ہونٹوں میں کچھ بڑھاتی ہوئی چلی گئی۔

”بہری ہے۔“ فریدی نے حمید کی طرف مرکر کہا۔

”انتخاب کی داد دیتا ہوں۔ اگر لئنگری بھی ہو تو مجھے ذرہ برابر افسوس نہ ہو گا۔ آپ اسی لائق یہں۔ البتہ بدبو سے میرا دم گھٹ رہا ہے۔“

”بس اتنے ہی میں گھبرا گئے۔“

حمدیکچھ نہ بولا۔ اُس نے جیب سے دوسرا روپال نکال لیا جو ”ایمس آف روز“ کی خوشبو سے باہر ہوا۔ تین چار منٹ گذر گئے۔ فریدی شایدی کی کا منتظر تھا۔ دروازہ پھر کھلا۔ اب ان کے سامنے ایک بھاری بھر کم آدمی کھڑا تھا جس کے جسم پر خاکی

گابرڈین کی پتلون اور چڑے کی جیکٹ تھی۔ چہرہ بڑی حد تک بد نما اور بحمد احترا۔
”میں نہیں سمجھ سکتا۔“ وہ بڑا کر رہ گیا۔

”بابر آؤ...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تھوڑی سی گفتگو اور تھوڑی سی تفریح۔“
وہ باہر آگیا۔ دروازہ کسی نے اندر سے پھر بند کر لیا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ فریدی نے کہا۔
سرٹک پر پہنچ کر انہوں نے ایک ٹیکسی رکوائی۔

”مجھے ایک لڑکی کی تلاش ہے۔“ فریدی ٹیکسی میں بیٹھتے ہی بولا۔

”اوہ.... تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“ گرانٹیل آدمی نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔
”تم بھبھی گئے ہو گے کہ وہ کس قسم کی لڑکی ہو سکتی ہے۔“

”لیکن میں اب دوسرا دھندا کر رہا ہوں۔ یہ دھندا تو اب شرٹیوں میں چلا گیا ہے۔“
”سگار...!“ فریدی سگار کیس اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

”شکریہ...!“ اُس نے سگار لے کر ہونٹوں میں دبایا اور عجیب نظر وہ سے فریدی کی
طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”میا کوئی نئی مصیبت۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج مکی میں منت
مزدوری کر رہا ہوں۔“

”تم جو کچھ بھی کر رہے ہو۔“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔ ”مجھے اس سے غرض نہیں۔ میں
چھوٹے موٹے معاملات میں ہاتھ نہیں لگاتا۔“

”پھر... لیکن کسی بڑے معاملے سے میرا کیا تعطیل۔“

”تم غلط سمجھے... میں تمہیں کو تو ای نہیں لے جا رہا ہوں۔“

”دوسرا صورت میں بھی مجھے جنم ہی کی توقع رکھنی چاہئے۔“ اُس نے کہا۔

”نہیں... میں تمہاری مدد چاہتا ہوں۔ مجھے اس لڑکی کی تلاش کے سلسلے میں تمہاری
ضرورت ہے۔“

”اب میرے پاس لا کیاں نہیں ہیں.... آپ یقین کیجھ۔“

”ہو سکتا ہے کہ تم اُسے جانتے ہو۔“

”نام کیا ہے؟“

”نام... مجھے نام میں شبہ ہے۔ ویسے وہ بعض اوقات خود کو رضیہ کہتی ہے۔ کچھ اس قسم کی
ہے کہ لوگ اُسے کافی تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں۔ عمر بیس اور پھیپس کے درمیان۔ ایک خاص پہچان یہ۔

ہے کہ اُس کے دامنے کان کی لودوہری معلوم ہوتی ہے۔“

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر مایوسی سے سر ہلا کر بولا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ میں اسی
کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اسی لڑکی آپ کو مادام کے ہوش میں ضرور مل
جائے گی۔“

”میا بکواس ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”وہ تو کالج گرلز کا ایک پرائیوریٹ ہوٹل ہے۔ مادام روڈاون
ایک معزز عورت ہے۔“

”حضور والا۔“ وہ تنخیجے میں بولا۔ ”یہی تو میں عرض کر رہا تھا کہ ان معزز ہستیوں نے
ہماری روٹیوں پر لات ماری ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”مجھے اس کا علم نہیں تھا۔“

”ان کا کارڈ پار صرف اونچے طبقے تک محدود ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”اسی لئے کسی کو ان کا علم
نہیں۔ روڈاون کے ہوٹل کی ساری لڑکیاں دھندا کرتی ہیں۔ لیکن کسی کے منہ میں دانت ہیں کہ
انہیں طواں تھیں کہہ کر پکارے گا۔ انہیں آپ سوسائٹی گرلز بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ عام طور
پر بہت کم و کھائی دیتی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ آپ قانونی طور پر مادام روڈاون کے خلاف کوئی
کارروائی نہیں کر سکتے۔“

”کیوں....؟“

”آپ کو کہیں سے کوئی ثبوت ہی نہ ملتے گا۔“

”آخر لوگ ان لڑکیوں تک کیوں نکر پہنچتے ہوں گے؟“

”چیز لیز ہوٹل کے نیجر کے ذریعہ۔“

”کیا....؟“ حمید یک بیک چوک پڑا۔

فریدی نے اُسے ٹوٹنے والی نظر وہ سے دیکھا اور پھر اجنبی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ حمید کو
اچھی طرح یاد نہیں کہ پھر ان دونوں کے درمیان اور کیا گفتگو ہوئی۔ اُس کے کانوں میں بیٹھا
کی بجھے لگیں تھیں۔ اُس کی آنکھیں خود بخود کبھی بھیلتی اور کبھی سکڑ جاتیں۔ ذہن بار بار ”چیز
لیز ہوٹل“ دہرا رہا تھا۔

پھر اُس نے تھوڑی دیر بعد ان دونوں کو ٹیکسی سے اترتے دیکھا۔ وہ بھی اتر گیا۔ لیکن وہ اندر
ہی اندر نہ رہی طرح کھول رہا تھا اور اُس کی زبان کچھ اگل دینے کے لئے بے قرار تھی۔ اجنبی نے
فریدی سے مصافحہ کیا اور ایک طرف چلا گیا۔ وہ دونوں فٹ پاٹھ پر کھڑے ہوئے تھے۔

”میں وکیل ہوں اور تم میرے محترم... کیا سمجھے۔ بس نی الحال اتنا ہی۔“
میک اپ کرنے کے بعد انہوں نے لباس تبدیل کیے اور فریدی نے گیراج سے اپنی وہ چھوٹی
کارڈیل جس کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ حمید خاموش تھا۔ اُس نے سوچا کچھ پوچھنا بیکار ہے۔
حقیقت تو یہ تھی کہ بعض اوقات وہ بھی فریدی کی اس حرکت سے کافی مظوظ ہوتا تھا۔ وہ کچھ
ہنانے بغیر اُسے ایسی جگہوں پر لے جاتا جہاں جنچ کر اُسے تحریخ اختتام رکھنے والی کہانیوں کا سامنہ
آ جاتا تھا۔

اور پھر وہی کے مکان کے سامنے کارکتے دیکھ کر اُسے کچھ حیرت ہوئی۔ وہ دونوں کار سے
اڑے اور پور میکو سے گزر کر برآمدے میں آئے۔ فریدی نے جب سے وزینگ کارڈ کالا جس پر
”لیں کے ناگر سیل“ تحریر تھا۔

”بیگم صاحبہ سے ملتا ہے۔“ اُس نے نوکر کو وزینگ کارڈ دیتے ہوئے کہا۔
دو تین منٹ بعد وہ اندر بلائے گئے۔ ڈرائیور میں بیگم ارشاد تھا تھیں اور پکھ مistrub
کی نظر آرہی تھیں۔

”میں خاتون سعیدہ کا وکیل ہوں۔“ فریدی نے اپنا عذر کرایا۔

”کون خاتون سعیدہ...؟“ بیگم ارشاد نے پیشانی پر ٹکنیں ڈالتے ہوئے کہا۔

”وہی جس کی اپنے نے توہین کی ہے اور اب وہ میری وساطت سے آپ پر ازالہ حیثیت
عرفی کا دعویٰ کرنے جا رہی ہیں۔“

”وہ جھوٹی ہے۔ اُس نے پولیس کو غلط بیان دیا ہے۔“

”جی ہاں... انہوں نے پولیس کو بتایا ہے کہ وہ کسی ایسے عرفان کو نہیں جانتیں جس سے
اُن کے ناجائز تعلقات رہے ہوں۔“

”لیکن آپ اُس کے بیان کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟“

”میں مجبور ہوں۔ میرے پاس ٹھوس دلائکل ہیں۔ ثبوت ہے، شہادتیں ہیں... گواہ ہیں۔“

”میں ایسے گواہیں کر سکتی ہوں جو....!“

”جی ہاں۔“ فریدی اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”جو شہادتیں دیں گے کہ عرفان سے اُن کی
مول میرج ہوئی تھی۔“

”یہ غلط ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں... اگر ثبوت تھا تو وہ یہاں سے بھاگ کیوں گئی تھی؟“

”وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اُن کے پچھے کی شخصیت ناجائز اولاد کی حیثیت سے زیر بحث آئے۔“

”کس ہو ٹل کا نام لیا تھا اس نے؟“ حمید نے پوچھا۔

”اوہ ٹھیک یاد آیا۔“ فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”تم چیز لیز ہو ٹل کے نام پر چوتے کیوں تھے؟“

”کیا آپ جانتے ہیں چیز لیز ہو ٹل کا مالک کون ہے؟“

”ہاں... آں... شاید... جہاں تک گیر بہرام جی۔“

”جی نہیں... وہ کمی ماہ پیشتر کی بات ہے۔ اب اُس کا مالک فیض ہے۔“

”مگذلارڈ...!“ فریدی چونکہ پڑا۔

”فیض....!“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”وہ سماں بھی پیتا ہے اور ہے بھی کمینہ خصلت۔“

”ہوں... اچھا تو اب کھیل شروع ہونے جا رہا ہے۔“ فریدی نے ایک گزرتی ہوئی ٹھیکی
کیلئے ہاتھ اختیتے ہوئے کہا اور حمید سے بولا۔ ”اس ڈی ایس۔ پی کے پچھے سے بھی بکھ لوں گا۔“

وہ دونوں گھروپ اپنے آگئے اور فریدی حمید کو نیچے چھوڑ کر اپنے منزل پر چلا گیا جہاں اُس کی
تجربہ گاہ تھی۔ کچھ دیر بعد اُس نے حمید کو اپر سے آواز دی اور پھر جب حمید اپر پہنچا تو اُسے
فریدی کی بجائے تجربہ گاہ میں ایک بوڑھا نظر آیا جس کی سفید موچیں نچلے ہوئے کو بھی ڈھکے
ہوئے تھیں اور ڈاڑھی صاف تھی۔ نہ صرف ڈاڑھی بلکہ چندیا تک صاف تھی۔

”لعنت ہے! ایسے میک اپ پر کہ سر تک منڈ جائے۔“ حمید بڑا بیال۔

”بیٹے تب تو میک اپ مکمل ہے اور میں اس سے مطمئن ہوں۔ گھر اؤ نہیں بال محفوظ ہیں۔
سر پر پلاسٹک کا خول ہے اور یہ سو فیصدی میری ایجاد ہے تم بھی جلدی سے کوئی لٹاسیدھا میک
اپ کر ڈالو۔ اگر ڈی۔ ایس۔ پی کے پچھے نے راستہ بند کر دیا ہو تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔
”کیا میں بوڑھا ہیں جاؤں۔“ حمید نے بڑی سعادت مندی سے پوچھا۔

”بکومت.... چلو اور ہر آؤ۔“

حمدید میک اپ کے دوران میں طرح طرح کے منہ بنا تارہ۔

”وہ آدمی کون تھا...؟“ حمید نے پوچھا۔

”گر جن.... تم اُس سے واقف نہیں۔ یہاں کے مشہور بد معاشوں میں سے ہے۔ ہو سکتا
ہے کہ اب اُس نے لڑکوں کا کار و بار ترک کر دیا ہو لیکن دو ایک قمار خانے تواب بھی چلا رہا ہے۔“

”لیکن اگر ہمیں وہ لڑکی رو دنو کے ہو ٹل میں بھی نہ طی تو....؟“

”فکر نہ کرو.... اب جھی ہوئی ڈور کا سر اور یافت کرنے کیلئے ہر گا تھہ پر انگلی رکھنی پڑتی ہے۔“

”اب آپ کیا کرنے جا رہے ہیں؟“

”میر اشرف کو مسٹر ارشاد پسند کرتے تھے۔ حالانکہ اشرف ایک آوارہ لڑکا تھا؟“
”براؤ کرم خاموش رہئے۔“ بیگم ارشاد نے طیش میں آکر کہا۔ ”آپ اشرف کو کیا جانیں۔“
”وہ میرا مستقل مولک تھا۔ اُس کی جلال آباد کی جانیداد کے مقدمے میں ہی کرتا تھا۔
عایشیوں کے لئے وہ وہیں آتا تھا۔ میر اخیال ہے کہ ارشاد صاحب اُسے پسندنا کرتے رہے ہوں
جی۔ کیونکہ وہ اُس کی حرکتوں سے واقف تھے۔“

”ارشاد صاحب۔“ بیگم بُر اسامنہ بنا کر بولیں۔ ”انہیں اتنا سلیقہ ہوتا تو وہ اپنے بھانجے کے
لئے ضدنہ کرتے جس کی حالت انہر من الشس ہے۔“
”اچھا تو وہ فیض صاحب کو پسند کرتے ہیں؟“ فریدی طویل سافنس لے کر بولا۔
”ان باتوں سے آپ کو کیا سروکار...؟“ بیگم اچاک اُسے گھورنے لگیں۔
”کچھ نہیں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”بہتر ہے کہ آپ خاتون سعیدہ سے اپنی غلط بیانی کی
معافی مانگ لیں۔ ورنہ میں دعویٰ دائر کر دوں گا۔“

حمسید کا کارنامہ

سرجنٹ حمید شدت سے بور ہو رہا تھا اور فریدی رووانو کے گرلز ہوٹل کے پیچھے پڑ گیا تھا۔
اس دوران میں وہ زیادہ تر تھاہی باہر لفکتا تھا۔ بہر حال حمید خوش تھا کہ چلو پچھا چھوٹا۔ ایسے کیوں
میں اُس کا دل بالکل نہیں لگتا تھا جس میں دھوول دھپے کے موقع نہ نصیب ہوں۔ مطلق استدلال
کے ذریعہ مجرم تک پہنچا اُس کے خیال کے مطابق کھمیاں مارنے کے متراوف تھا۔ اُس نے کنی بار
فریدی کو سمجھا یا کہ یہ کیس سول پولیس ہی کے لئے زیادہ مناسب رہے گا۔

فریدی کے مطلق استدلال کی بیان پر اُس نے یہ بھی تسلیم کر لیا تھا کہ قاتل فیض ہی ہو سکتا
ہے لیکن ثبوت.... ثبوت کوئی بھی نہیں تھا۔ حالات اور امکانات سراسر فیض ہی کی گردن کی
طرف اشارہ کرتے تھے لیکن محض حالات ہی تو سب کچھ نہیں ہوتے۔ عدالت کیلئے ثبوت چاہئے۔

حمید کو اب تک کسی ایسی لڑکی کے وجود پر یقین نہیں تھا جس کے دامنے کان کی لوڈوہری
ہو۔ اُس کی دانت میں اگر شاہد کی کہانی صحیح بھی تھی تو اسے اس سازش میں بچانے والی روئی کے
علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ مرد تو عورت کے معاملے میں بالکل اُنہوں جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ
ٹاپڈ کو ان حالات میں بھی اُس کی رسوائی منظور نہ ہو۔

اسی لئے انہوں نے جانیداد پر لات مار دی تھی۔ لیکن اب جب کہ اُن کے پیچے کو ایک سازش کا
شکار بنا لیا گیا ہے وہ کس طرح خاموش رہ سکتی ہیں۔“

”سازش! کیسی سازش...؟“ بیگم ارشاد چوک پڑیں۔

”کھلی ہوئی سازش ہے.... اشرف کے اعزاز خاتون سعیدہ کی شرافت سے ناجائز قرار
اٹھا چاہا۔ انہیں معلوم تھا کہ شاہد قانونی طور پر عرفان کے ترکے کا حصہ وار ہے۔ لہذا انہوں نے
پولیس کو غلط راستے پر ڈال دیا تاکہ پولیس چھان میں کر کے اصل حقیقت معلوم کر لے اور شاہد کو
قاتل نہ بھراے۔ آخر آپ نے ناجائز تلقیات والی کہانی پولیس سے کیوں دہرانی۔ خیراب دودھ کا
دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ میرے لئے یہ ثابت کرو دینا مشکل نہ ہو گا کہ اشرف کو اُن لوگوں
نے قتل کیا ہے جو شاہد کو راستے سے ہٹاوائے کے بعد اُس کے وارث ہو سکتے ہیں۔“

”کیا...؟“ بیگم کامنہ حیرت سے کھل گیا۔ پھر وہ سنبھل کر بولیں۔ ”یہ شاہد کون ہے؟“

”خاتون سعیدہ کا لڑکا۔“ ہے پولیس نے شبھے میں گرفتار کیا ہے۔ اُس کا کوٹ مع اُس کے
شناختی کارڈ کے جائے واروؤں پر پایا گیا تھا۔ آپ لوگوں نے اُسے پھسانے کی کوشش کی ہے۔
ورنہ کون ایسا حقیقہ ہے کہ واردات کرنے کے بعد نہ صرف اپنا کوٹ چھوڑ جائے گا بلکہ اُس میں
شناختی کارڈ بھی پڑا رہنے دے گا۔“

”غصب خدا....!“ بیگم ارشاد کا پتی ہوئی پولیس۔ ”میں اپنے بھانجے کے قتل کی سازش
کروں گی؟“

”سب کچھ ہو سکتا ہے محترمہ! کون جانے کہ آپ نے اپنا دامن پاک ظاہر کرنے ہی کے لئے
ایک دن قبل اُس سے اپنی بیٹی کی متنقی کا اعلان کر دیا ہو۔ اتنا یاد رکھنے کے میں عدالت میں سارے
تاتنه بانے کی دھمکی اڑا دوں گا۔ ناگر کو وہی لوگ جانتے ہیں جن سے اُس کا ساتھ پڑھ کا ہے۔
آپ کو اس کا علم کس طرح ہوا تھا کہ سعیدہ جلال آباد کے ہسپتال میں میڑن ہے؟“

”اشرف کی موت کے بعد کسی نے کہا تھا۔“ بیگم اپنے خلک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولیں۔

”کس نے کہا تھا....؟“

”مجھے یاد نہیں.... بہترے لوگ تھے۔ مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ سعیدہ زندہ ہے یا مر گئی۔
”زندہ ہیں اور ان کی شادی کا شریکیست بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ آپ براؤ کرم یاد کرنے
باتیئے کہ سعیدہ کے متعلق کس نے اطلاع دی تھی؟“

”مجھے افسوس ہے کہ یہ قطعی یاد نہیں۔ میرے حواس ٹھکانے نہیں تھے۔“

”پڑے نہیں۔“ حمید مالیو سی سے سر ہلا کر بولا۔ ”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ چلی میں جلوے کے نت بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ہاں کے باشندے چائے کی پیالیاں لے کر درخنوں پر چڑھتے ہیں اور ناشستہ کر کے پھر آتے ہیں۔ بظاہر تو یہ ایک بہت ہی معمولی سامراجی ہے لیکن اس ہنا لوکی خارجی پالیسی پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ ویسے ہمارے یہاں خدجوں کیلئے کوئی جگہ نہیں۔“

”اچھا باب میں چلتی ہوں۔“ روہی اٹھتی ہوئی بولی۔

”اُررر... بیٹھئے۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ چلتی ہیں... ورنہ... یہاں تک پہنچتیں؟“

”لیا مطلب...؟“ وہ پھر بیٹھ کر اُسے گھورنے لگی۔

”کہہ دوں دل کی بات...؟“ حمید بڑے رومنگ انداز میں بولا۔

”کہہ بھی چکرے۔ وہ اکتائے ہوئے بجھے میں بولی۔

”جب میں پانچ برس کا تھا...!“ حمید کہتے کہتے رک گیا اُس کی آنکھیں حرمت سے پھیل لی۔ اُس نے فریدی کوہاں میں داخل ہوتے دیکھا جس کے ساتھ ایک بڑی حسین لڑکی تھی اور یہی اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر چل رہا تھا۔ روہی بھی اُسی طرف مُر کر دیکھنے لگی۔ پھر وہ بد کی طرف مُری۔

”کیوں... وہ کون ہیں؟“

”آہ... ہے... ہا...! کوئی نہیں۔“ حمید ہاتھ مٹا کر بولا۔

”بڑا شناذار آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”خونی اور قاتل ہے۔“

”آپ لوگوں کو تو ہر ایک خونی اور قاتل معلوم ہوتا ہے۔“ روہی جھنجلا کر بولی۔

”وہ دونوں ایک خالی کیسین میں چلے گئے اور فریدی نے پر وہ کھینچ دیا۔ حمید کری پر بے چینی سے بلوبد لئے لگا۔

”شاید آپ اُس لڑکی کو جانتے ہیں؟“ روہی نے کہا۔

”نہیں میں نہیں جانتا۔“

”تو پھر آپ... اُس کے حسن سے متاثر ہوئے ہیں۔“

”نہیں! وہ آپ سے زیادہ حسین نہیں ہے۔“

”پھر کیوں اُسے اس طرح گھور رہے تھے؟“

”میں اُس آدمی کو پہچانتا ہوں۔ وہ خود کو بڑا خشک بنایا کر پیش کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے

اُسی خیال کے تحت حمید ابھی تک روہی سے مبارہ تھا اور اس دوران میں اُس نے اُس کی فطرت کا اچھی طرح مطالعہ کیا تھا۔ وہ جلد اکتا جانے والی لڑکیوں میں سے تھی۔ ہر لمحہ زندگی میں نئے پن کی طلب گار۔ کفر دری اور صاف بات کہنے والی.... رومان اُس کی زندگی کا جزو لازم تھا مگر اُس معنی میں نہیں جوار دو میں مستعمل ہے اُسے عشقیہ قسم کی گفتگو سے الجھن ہونے لگی تھی۔ سرجنت حمید نے آج اُسے آر لچنڈ میں مدعا کیا تھا اور وہیں اُس کا منتظر تھا۔ روہی نے آئے ہی بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”آج مجھے دن میں کئی بار ایک ناخوٹگوار منظر دیکھنا پڑا۔“

”لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ناقابل برداشت حد تک ناخوٹگوار نہ رہا ہو گا۔“

”قطیع تھا.... لیکن مجبوری تھی۔ مجھے گھر ہی پر رہنا پڑا۔“

”کیا مصیبت تھی؟“

”میری ایک کزن آج کل میرے یہاں آئی ہوئی ہیں۔ اُن کی گود میں بچہ بھی ہے۔“

”ماشاء اللہ....!“ حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا اور وہ اُسے نہ اسامنہ بنا کر گھورنے لگی۔

”آپ کے بجھے میں بڑا بوزھیاپن ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”خیر ہو گا.... میری کزن بار بار پہنچ کو دو دھپڑے پلانے لگتی تھیں۔“

”واقعی بڑا حسین منظر ہو گا۔“ حمید بولا۔

”وہ دو دھپڑے پلاتے وقت ایسا بُر امنہ بنا کر بیٹھ جاتی ہیں جیسے کہ کے ملے کو دو دھپڑے پلار ہی ہوں۔“

”سبحان اللہ....!“ حمید شرات سے مسکرایا۔

”خدا تمہیں غارت کرے۔“ روہی نے جھنجلا کر حمید کے ہاتھ پر جھپٹا مارا اور اتنے زور سے چکلی لی کہ اُس نے بلبلہ کر اٹھنے کا ارادہ ملتی کر دیا۔ کیونکہ وہ بہر حال جمع میں تھا۔

”مجھے غصہ آتا ہے تو میں پاگل ہو جاتی ہوں۔“ وہ اُسے گھورتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

”تم مجھے ٹیز کرتے ہو۔“

”ایک میں ہی نہیں.... میں نے ساہے کہ فیض بھی کرتا ہے۔“

”تم نے فیض کا نام کیوں لیا....؟“ وہ اُسے گھورنے لگی۔ ”میااب فیض پر شہہر ہے؟ اُس دن ریاض کے متعلق....؟“

”میں کسی پر شہہر نہیں کر رہا ہوں۔“ حمید نے اُسے جملہ پورانہ کرنے دیا۔ ”میں نے ساہنا کے آج کل آپ فیض سے کچھ کچھی کچھی سی ہیں۔“

”یہ کچھی کچھی سی ہوتا کیا بلایا ہے؟“

جیسے اُسے عورتوں کی ذرہ برا بر بھی پرواہنہ ہو.... لیکن....!"
”ایسے آدمی بڑے وچپ ہوتے ہیں۔“

”بے حد۔“ حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ اور پھر اُس نے ویٹر کو بلا کر کھانے کے لئے کھلادی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ روحی اس وقت کسی طرح جلدی سے مل جائے تاکہ وہ فریڈی، اُس کی پادری کی طرف متوجہ ہو سکے۔ کھانے کے دوران میں وہ قطعی خاموش رہا۔ وہ جانتا تھا اگر باشیں چھڑ گئیں تو پھر روحی کا اٹھنا قیامت پر منحصر ہو گا۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ وہ بور ہو کر پڑا جائے۔ تیندی اُس کی باتوں کے جواب میں ”ہوں ہاں“ کہا۔

لیکن جب وہ کھانا ختم ہو جانے کے بعد بھی نہ اٹھی تو حمید کو تاؤ آگیا۔ اور اُس کے ذمہ میں ایک دوسرا تدبیر کلبلانے لگی۔ اُس نے دو تین ٹھنڈی آپیں بھریں اور آنکھوں سے دو آڑ بچپے گئے۔

حمدی نے جلدی جلدی بل ادا کیا اور اُس نے بھی رقص گاہ کی راہ لی۔ ہال میں ہلکی ہلکی موسیقی فارہی تھی۔ حمید نے انہیں داہنے بازو کی ایک میز پر بیٹھے دیکھا۔

فریڈی کی پشت حمید کی طرف تھی اور وہ آگے جھکا ہوا اپنی ساتھی سے کچھ کہہ رہا تھا اور وہ ”توبہاں بیٹھے کر زونا...!“ روحی چاروں طرف جھپٹی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولا۔ ”یہ کیا یہودگی ہے۔ لوگ دیکھ رہے ہیں۔“

”میں آپ کی طرح بے ذرہ تو نہیں۔“ حمید نے جیب سے رومال نکال لیا اور پھر بولا۔ ”آپ کو اشرف سے بالکل محبت نہیں تھی۔“

”کواس ہے.... مجھے اشرف کے کتے سے بھی محبت تھی لیکن میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی لئے تو نہیں کیا۔ لیکن تمہیں ضرور کر دوں گی۔“ وہ اپنی مٹھیاں بھیجن کر بولی۔

”اب آپ کی معکنی ریاض سے ہو گی یا فیض سے؟“

”تم عجیب آدمی ہو.... بورنہ کرو۔“

”کیا میں اپنانام پیش کر سکتا ہوں؟“ حمید نے گلوکیز آواز میں کہل دیکھ رہا تھا اور پھر وہاں سے اس طرح چلا کیوں آیا۔

”اگلی کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ حمید تیکی ڈرائیور کو برا بر ہدایت دیتا جا رہا تھا۔ اگلی کار مختلف اکوں سے گذرتی ہوئی مادام رو داؤ کے گرائز ہاٹل کے سامنے رک گئی اور حمید کا دل شدت سے

”وہاں بھی بھی کبھی ملتی رہتے گا۔“
”تم مجھے ٹیز کر رہے ہو۔“

”دیکھنے میں اس وقت بہت معموم ہوں۔ لہذا مجھے ہنپتے پر مجبور نہ سمجھنے۔“

روحی نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن صرف منہ بنا کر رہ گئی۔ حمید نے اُسی وقت سر اٹھایا جب وہ نے چل گئی۔ اب وہ شرارت آمیز نظروں سے فریڈی والے کیben کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس نے زہن پر بہت زور دیا کہ کوئی نی شرارت موجود جائے گرنا کام رہا پھر اُس نے کیben کا پردہ سر کتے لجا اور جلدی سے اپنا منہ دوسری طرف موڑ لیا۔ فریڈی اور اُس کی ساتھی کیben سے نکل۔ پڑتے ہیں فریڈی نے حمید کو دیکھا نہیں تھا یا جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا وہ دونوں رقص گاہ کی

گاہوں پر ڈھلک آئے۔ روحی حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔

”مجھے اس وقت اشرف کی یاد ستاری ہے۔“ حمید گلوکیز آواز میں بولا۔

”تو یہاں بیٹھے کر زونا...!“ روحی چاروں طرف جھپٹی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولا۔ ”یہ کیا یہودگی ہے۔“

”میں آپ کی طرح بے ذرہ تو نہیں۔“ حمید نے جیب سے رومال نکال لیا اور پھر بولا۔ ”آپ کو اشرف سے بالکل محبت نہیں تھی۔“

”کواس ہے.... مجھے اشرف کے کتے سے بھی محبت تھی لیکن میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اسے تو نہیں کیا۔ لیکن تمہیں ضرور کر دوں گی۔“ وہ اپنی مٹھیاں بھیجن کر بولی۔

”اب آپ کی معکنی ریاض سے ہو گی یا فیض سے؟“

”تم عجیب آدمی ہو.... بورنہ کرو۔“

”کیا آپ نہیں ہیں؟“

”میں کیوں ہوتی۔“

”میں بہت اُس ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں جیج جیج کرنے رونے لگوں۔“

”جہنم میں جاؤ۔“ روحی اٹھتی ہوئی بولی۔

دھڑ کے لگا۔ اُس نے تقریباً دسوچار کے قابلے پر نیکی رکوانی۔
ادام رو دنو کا بائیل کسی دیران جگہ پر نہیں تھا۔ خاصی پر رونق سڑک تھی جس پر دروازے
مارٹن تھیں۔

آہستہ آہستہ زینوں کی طرف گیا اور اُسے نیچے جاتے دیکھتا رہا اور جب اُس نے کسی کار کا انحنی
سڑک تھا۔ کسی آواز سننے تو اٹھیں کا سانس لیا۔ اب وہ اُسی کر کے کی طرف جا رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ جو کوئی بھی اندر ہے وہ تھنا ہی ہو گا کیونکہ وہ ان کی آمد پر دروازے کے قفل

میں کنجی گھمانے کی آواز سن چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ خالی کر کے ہی مغلول رکھے جاتے ہیں۔ اُس نے
دروازے پر رک کر آہٹ لی۔ اندر کی روشنی ابھی مگل نہیں کی گئی تھی۔ حمید نے انگلی سے

دروازے پر دستک دی۔

”کون ہے....؟“ اندر سے ایک نجف سی آواز آئی۔

”زرکھلو نا تو....!“ حمید نے بھرا ہوئی آواز میں اس طرح کہا جیسے جلدی میں کوئی بات رہ گئی ہو۔

”تم بھی زندگی کے تلخ کے دے رہے ہو۔“ حمید نے بڑی رہاث کسی اور ساتھ ہی قدموں کی

چاپ بھی سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور حمید دوسرا ہی لمحے میں اندر تھا۔ اُس نے سامنے کھڑی ہوئی

کورت کو بٹا کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک خوبصورت

اور نوجوان عورت تھی۔ چہرے سے اضھال اور نقاہت کے آثار ظاہر تھے جیسے وہ بیمار ہو۔

”تم کون ہو....؟“ اُس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

”شش....!“ حمید نے ہونتوں پر انگلی رکھ کر سر گوشی کی۔ ”خطہ قریب ہے۔ گدھے نے

ظلتی کی کہ تمہیں بہاں لے آیا۔“

”تم کون ہو....؟“ اُس نے پھر دوہرایا۔ اسی دوران میں حمید کی نظر اُس کے دامنے کاں پر

پڑی اور وہ خوشی کے مارے بے ہوش جو جانے سے بال بال بچا۔ کان کی لوڈوہری تھی۔

”بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔“ وہ مضطربانہ انداز میں اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”اگر پانچ منٹ خیریت سے گذر گئے تو پھر ہم خطرے سے باہر ہوں گے۔“

عورت تھوک نکل کر رہ گئی۔

”بیٹھ جاؤ۔“ حمید نے زبردستی اُسے پلٹک پر بٹھا دیا۔ پھر تیزی سے دروازے کے قریب آیا

اور ذرا سارہ کر کے باہر جھانکنے کے بعد پھر پلٹک کی طرف پلٹ آیا۔

”جاسوں کا جال.... ایک جاسوں ہو۔“ مل کی لڑکی کو لئے آرکچو میں بیٹھا ہے۔ بائیل کی

لٹکی.... یہ گدھا بھی اندر ہا ہو گیا تھا.... احمد کہیں کا۔“

”آخر تم ہو کون....؟“

”چلا ٹھو....!“ حمید گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”کیا میری بھی گردن ترواداً گی۔ چپ

سڑک کے لگنے کے زینوں کے نیچے کھک کیا۔ اب وہ بالکل تاریکی میں تھا اور یہا

سے اُس کر کے کا دروازہ صاف نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور آدمی پاہر نکل آ

اس کی پشت پر دروازہ بند ہو گیا اور اب وہ نیچے جانے والے راستے کی طرف جا رہا تھا۔ حمید

آہستہ آہستہ زینوں کی طرف گیا اور اُسے نیچے جاتے دیکھتا رہا اور جب اُس نے کسی کار کا انحنی

سڑک تھا۔ کسی آواز سننے کی آزار سننے تو اٹھیں کا سانس لیا۔ اب وہ اُسی کر کے کی طرف جا رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ جو کوئی بھی اندر ہے وہ تھنا ہی ہو گا کیونکہ وہ ان کی آمد پر دروازے کے قفل

میں کنجی گھمانے کی آواز سن چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ خالی کر کے ہی مغلول رکھے جاتے ہیں۔ اُس نے

روازے پر رک کر آہٹ لی۔ اندر کی روشنی ابھی مگل نہیں کی گئی تھی۔ حمید نے انگلی سے

دروازے پر دستک دی۔

”کون ہے....؟“ اندر سے ایک نجف سی آواز آئی۔

”زرکھلو نا تو....!“ حمید نے بھرا ہوئی آواز میں اس طرح کہا جیسے جلدی میں کوئی بات رہ گئی ہو۔

”تم بھی زندگی کے تلخ کے دے رہے ہو۔“ حمید نے بڑی رہاث کسی اور ساتھ ہی قدموں کی

چاپ بھی سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور حمید دوسرا ہی لمحے میں اندر تھا۔ اُس نے سامنے کھڑی ہوئی

کورت کو بٹا کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک خوبصورت

اور نوجوان عورت تھی۔ چہرے سے اضھال اور نقاہت کے آثار ظاہر تھے جیسے وہ بیمار ہو۔

”تم کون ہو....؟“ اُس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

”شش....!“ حمید نے ہونتوں پر انگلی رکھ کر سر گوشی کی۔ ”خطہ قریب ہے۔ گدھے نے

ظلتی کی کہ تمہیں بہاں لے آیا۔“

”تم کون ہو....؟“ اُس نے پھر دوہرایا۔ اسی دوران میں حمید کی نظر اُس کے دامنے کاں پر

پڑی اور وہ خوشی کے مارے بے ہوش جو جانے سے بال بال بچا۔ کان کی لوڈوہری تھی۔

”بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔“ وہ مضطربانہ انداز میں اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”اگر پانچ منٹ خیریت سے گذر گئے تو پھر ہم خطرے سے باہر ہوں گے۔“

عورت تھوک نکل کر رہ گئی۔

”بیٹھ جاؤ۔“ حمید نے زبردستی اُسے پلٹک پر بٹھا دیا۔ پھر تیزی سے دروازے کے قریب آیا

اور ذرا سارہ کر کے باہر جھانکنے کے بعد پھر پلٹک کی طرف پلٹ آیا۔

”جاسوں کا جال.... ایک جاسوں ہو۔“ مل کی لڑکی کو لئے آرکچو میں بیٹھا ہے۔ بائیل کی

لٹکی.... یہ گدھا بھی اندر ہا ہو گیا تھا.... احمد کہیں کا۔“

”آخر تم ہو کون....؟“

”چلا ٹھو....!“ حمید گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”کیا میری بھی گردن ترواداً گی۔ چپ

سڑک کے لگنے کے زینوں کے نیچے کھک کیا۔ اب وہ بالکل تاریکی میں تھا اور یہا

سے اُس کر کے کا دروازہ صاف نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور آدمی پاہر نکل آ

اس کی پشت پر دروازہ بند ہو گیا اور اب وہ نیچے جانے والے راستے کی طرف جا رہا تھا۔ حمید

بائے رہے تھے۔ حمید نے محوس کیا کہ وہ برآمدے میں منڈلار ہے ہیں۔ اُس نے انہیں ڈانٹ کر بھگا دیا اور وہ ہستے ہوئے بھاگ گئے۔ شاید وہ اپنے دلوں میں سوچ رہے ہوں کہ فریدی صاحب کے آنے پر خاصی تفریخ رہے گی۔ سارے ہی نوکر اس بات سے واقع تھے کہ فریدی عورتوں کے معاملے میں اکثر حمید کو جھاڑتا رہتا تھا۔ حمید کچھ دیر تک کمرے میں ٹھہرا رہا جب اُس نے دیکھا کہ عورت اوںگھ رہی ہے تو چپ چاپ باہر نکل کر کمرہ مقفل کر دیا۔

اب وہ بڑی بے چینی سے فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس طرح اُس کے کمرے کے سامنے آرام کر کی ڈال کر بیٹھ گیا جیسے اُس کی واپسی پر بڑی گھری بادز پرس کرے گا۔ اُس کا دل خوشی سے تاج رہا تھا اور ذہن میں نئی نئی شرارتیں جنم لے رہی تھیں۔ وہ اس ڈرامائی انداز کے متعلق سوچنے لگا جس میں وہ رضیہ کو فریدی کے سامنے پیش کرے گا۔

سازھے بارہ بجے کے قریب اُس نے فریدی کے قدموں کی آہٹ سنی اور پھر جیسے ہی وہ اندر ونی برآمدے میں داخل ہوا حمید اچھل کر کھرا ہو گیا۔ فریدی کے چہرے پر تھکن اور گھرے تھکرات کے آثار تھے۔

”کہاں تھے اب تک....؟“ حمید نے گرج کر فریدی کے لہجے کی نقل اتنا دی اور فریدی کے ہونٹوں پر مصلحی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”میں آوارگی نہیں برداشت کر سکتا۔“ حمید نے پھر اسی لہجے میں کہا۔

”مت بکو۔“ فریدی آرام کر کی میں گرتا ہو ابولا۔ ”میں مر جانے کی حد تک یور ہو چکا ہوں۔“

”چھا تو سنئے لطیفہ۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔ ”اُس کی بڑھیاں شام سے کئی چکڑ لگا چکی ہے۔ جناب اُس لڑکی کو کہاں چھوڑا....؟“

”کیسی لڑکی....؟“

”جسے آر لکھوں میں کھانا کھلارہے تھے۔“

”اوہ.... تو تم نے دیکھا تھا۔ وہی تو ساری مصیبت کی جڑ ہے۔“

”انڑا ہیں نا.... آپ.... لڑکیوں کے معاملے میں ہمیشہ مجھ سے مشورہ لیا کیجھے۔“

”جانتے ہو وہ کون تھی....؟“

”رووانو کے ہوٹل کی ایک لڑکی۔“

”تب تو....!“ فریدی سنجھل کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”آج تم بہت کچھ جانتے ہو۔“

”میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ نے اُس سے کن کئی لڑکی رضیہ کے متعلق معلومات بھم۔“

چاپ نکل چلو.... ورنہ ابھی یہاں بھی پولیس دھری ہو گی۔“

منہ کی کھاتی

تقریباً گیارہ بجے تیکسی فریدی کی کپاڈنڈ میں داخل ہوئی اور حمید نے سہارا دے کر اُس عورت کو تیکسی سے اٹارا۔ اُس کا جسم بخار سے پھٹک رہا تھا۔ حمید نے دس دس کے تین نوٹ تیکسی والے کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ حیرت سے اُن نوٹوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے بھر کر اُسے ایک لمبا سلام کیا اور نوٹ جیب میں رکھ کر تیکسی اسٹارٹ کر دی۔

”مجھ سے اب نہیں چلا جا رہا ہے۔“ عورت کراہی۔

”بس بس.... اب آرام ہی آرام ہے۔“ حمید نے کہا اور اسے سہارا دے کر اندر لے جانے لا تھوڑی دیر بعد وہ ایک کمرے میں آرام دہ بستر پر بیٹھی ہوئی حمید کو گھور رہی تھی۔

”تم کون ہو.... اور مجھے کہاں لے آئے ہو....؟“ اُس نے پھر پوچھا۔

”میں آدمی ہوں اور تمہیں یہاں لے آیا ہوں۔“ حمید نے بڑی مخصوصیت سے کہا۔

”میں مر رہی ہوں اور تمہیں اپنے کام سے کام ہے۔“ وہ تھکی سی آواز میں بولی اور کہا کر لیٹ گئی۔ پھر وہ بڑھا نے لگی۔ ”اگر مجھے معلوم ہوتا تو کبھی اس چکر میں نہ پڑتی۔ زندگی حرام ہو گئی۔ تم جانتے ہو میں کمی را توں سے نہیں سوئی۔“

وہ پھر اٹھ کر بیٹھ گئی اور اُس کی بڑی بڑی برابر جاری رہی۔ اُس کی نظریں تو حمید کے چہرے پر تھیں مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود سے باقی کر رہی ہو۔ یا تو مجھے گولی مار دی جائے یا مجھ پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ میں اس حالت میں کب تک رہوں گی۔ میں برباد ہو گئی۔“

”سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم لیٹو تو۔“ حمید چک کر بولا۔ ”وہ دل ہی دل میں اپنی عنتر مندی پر نماز ادا تھا۔

”مجھے نیند نہیں آتی۔“ وہ جھنچھلا کر بولی۔

”ٹھہر دے.... میں تمہیں ایک ہلکی سی خواب آور دوادیتا ہوں۔“ حمید نے کہا اور کمرے سے کل آیا۔ فریدی کے کمرے سے اُس نے خواب آور دوادیکی شیشی المٹا اور پھر اُسی کمرے میں واپس آگئی۔

دو اپنے سے قبل گلاس ہاتھ میں لے کر عورت نے کہا۔ ”خد اکرے یہ زہر ہو۔“

پھر اُس نے دو اپنے حلقوں میں اٹھیلی اور بُرا سامنہ بنائے ہوئے لیٹ گئی۔ دونوں کر ابھی کم

پہنچائی ہوں گی۔

اچھا پھر....؟

فریدی اُسے گھور رہا تھا۔

پھر حضور نے رووانو کے ہوٹل پر چھاپے مار کر اُسے چھاپے خانہ بنادیا ہو گا۔

اوہ....!

اور پھر.... چڑیا بھر سے اُزگی.... فف.... فف.... فریدی صاحب۔

فریدی ہنسنے لگا۔

شاید تم... لیکن تم سامنے کیوں نہیں آئے؟

یہ صرف قیاسات تھے! سرکار۔ حمید فخریہ انداز میں گردن اکڑا کر بولا۔ میں آپ کے پیچے نہیں لگا رہا۔

میرے ہی فرزند ہو۔

فریدی نے مکرا کر کہا پھر چونک کر بولا۔ دیکھو شاید کوئی پھاٹک بلارہا ہے۔

حمداللہ کر باہر آیا۔ پھاٹک کے باہر کسی کاڑ کی ہیڈ لا یئس دکھائی دے رہی تھیں اور کوئی

پھاٹک ہلا رہا تھا۔ حمید نے قریب جا کر دیکھا ہی ڈی۔ ایس۔ پی سٹی تھا اور اس کے ہمراہ انپکٹر ریمش کے علاوہ دو سب انپکٹر بھی تھے۔

حمدانیں اپنے ساتھ ڈر انگر روم میں لے آیا اور پھر وہ فریدی کو اطلاع دینے کے لئے اندر چلا گیا۔ واپسی پر وہ بھی فریدی کے ساتھ ہی تھا۔

فریدی کو دیکھ کر کو توال کے ہونٹوں پر ایک طنز آمیز مکراہٹ پھیل گئی۔

اب بتائیے! ڈی۔ ایس۔ پی چنک کر بولا۔ وہ لڑکی بھی اپنے بیان سے پھر گئی۔

میں نہیں سمجھا۔ فریدی بیٹھا ہوا بولا۔

وہی جس نے آپ کو....!

لڑکی کے متعلق میں سمجھ گیا ہوں۔

فریدی نے بات کاٹ کر کہا۔

”اُس نے بیان کیا یا لے لے؟“

”اب وہ کہتی ہے کہ آپ اُسے آر لکھوں میں اتفاقاً لگئے تھے اور اُس نے آپ سے ہرگز یہ

نہیں کہا کہ ہاٹل میں کوئی ایسی لڑکی تھی جس کے دامنے کان کی لودو ہری رہی ہو۔“

”اگر اُس نے بیان بدلتا ہے تو اس پر حیرت ہوئی چاہئے۔“

آس نے مجھے یہ سب کچھ یہ

سمجھ کر نہیں بتایا تھا کہ میں سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی ہوں اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے کسی

آدمی نے اُسے ناکام ملاٹی کی داستان سنادی ہو۔“

”اوہ نہ ہے ہو گا....!“ ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔ ”لیکن مادام رووانو نے آپ پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کرنے کی دھمکی دی ہے۔“

”خوب....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اُسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔“

”میاد کیکھ لیا جائے گا....?“

”رووانو کے ہاٹل میں لڑکوں کا یو پار ہوتا ہے۔“

”چلنے یہ دوسرا رہی۔“ ڈی۔ ایس۔ پی طنزیہ نہیں کے ساتھ بولا۔ ”اُرے صاحب زادے میں آپ سے عمر میں کافی بڑا ہوں اور تجربہ کار بھی۔ آپ ہٹ دھرم ہیں۔ جو کچھ آپ کی زبان سے نکل جاتا ہے اُسے ثابت کرنے کے لئے آپ ایڈی چوٹی کا زور لگادیتے ہیں۔ خواہ وہ غلط ہتی کوں نہ ہو۔ آپ نے ایک بار کہہ دیا کہ شاہد مجرم نہیں ہے لہذا.... میں پھر سمجھاتا ہوں کہ خود پر دوسروں کو ہنسنے کا موقع نہ دیکھ۔“

”اوہ....!“ حمید بھنا کر بولا۔ ”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ رضیہ کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔“

”رضیہ نہیں ریکھا کہو۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”رضیہ تو فرضی نام تھا۔ جو شاہد کو بتایا گیا تھا۔“

”چلنے ریکھا ہی ہی۔“ حمید نے اُسی تیز لمحے میں کہا۔ ”میا آپ یہ کہتے ہیں کہ ہاٹل میں ریکھا نام کی کوئی لڑکی نہیں تھی؟“

”نہیں تھی۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے حمید کے لمحے پر جز بز ہو کر کہا۔

”دیکھئے.... اتنے وثوق سے نہ کہئے۔“ حمید نے دھمکے پڑتے ہوئے کہا۔ ”فریدی اور حمید ایک ہی شخصیت کے دو پہلو ہیں۔ ان میں سے اگر ایک دھوکا کھاتا ہے تو دوسرا اپنی آنکھیں کھلی کھتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں عظیم ہمتیوں کے نام ہمیشہ ایک ہی ساتھ لیے جاتے ہیں۔“

فریدی اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو....?“ ڈی۔ ایس۔ پی پھر اکھڑ گیا۔ اُسے حمید کا لمحہ بہت گراں گذر رہا گا۔ اگر وہ براور است اُس کا ما تھت ہوتا تو نہ جانے اب تک کیا ہو رہتا۔

”میں یہ عرض کرتا چاہتا ہوں کہ فریدی صاحب کے متعلق آپ کی رائے درست نہیں۔“

نے غلطیوں کا امکان بہت کم ہے اور اگر کوئی غلطی ہو بھی جاتی ہے تو شہر کا ماحول اتنا پر سکون نہیں ہوتا۔ بعض عمارتیں بدر و میں کی اُنگ اگنے لگتی ہیں اور شہر جنم بن جاتا ہے۔“

”میں بیکار باتوں میں وقت ضائع کرنے نہیں آیا ہوں۔“ ڈی۔ ایس۔ پی جھنجلا کر بولا۔

”حوالے کے لئے“ لاشوں کا آبشار“ جلد نمبر 9 ملاحظہ فرمائیے۔“

”اگر آپ لوگ اپنی موجودہ روشن ترک نہیں کرنا چاہتے تو آپ بھجتیں گے۔“

”ہمیں بھجتے ہی کی تنخواہ ملتی ہے۔“ حمید مسکرا لیا۔

”تم حد سے بڑھ رہے ہو۔۔۔ مجھے بد تمزی پسند نہیں۔“

”حمد۔۔۔!“ فریدی نے اسے ڈالا۔

”ہم دونوں کئی ہمینوں سے بھگت رہے ہیں۔“ حمید بربولا لیا۔ پھر ذی۔ ایس۔ پی سے بولا

”آپ میرے بزرگ ہیں۔ اگر میں نے ریکھا کا وجود ثابت کر دیا تو۔۔۔!“

”حید بکواس مت کرو“ فریدی نے کہا۔ ”میں روanon کے دعویٰ کا بے چنی سے منتظر ہوں گا۔“

”شاید میں اس سے پہلے ہی کھلی ختم کر دوں۔“ حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔ ”صرف

دس منٹ میرا منتظر تھیج۔“

فریدی نے بھر اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔ حمید کمرے سے جاپکا تھا۔ اس کی عدم

موجودگی میں وہ سب خاموشی سے ایک دوسرا بے کی شکلیں دیکھتے رہے۔ ذی۔ ایس۔ پی کے چھرے

سے اکتاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ فریدی نے سکار سلاکا لیا تھا۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلاک نہیں۔

توہڑی دیر تک قد مون کی آواز سنائی دی اور حمید ریکھا کو سہارا دیتا ہوا کمرے میں داخل ہوں

پولیس والوں کو دیکھ کر ریکھا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”ریکھا سے ملنے۔“ حمید کی آواز سنائے میں گوئی اور ذی۔ ایس۔ پی اچھل کر کھڑا ہو گا۔

فریدی کے چھرے پر بھی حیرت کے آثار تھے لیکن دوسرا ہی لمحے میں وہ مسکرانے لگا۔ ”اس کا

داہناں کا ان بھی ملاحظہ فرمائیے۔“ حمید نے ذی۔ ایس۔ پی سے کہا۔

”اُس نے آگے بڑھ کر دیکھا اور کچھ بڑھاتا ہوا پھر سیدھا ہو گیا۔

”تمہارا کیا نام ہے؟“ اُس نے عورت سے پوچھا۔

”ریکھا۔“

”یہ تمہیں کہاں سے لائے ہیں۔“

”میں عمارت کا نام نہیں جانتی۔“

”ذی۔ ایس۔ پی نے گھور کر حمید کی طرف دیکھا۔

”ٹھیک کہتی ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”اے بہت جلدی میں ہوشیل سے نکالا گیا تھا یہ بیار ہے۔“

”تم روanon کے ہوشیل میں تھیں۔۔۔؟“ ذی۔ ایس۔ پی نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”تمہیں وہاں سے کون لے گیا تھا۔۔۔؟“

”میش۔۔۔!“

”میش کون ہے؟“

”میرا ایک دوست۔۔۔!“

”وہ کہاں رہتا ہے۔۔۔؟“

”مجھے معلوم نہیں۔“

”چھلی سپتھر کی رات کو تم کہاں تھیں۔ گیارہ اور دو کے درمیان میں۔“

جواب فوراً ہی نہیں دیا گیا۔ ریکھا اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی تھی۔ پھر تھوک

ٹھل کر بولی۔

”میں جاوید بلڈنگ میں تھی لیکن قتل سے میرا کوئی سروکار نہیں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ

پیش کیا رکنا چاہتا ہے۔“

”تمہارے ساتھ صرف میش تھا۔۔۔؟“

”نہیں۔۔۔ میش نہیں تھا۔۔۔ شاہد تھا۔“

”شاہد کون ہے؟“

”یونیورسٹی کا ایک طالب علم۔ میش نے مجھے سے کہا تھا کہ وہ شاہد کو یہ تو قوف بنانا چاہتا ہے۔“

”اسی کے کہنے سے میں نے شاہد سے دوستی کی تھی اور اُسے بتایا تھا کہ میں اشرف کی بیوی ہوں۔“

”جاوید بلڈنگ کا مالک کون ہے؟“

”میں پہلے نہیں جانتی تھی۔ میش نے مجھے بتایا تھا کہ شاہد اُس کا دوست ہے اور خود کو

عورتوں سے دور رکھتا ہے۔ اُس نے مجھے اشرف کے متعلق بتایا تھا کہ وہ ایک فرضی نام ہے۔ اُس

نے سپتھر کی رات کو دس بجے مجھے جاوید بلڈنگ کی کنجی دی اور کہا کہ میں شاہد کو وہاں لے آؤں۔

میں اور شاہد کیفے کا سینو میں بیٹھے ہوئے تھے اور میش نے مجھے الگ بلا کر کنجی دی تھی۔ مجھے تیری

طرح پھانسا گیا ہے اور وہ شاہد تو بالکل ہی بے گناہ ہے۔ میں نے اُس واقعے سے تین دن پیشتر میش

کے کہنے سے اُس کا شاختی کارڈ بھی ازاں لیا تھا۔“

”تم نے یہ سب کچھ کیا۔۔۔ لیکن میش سے اس کی وجہ نہیں پوچھی۔“

”وہ شاہد کو بے وقوف بنانا چاہتا تھا اور اس کی نکست کی کوئی ایسی نشانی اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا

تھے وکھا کر وہ اُسے چھیڑ سکے۔ اس لئے اُس نے اس کا کوٹ بدلوایا تھا۔ میں وہی کہہ رہی ہوں جو

رمیش نے مجھ سے کہا تھا اور سازش کا علم تو مجھے دوسرے دن کے ایک شام کے اخبار سے ہوا تھا اور پھر میں رمیش کے اشاروں پر ناچی رہی۔

”تم شاہد کے ساتھ ہی وہاں سے رو انہ ہو گئی تھیں یا شاہد وہاں رکارہا تھا....؟“
”وہ پہلے چلا گیا تھا۔“

”رمیش اس وقت کہاں تھا اور تم وہاں کیوں رک گئیں تھیں؟“

”مجھے نہیں معلوم۔ میں دروازہ باہر سے مقفل کر کے واپس چلی گئی تھی۔“

”مگر شاہد تو کہتا ہے کہ وہ تنہا واپس گیا تھا۔“

”ٹھیک کہتا ہے۔ میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔ مجھ سے رمیش نے کہا تھا کہ میں اس وقت تک

مکان میں ٹھہری رہوں جب تک وہ اس سڑک سے گزرنہ جائے۔“

”تم نے اس دوران میں تجوری گرنے کا دھاکہ سناتھا....؟“

”میں نے قطعی کچھ نہیں سن۔“

”رمیش کو تم کب سے جانتی ہو....؟“

”چھ ماہ سے۔“

”تم بھی قتل میں شریک سمجھی جاؤ گی۔“

”مجھے پرواد نہیں.... میں اس دوران میں اپنی زندگی سے عاجز آگئی ہوں۔ مگر وہ لڑکا بالکل معصوم ہے۔“

”جو کچھ کہو.... سوچ سمجھ کر کہو تمہارا بیان تمہارے خلاف عدالت میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔“

”میں ہوش میں ہوں۔“ ریکھانے کہا۔ ”میں یہ بھی نہیں پاہتی کہ سزا سے بچ سکوں۔“

”تمہیں سزا سے بچانا میرا کام ہے۔“ فریدی پر سکون لجھ میں بولا۔

”اسی اطمینان پر تو وہ آپ کے اشاروں پر نتاچ رہی ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی تینجے لجھ میں بولا۔

”میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“ ریکھانے کہا۔

”رمیش کہاں رہتا ہے؟“ ڈی۔ ایس۔ پی نے ریکھا سے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی۔ پہلے میں سمجھی تھی کہ وہ جاوید بلڈنگ ہی میں رہتا ہے۔“

”تم اس سے کس طرح ملی تھیں؟“

”مادام رووانو نے تعارف کرایا تھا۔“

”تم کس کالج میں پڑھتی ہو....؟“
”کسی میں بھی نہیں۔“ اُس نے تنہی نہی کے ساتھ کہا۔ ”اے ہوش بھتے والے گدھے ہیں۔ وہاں لڑکیوں کا بیوپار ہوتا ہے۔“

”خوب پڑھایا ہے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

”ٹھکریے....!“ فریدی سکار سلکاتا ہوا بولا۔

”تم اسے کہاں سے لائے تھے؟“ ڈی۔ ایس۔ پی نے حید سے پوچھا۔

”اسے آپ تک پہنچا دینے کے بعد ہمارا کام ختم ہو جاتا ہے۔“ حید نے لاپرواں سے کہا اور فریدی کے ہونٹوں پر شرات آمیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

”کیا مطلب....؟“ ڈی۔ ایس۔ پی کی پیشانی پر بھر مل پڑ گئے۔

”ہمارا کہنا صرف یہ تھا کہ شاہد بے گناہ ہے اور وہ نادانستگی میں اس سازش کا شکار ہوا ہے۔“ ہم نے سازش کرنے والوں میں سے ایک آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ اب ہم آپ کے کسی معاملے میں دخل نہ دیں گے۔ آپ جانیں اور آپ کا کام۔“

”یہ تمہیں کہاں سے لائے ہیں....؟“ ڈی۔ ایس۔ پی نے ریکھا سے گرج کر پوچھا۔

”میں نے کہا تاکہ مجھے ہوش نہیں تھا۔ رمیش مجھے ہوش شمل سے ایک عمارت میں لے گیا تھا۔ میں اس وقت بھی بخار میں چنک رہی ہوں۔“

”اچھا میں اسے کو نووالی لے جا رہا ہوں۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے فریدی سے کہا۔

”شوتوں سے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن میں بھی چلوں گا۔ اگر اس نے بھی اپنایاں بدل دیا تو کیا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ اسی وقت میرے سامنے اس کا بیان روزناچے میں درج کیا جائے گا۔“

”کیا مطلب....؟“

”اوہو! چونکہ آپ تک ہماری وساطت سے پہنچی ہے۔ اسی لئے میں یہی مناسب سمجھوں گا کہ بیان میرے سامنے لکھا جائے۔“

ڈی۔ ایس۔ پی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے اُسکے ہمراہ جانے سے قبل حید کو الگ لے جا کر بولا۔

”فرزند.... میں تم پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔ اب تم اس عمارت پر نظر رکھو....“ رمیش

”وہاں واپس آئے گا.... بس تم چلے ہی جاؤ۔“

”ہات تیری کی۔“ حید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”کاش میں اس عورت کو کسی کنوئیں میں پہنچ دیتا۔“

آخری مرحلہ

جید رات بھر اس عمارت کے قریب جھک مارتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اس طرح جھک مارنے کا سلسلہ کب اور کس طرح ختم ہو گا۔ کیونکہ اس نے فریدی کو اس جگہ کا پیہ یانشان بتایا ہی نہیں تھا۔ اس نے فریدی کی جھوٹی کار عمارت سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑی کر دی تھی اور خداوس کے اندر بیٹھا رہا تھا۔

صحح ہوتے ہوئے اس کی جان پر بن گئی۔ پاپ کا تمباکو بھی ختم ہو چکا تھا اور سماری دکانیں بن تھیں۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اس عمارت کے سامنے والی عمارت میں ایک ڈیری تھی۔ سورج طلوع ہونے سے قبل ہی ڈیری کے دروازے کھل گئے اور جید کو سامنے ہی میز پر ٹیلی فون رکھا ہوا دکھائی دیا۔ اس کی جان میں جان آئی اور وہ کار سے اتر کر ڈیری کی طرف چھٹا۔ اور پھر وہ فریدی کو فون کر رہا تھا۔ فریدی گھر ہی پر موجود تھا جید نے اُسے بتایا کہ اب وہ اور زیادہ نہیں نہ ہے سکتا۔ ابھی تک میش نہیں دکھائی دیا۔ فریدی نے جگد سے متعلق پوچھ کر جید کو وہیں انتظار کرنے کے لئے کہا۔ وہ خود آرہا تھا۔

جید رسیور رکھ کر دروازے کی طرف مڑا اور ساتھ ہی اس نے سامنے والی عمارت کے سامنے ایک کار رکتی دیکھی۔ اس پر سے اتر کر عمارت میں داخل ہونے والا میش ہی تھا۔ جید بھر تیزی سے فون کی طرف چھٹا۔ ڈیری والے اُسے مشتبہ نظر ہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”معاف کیجیے گا۔“ جید مکسر انداز میں بولا۔ ”ایک ضروری بات رہ گئی۔“ ”کوئی بات نہیں۔“ وہ اپنی پیشانی کی شکنی مٹا کر بردستی مکرایا۔

جید پھر فریدی کو فون کرنے لگا۔ اس نے اُسے میش کی اطلاع مہم الفاظ میں دی اور یہ خالی بھی ظاہر کیا کہ شاید اُس کا تعاقب کرنا پڑے۔ لہذا وہ فی الحال وہیں نہ ہے۔ فریدی نے اس کے خیال کی تائید کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ جید سڑک پر نکل آیا۔ اب وہ اپنی کار بیک کر کے پڑوں پہپ کی طرف لے جا رہا تھا جو وہاں سے قریب ہی تھا۔ اس کی نظریں اب بھی عمارت کے زینوں کی طرف تھیں۔ اس نے کار کی نیکی بھر دی۔ پھر انہیں اشارت کر کے نیچے از آیا اور انہیں کھول کر اس طرح اس پر جھک پڑا جیسے اس میں کوئی غرابی پیدا ہو گئی ہو۔ وہ مٹ گزر گئے لیکن میش والپس نہ آیا۔ اس کی کار بدستور اُسی جگہ کھڑی تھی جہاں وہ اُسے چھوڑ گیا تھا۔

بیٹھ گزر گئے۔ جید کو تشویش ہوئی۔ اُس نے کار وہیں چھوڑ دی اور تیزی سے عمارت کی طرف آیا۔ چند لمحے زینوں کے قریب کھڑے رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر اس پر چڑھنے لگا۔ اس وقت اور راہداری سنسن نہیں تھی دن نکل آیا تھا اور وہاں دوچار بچے نظر آرہے تھے۔ دروازے بھی کھل گئے تھے۔

جید نے مطلوبہ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر کواڑوں کو دھکا دیا جو کھل گئے۔ کمرہ خالی تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے جلدی میں کرنے کی ساری چیزیں الٹ پلٹ کر رکھ دی ہوں۔

اس نے بڑی تیزی سے کمرے کی ساری چیزوں کا جائزہ لیا اور پھر وہ نکل آیا۔ وہ راہداری کے آخری سرے تک بڑھتا چلا گیا اور پھر ساری حقیقت اس پر ظاہر ہو گئی۔ راہداری کے اختتام پر بائیں طرف ایک راہداری تھی۔ جس کا سلسلہ دوسری طرف نیچے جانے والے زینوں کے سرے پر ختم ہو گیا تھا۔ اس نے جھنجلا کر اپنی پیشانی پر ہاتھ مار لیا۔ کاش اُسے معلوم ہوتا کہ عمارت میں دوسری طرف بھی زیینے ہیں۔

وہ پندرہ بیس منٹ تک وہاں ریمش کے متعلق پوچھ چکھ کر تارا۔ لیکن کسی نے بھی تسلی بخش جواب نہ دیئے۔ میش کو کمرے میں داخل ہوتے یا نہ لئے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ خود کو برا بھلا کھتا ہوا نیچے اتر آیا اور نیچے آتے ہی ایک بار پھر اس کی کھوپڑی گردن سے اکھر کر ہوا میں متعلق ہو گئی۔ میش کی کار غائب تھی اس کا مطلب تھا کہ اس دوران میں خود میش کی نظر جید پر رہی تھی۔ جیسے ہی وہ اپنے پہنچا ریمش کار بھی لے اڑا۔ اس سے بڑی بد نصیبی اور کیا ہو سکتی تھی کہ جید نے کار کے نمبروں پر بھی دھیان دینے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔

اب وہ وہاں رک کر کرتا ہی کیا۔ پچھلی رات کی کامیابی کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ وہ گھر کی طرف چل پڑا اور گھر پہنچ کر اگر وہ فریدی پر نہ برس پڑتا تو اُسے خود اپنی ذات سے شکایت ہوتی۔

واقعات بتانے کے بعد وہ بڑے زور سے گر جا۔ جب ایک عمارت میں دو طرفہ زینے ہوں تو دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ سمجھے جتاب۔“

”سمجھا فرزند...!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن ریکھا والے معاملے میں تم تھا تھے۔“

”نہیں.... ہم زد تھے۔ اگر میش آپ کو خونزدہ نظروں سے نہ دیکھتا تو میں کبھی اس کا تعاقب نہ کرتا۔ اُس کے اس طرح دیکھنے ہی سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ آپ کے ساتھ والی عورت رو اونو ہوشیں ہی کی ہو سکتی ہے وہ آپ کے تھے کس طرح چڑھ گئی تھی؟“

”بہت آسانی سے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بس دو تین گھنٹے وہاں بھی بر کر اُن کا طریقہ کار“

”قبر میں بھی نہ سونے پاں گا۔“

”زرا آنکھیں کھولو پارے ایسے قبر نہیں پانگ ہے۔“

حید نے پانگ سے چھلانگ لگائی اور گرتے گرتے بچال۔

”میں پہ نہیں کب اپنے سکر فردار کو پہنچوں گا۔“ اُس نے آنکھیں کھول کر کہا جو انگارہ ہو رہی تھیں۔

”یہ کیکر فردار کیا بلے ہے؟“

”مجھے صاف نہیں دکھائی دیا تھا۔ گیفر کردار...!“

”چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“

”کیا...؟ میں اب کہیں نہ جاؤں گا۔“

”میں ناشتے کی میر کا نزد کرہ رہا تھا۔ تم صح سے بھوکے ہو۔“

حید مر بھکوں کی طرح ناشتے پر نوٹا تھا۔ ناشتہ ختم کر کے پانچ کے تین چار کش لینے کے بعد ان کا ذہن کچھ صاف ہوا تو اُس نے میش کا نزد کرہ چھڑ دیا۔

”میرا خیال ہے کہ اس کا تعلق بھی جیز لیز ہوئی ہی سے ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”آج ہم

اہل بھی چھاپے ماریں گے۔ اُس آدمی پر قابو پائے بغیر ہم اس سازش کے سر غنہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ لیں گے۔“

”کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ فیض ہی ہو سکتا ہے؟“

”قطعی اور کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ اشرف کو روحی کی ماں پسند کرنی تھی اور روحی کا باپ

بنیل کے حق میں تھا۔ کیونکہ فیض اشرف سے زیادہ مالدار ہے۔ ظاہر ہے کہ اشرف ختم ہو گیا۔

بروحی کے باپ ہی کی پسند کو ترجیح دی جائے گی.... اپنی دانست میں فیض شاہد کو بھی پھنسا چکا

ہے۔ لہذا اشرف کی جائیداد بھی روحی ہی کی طرف آئے گی۔ اس کے علاوہ روحی کم دولت مند

بنیل۔ کیا سمجھے۔ دو بڑی جائیدادوں کا مسئلہ ہے۔“

”لیکن پھر بھی فیض کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں۔“ حید نے کہا۔

”ٹھیک ہے لیکن اب وہ حق نہیں ملتا۔ پہلے تو میں اُسے رووانو والے معاملے میں ماخوذ کروں

اُس کے لئے کافی سے زیادہ ثبوت بھی پہنچا چکا ہوں۔ رووانو نے اقبال جرم کر لیا ہے کہ جیز لیز

وئی اس کی ناجائز تجارت میں برابر کا شرک تھا۔“

”تب تو معاملہ ٹھیک ہے۔“ حید نے کہا۔ ”لیکن فیض اس سے بھی اپنی لا علمی ظاہر کر سکتا

سمجھتا ہے۔“ عمارت کے سامنے کسی کی کار پلے سے موجود ہوتی ہے۔ پھر ایک لڑکی عمارت سے نکل کر ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف جاتی ہے۔ جب وہ ٹیکسی میں بیٹھ لیتی ہے تو عمارت کے سامنے کھڑی ہوئی کار بھی اُس کے پیچے لگ جاتی ہے اور پھر یہاں عمارت کے سامنے ایک دوسری کار آنکھڑی ہوتی ہے۔ ٹھیک اُسی جگہ پر جہاں پہلی کار کھڑی تھی۔ پھر ایک دوسری لڑکی عمارت سے باہر آتی ہے اور وہ کار بھی وہاں سے کھک جاتی ہے۔ بہر حال میری کار پانچوں نمبر پر تھی۔ پانچوں لڑکی میں بیٹھ کر روانہ ہوتی ہے اور میری کار اُس کا تعاقب کرتی ہے پھر وہ ایک جگہ اُتر کر ٹیکسی کے دام چکاتی ہوئی آر لکچوں میں داخل ہو جاتی ہے اور میں بھی اُس کی تقلید کرتا ہوں۔ وہ پلٹ کر دیکھتی ہے اور میں مسکراتا ہوں۔“

”اور میں مر جاتا ہوں۔“ حید سینے پر ہاتھ مار کر چینا۔

”ہم دونوں مل بیٹھتے ہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد ایک ایسی لڑکی کا نزد کرہ چھیڑتا ہوں جس کا داہنا کاں خاص قسم کا ہے۔ وہ مجھے اُس لڑکی کا نام بتاتی ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید میں بہت پرانا گاہک ہوں۔“

”بہر حال کل رات آپ نے مرے کیے۔“

”کیا کہنے ہیں۔“ فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

”نیند سے میر ابرحال ہے۔“ حید نے کہا۔ ”اس لئے اب میں سونا چاہتا ہوں۔“

”بہتر ہے.... اب تم سو ہی جاؤ۔“ فریدی بولا۔ ”اس سلسلے کی دوسری اطلاع یہ ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی نے صلح کر لی ہے اور وہ فی الحال ہمارے کہنے پر کنوئی میں میں بھی چھلانگ لگادینے سے گریزناہ کرے گا۔“

”آپ اُسے یہی مشورہ دیجئے۔“ حید نے کہا اور خواب گاہ کی راہی۔ نیند نے اُس پر اس نمبری طرح حملہ کیا تھا کہ اُس نے ناشتے کی بھی پرواہ نہیں کی۔

شام کو شاید تین بجے تھے جب اُس کی آنکھ کھلی وہ خود سے نہیں جا گا تھا۔ بلکہ فریدی اُسے جھنجوڑ رہا تھا۔

”کیا مصیبت ہے۔“ حید کروٹ لے کر منہنایا۔

”اول تو تم عورت نہیں ہو۔“ فریدی نے اُسے دوبارہ جھنجوڑا۔ ”اور اگر ہو بھی تو یہ تمہارے مصیبت کے دن نہیں۔“

حید حلچ پھاڑ کر چیختا ہوا پانگ پر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اُس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔

ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی ساری ذمہ داری فیجر پر ڈال دے۔

” یہ بھی ممکن ہے، فکر نہ کرو۔ ہمیں نئے حالات کا مفکر رہنا چاہئے۔“

آٹھ بجے کے قریب چیلر لیز ہوٹل کا محاصرہ کر لیا گیا۔ فیجر بوکلا کراپنے آفس سے نکل آیا۔

” میں آپ کو حوصلت میں لیتا ہوں۔“ فریدی نے آگے بڑھ کر کہا۔

” گیوں! کسی لئے؟“

” آپ مادام روڈ انو کی لڑکیوں کی تجارت میں شریک رہے ہیں۔“

” یہ غلط ہے۔“

” یہ مادام روڈ انو کا بیان ہے اور آپ کے تین گاؤں نے بھی شہادت دی ہے۔“

فیجر اپنے ہوتی پر زبان پھیر کر رہا گیا۔

حیدر دوسرا ہی دھن میں تھا۔ وہ مسافروں کے رہائش کے کمرے کھنگاتا پھر رہا تھا۔ اچانک ایک کمرے کی کھڑکی میں اُسے ریش کا چہرہ نظر آگیا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حیدر ایک ہی جست میں کمرے کے اندر بیٹھ گیا۔

” اپنے ہاتھ اور اٹھا لو۔“ اُس نے روپور نال کر کھا لیکن شاید ریش اُس سے بھی زیادہ پھر تیلا تھا۔ دوسرا نئی لمحے میں وہ دواؤں لگتے ہوئے زمین پر آرہے۔ اس کش کمش میں روپور چل گیا لیکن گولی دروازے کے شیو کو توڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ حیدر نے محسوس کر لیا کہ ریش کافی طاقتور ہے۔ اگر اُس نے روپور نال کا رخ اُس کی طرف کر دیا تو تکھیل ختم ہو جائے گا۔ اب حیدر اپنی تمام تر قوت روپور سے چھکتا رہا ہے کہ لئے صرف کرنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ روپور اُن دونوں ہی کے ہاتھ سے نکل جائے۔

” بیکار ہے۔“ وہ باپنا ہوا بولا۔ ” تم نکل نہیں سکتے۔ ہوٹل گھر اہوا ہے۔“ اُس نے ہاتھ ہوئے کہا۔

پھر حیدر نے اپنے دہنے ہاتھ کو جھکایا اور روپور دور جا پڑا۔ ساتھ ہی ریش نے حیدر کی نال اتنے زور سے دبائی کہ اُس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور پھر وہ تنپ کر نکل گیا۔ قبل اس کے ک حیدر اٹھتا اُس کی پیشانی پر ایک ٹھوک پڑی اور وہ دوسرا طرف الٹ گیا۔ ریش کمرے سے نکل پا تھا۔ حیدر کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا بھیجا نکل آیا ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس نے کاربیڈوں میں بہت سے قدموں کی آوازیں سنیں۔

” ارے.... تم...!“ اُس نے فریدی کی آواز سن کر آنکھیں کھول دیں۔

” نکل گیا۔... وہ نکل گیا۔“ حیدر چیخا۔

” کون...؟“

” ریش...!“

” باہر نہیں جا سکتا۔... ہائیں۔“ اچانک فریدی چوک پڑا۔ نہ صرف فریدی بلکہ اُس کے ساتھ بھی چوکنے ہو گئے۔ کہیں قریب ہی سے فائز کی آواز آئی تھی۔ حیدر تو جلدی سے نہ اٹھ سکا لیکن وہ سب باہر نکل گئے۔... وہ کاربیڈوں میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ فریدی پاروں کی یو محسوس کر رہا تھا۔ کاربیڈوں تاریک تھا۔ فریدی نے ناریج کی روشنی کا دائرہ ایک ایسے آدمی پر پڑا جو فرش پر اونڈھا پڑا تھا۔ اُسکے دہنے شانے سے خون ابل رہا تھا۔ اتنے میں حیدر بھی وہاں بیٹھ گیا۔

” ارے.... یہ ریش ہے۔“ اُس نے بے ساختہ کہا۔

” ریش ابھی زندہ تھا اور اُس کی سانس رک رک کر چل رہی تھی۔“

” تین چار آدمیوں نے اُسے اٹھایا اور ریش لے جانے لگے۔“

” دیکھو.... یہاں کہیں سوچ ہو گا۔“ فریدی بولا۔ ” روشنی کردو۔“

ڈھونڈنے والوں کو سوچ ملے تو.... لیکن کاربیڈوں کا ایک بھی بلب روشن نہ ہو سکا۔ فریدی کاربیڈوں کے کروں کے بندروں اور کاربیڈوں پر ناریج کی روشنی ڈالنے لگا۔ یہ سارے کمرے غالباً خالی تھے ورنہ فائز کی آواز پر ان میں رہنے والے ضرور باہر نکل آتے۔

” ہو سکتا ہے کہ اُس نے خود ہی گولی مار لی ہو۔“ حیدر بڑھا۔

” گولی پشت سے چلائی گئی ہے۔ سامنے سے نہیں۔“ فریدی نے کہا پھر اُس نے بندروں اور کوڈھکے دینے شروع کئے۔ کچھ تو کھل گئے اور کچھ مغلل تھے۔ آخر کار ایک کمرے میں انہیں ایک روپور پڑا ہوا مل گیا۔ یہ کمرہ خالی تھا۔ فریدی نے روپور کے دستے کو روپال سے پکڑ کر اٹھایا۔ اتنے میں ڈی ایس پی بھی وہاں آگیا۔

” غالباً گولی اسی روپور سے چلائی گئی ہے۔“ فریدی روپور کی نال ناک کے قریب کی ہوئے کہہ رہا تھا۔ نال سے باروں کی بو آرہی ہے اور اسکیں پانچ گولیاں ہیں۔ ایک چیلر خالی ہے۔“ تھک ہار کر وہ پھر ریشے ہال میں آگئے جہاں تقریباً ساٹھ ستر آدمی موجود تھے۔ ان میں سے کچھ ہوٹل میں قائم کریمیا لے اور کچھ روزانہ کے گاہک تھے۔ لئے چھرے اترے ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے دفاتر کی آوازیں سی تھیں اور ایک زخمی کو پولیس کی گاڑی پر بارہ ہوتے دیکھا تھا۔ فریدی کی عقابی نظریں مجھے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اُس کے ہونٹ بھیجے ہوئے تھے اور

چاری گونوں نے اسے ٹھنڈا کر دیا۔
اس کے ہتھڑیاں لگادی گئیں۔ پہلے ہوٹل کے ممبر کو یونہی لے جانے کا خیال تھا مگر اس
اتفاق کے بعد اسے بھی ہتھڑیاں پہنچی پڑیں۔



دوسری صبح ممکن ہے کہ فریدی کے لئے خوشگوار ہی ہو لیکن حمید اپنی زندگی سے بیزار نظر
آ رہا تھا۔ پچھلی رات کی چوت بُری طرح دکھ رہی تھی۔ سر پھٹا تو نہیں تھا لیکن حمید کے بیان کے
مطابق یہ جا ضرور مل گیا تھا اور اس بلتے ہوئے بھیجے میں یہ بات نہیں سامنہ رہی تھی کہ آخر فرض
دہاں سکھ کے بھیس میں کیا کر رہا تھا۔
فریدی رات سے اب تک نہیں آیا تھا۔ حمید سر کی تکلیف کی وجہ سے کو تو انہیں گیا تھا۔
تقریباً دس بجے فریدی واپس آیا۔

”بُرے بُرے انکشافت ہوئے ہیں۔“ فریدی نے اسے بتایا۔ ”فیض ایک خاصے بڑے گروہ کا
سر غذہ ہے اور مادام رو و انو تو دراصل اس کی تنخوا دار نوکر تھی۔ میش اس کے بد معافوں میں سے
ہے۔ فیض براہ راست رو و انو کے ہوٹل سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ یہ کام اس نے ممبر سے لیا تھا
اور رو و انو یہی سمجھتی تھی کہ ہوٹل کے مالک سے ان معاملات کا کوئی تعلق نہیں۔ اس نے میش
کے ذریعہ ریکھا سے بھی کام لیا اور اس رات کو خود فیض ہی اشرف کے گھر میں موجود تھا۔ ریکھا
اور شاہد کے رخصت ہو جانے کے بعد اس نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ میں نے گولیوں کے
تعلق غلط نہیں کہا تھا.... اور ہاں.... روہی کی ماں کو سعیدہ کے متعلق فیض ہی نے بتایا تھا۔ اسے
لیکن تھا کہ سعیدہ کاراز ظاہر ہونے کے بعد کوئی بھی شاہد کے بیان کو صحیح تسلیم نہ کرے گا۔“

”لیکن....!“ حمید بولا۔ ”آخرہ سکھ کے بھیس میں ہوٹل میں کیا کر رہا تھا؟“

”کیا تم نہیں سمجھے؟ میش پر اسی نے گولی چلانی تھی۔ وہ ایسے آدمی کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا
جو کبھی اس کے خلاف گواہی دے سکے۔ اگر حالات نہ بگرتے تو شاید وہ اس کی ضرورت نہ محسوس
کرتا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ریکھا پولیس کے ہتھے چڑھ گئی ہے اور کوئی میش کی بھی نگرانی
کر رہا ہے تو اس نے یہی مناسب سمجھا کہ میش ہی کو ٹھکانے لگادے کیونکہ میش کے بعد اس کی
ٹرف اشارہ کرنے والا کوئی نہ رہ جاتا۔ اسی مقصد کے تحت وہ کل دوپہر کو ایک سکھ کے بھیس میں
سافر کی حیثیت سے ہوٹل میں داخل ہوا۔ میش ہوٹل ہی میں تھا۔ لیکن شاید شام تک اسے اس
بنا تھے کہ موقع نہ مل سکا۔ اتنے میں ہم نے ہوٹل کا محاصرہ کر لیا اور شاید میش تمہارے ہاتھ
لگ گیا۔ اس کے بعد اس کے لئے موقع ہی موقع تھا۔ میر اخیال ہے کہ فیض محاصرے کے بعد

پیشانی پر رگیں اُبھر آئی تھیں۔ اچاک اس کی نظریں ایک طویل القامت سکھ پر رک گئیں۔
نے بھی شاید اسے محسوس کر لیا اور وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔ فریدی نے اشارے سے اسے اپنے
قریب بلا لیا۔

”آپ لوگوں کو ذرہ برابر بھی تمیز نہیں۔“ سکھ نے پنجابی لمحہ میں کہا۔ ”میں کوئی ہر
ہوں.... جو اس طرح انگلی کے اشارے سے بلاست ہو۔“

”سردار جی.... میں کتوں کا بڑا شو قین ہوں.... اگر انگلی کے اشارے پر آنے والا کوئی ان
تمہاری نظر میں ہو تو مجھے بتاؤ.... ہر قیمت پر خرید لوں گا۔“

”کیا سمجھتے ہو مشریعہ زبان کو کام دو۔ میں بھی کر گل ہوں۔“ سکھ گزر کر بولا۔

”معاف سمجھے گا کر گل صاحب۔ شاید آپ بہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔“
”نہیں بتاتا۔... تم سے مطلب....؟“

دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا گھونسہ اس کے جڑے پر پڑا۔ اگر اس کے پیچے کھڑے ہوئے
لوگ اسے سنبھال نہ لیتے تو وہ کافی قاطل پر گرا ہوتا۔ اس نے سنبھلتے ہی کرپان نکال لی۔

”تمہیں اس کرپان کے لئے بھی جواب دہ ہونا پڑے گا دوست....!“ فریدی نے تھہرہ لگایا۔
”میں بڑا خوش قسم ہوں کہ تم نے اپنا کھیل خود ہی ختم کر دیا۔ ورنہ ثبوت کے لئے اب بھی مجھے
سرمارنا پڑتا۔“

قبل اس کے کہ دوسرے لوگ کچھ سوچ سمجھ سکتے سکھ نے فریدی پر حملہ کر دیا۔ اس کا یہ
 فعل اضطراری معلوم ہو رہا تھا۔ فریدی نے کرپان والے ہاتھ پر چکی دے کر پھر اس کے منہ پر
ایک گھونسہ جز دیا۔ اتنی دیر میں مجھ تتر بتر ہو چکا تھا۔ اس بارہہ فرش پر چت گرا اور اس کی پیڑی از
کر دور جا گئی۔ کرپان اس کے ہاتھ سے نکل پھی تھی۔ وہ بڑی پھر تی سے اٹھا اور ایک کرسی فریدی
پر کھینچ ماری۔ فریدی جھکائی دے کر اسے بھی بچا گیا۔ سکھ نے دوسری کرسی اٹھائی لیکن اب وہ سکھ
نہیں معلوم ہو رہا تھا کیونکہ اس کے نگے سر پر انگریزی وضع کے بال نظر آ رہے تھے۔ کرسی اٹھنے
سے پہلے ہی فریدی نے اس کی گردان دبو چلی۔

”فیض....!“ اس نے اسے زمین پر گراتے ہوئے کہا۔ ”اب یہ ڈاڑھی اور موچھیں بھی
فضول ہیں۔“

دوسرے لمحے میں اس نے مصنوعی ڈاڑھی نوچ کر الگ کر دی۔
فیض پر جیسے دیواںگی کا دوڑہ پڑ گیا تھا۔ وہ کسی پاگل کتے کی طرح فریدی کو نوچ رہا تھا۔ لیکن تمنا

سے میش ہی کے کمرے کے آس پاس منڈلا تارہا ہو گا۔“

”لیکن جب اُس کے پاس کرپان بھی موجود تھی تو اُس نے گولی چلانے کی حماقت کیوں کی؟“
حمد نے کہا۔

”ہم اُسے بدحواسی کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ واقعی اگر وہ گولی نہ چلاتا تو ایک حد تک محفوظ رہ سکتا تھا۔ مگر حمید صاحب یہ تو سوچو کہ ہمارے لئے کتنی پریشانیاں بڑھ جاتیں۔ اسے میں حقیقتاً ایک خونگوار اتفاق ہی کہوں گا کہ وہ ہمیں ایک سکھ کے بھیں میں مل گیا۔ ورنہ میش کی موت کے بعد یہ ثابت کرنا بڑا دشوار ہو جاتا کہ فیض ہی اس سازش کا روح روایت تھا۔“

”کیا میش مر گیا؟“

”نہیں زندہ ہے اور اُس نے اپنا بیان دے دیا ہے۔ اسی کے بعد تو فیض کو بھی سب کچھ اگلا پڑا۔ ورنہ وہ بڑا مستقل مزانج آدمی ہے۔“

”اب یے چاری رو جی کا کیا ہو گا؟“ حمید مختدی سائنس لے کر بولا۔

”کچھ بھی نہیں..... میرا خیال ہے کہ اُن کا نائب عام عورتوں سے بہت مختلف ہے۔ شاید“
ساری عمر شادی نہ کرے۔“

”اور آپ بھی اسی نائب کے مرد ہیں۔“ حمید دردناک آواز میں بولا۔ ”کاش آپ دونوں کر شادی ہو سکے۔ یقین مانتے..... وہ آپ کے لئے آپ سے بھی زیادہ خط الحوال بچے پیدا کرنے کے صلاحیت رکھتی ہے۔“

”شٹ اپ....!“

”غیر گرا یئے نہیں..... میں چڑی اوٹی کا..... ار..... ایڑی چوٹی کا زور لگادوں گا۔ غلط سلا بو لئے لگا ہوں۔ شاید میرا الاشور کھوپڑی کے اوپر آگیا ہے۔“

فریدی اُسے بڑا تاچھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اور حمید نے پھر چادر سے منڈل کی ڈھنک لیا۔

ختم شد